168
DATA ENTERED

نقوشِ زنداں

یعنی تحریکِ ختمِ نبوت کی قید و بند میں لکھے ہوئے مختلف احباب کے نام خطوط، جن میں اسلام کے بنیادی مسائل ختمِ نبوت، مسئلۂ ارتداد، توحید و رسالت، مقامِ نبوت، احسان و استحسان پر تبصرہ اور مختلف آیاتِ قرآنی اور ارشاداتِ نبوت کی تشریح کی گئی ہے۔

— از —

حضرت مولانا الحافظ الحاج محمد علیؒ صاحب صدیقی

صدر دار العلوم الشہابیہ سیالکوٹ

— ناشر —

مکتبہ قاسمیہ رنگپورہ روڈ شہر سیالکوٹ

Marfat.com

سلسلہ مطبوعات نمبر ۴

تالیف ... حضرت مولانا محمد علیؒ صاحب صدیقی

عناوین ۳۳۷

آیات ۹۲

احادیث ۵۴

کل صفحات ۳۱۲

طابع ... ... محمد شریف قاسمی

ناشر ... ... مکتبہ قاسمیہ سیالکوٹ

مطبع ... ... اقبال پرنٹنگ پریس سیالکوٹ

قیمت مجلد ... ... پانچ روپے پچاس پیسے

تاریخ اشاعت ... ... رمضان المبارک ۱۳۸۱ھ
فروری ۱۹۶۲ء

Marfat.com

۲۹۷۶۰۴
۵۲۵۲ ن
۱۱۹۹۲۵
DATA ENTERED

فہرست

نگاہِ اوّلین — از ۱ تا ۴

خط مرقوم یکم ستمبر ۱۹۵۳ء — از ۵ تا ۸

معاصی اور مصائب کے اندر مبتلا ہونے میں جوہری فرق ـــ مشقتیں اور تکلیفیں راہ محبوب میں ترقی مدارج کا سامان ہیں ـــ مومن کو گھبراہٹ مصائب سے نہیں بلکہ معاصی سے ہوتی ہے۔

خط مرقوم ۵ ستمبر ۱۹۵۳ء — از ۹ تا ۱۴

اللہ پاک کی یاد میں ثبات اور دوام ـــ آیت قرآنی وَتَبَتَّلْ اِلَیْهِ تَبْتِیْلًا میں مبالغہ اور تجدید کی شرطیں تبتل کی انواع اور ان کا اصطلاحی نام ـــ دعوت اور دعویٰ میں فرق ـــ دعوت کے فرائض واجبات اور مستحبات۔

خط مرقوم ۷ ستمبر ۵۳ء — از ۱۵ تا ۲۰

قرآن کی بیان کردہ وحی کی دو قسمیں ـــ اتباع وحی اور تلاوت وحی میں فرق ـــ قرآن کی زبان میں وحی سے دو چیزیں مراد ہیں ایک ما اراک اللہ اور دوسری ما انزل اللہ حدیث ابوسعید خدری کا صحیح مفہوم۔

خط مرقوم ۱۱ ستمبر ۵۳ء — از ۲۱ تا ۲۷

نماز چھوڑنے پر نبوت کی وعید ـــ دینی زندگی کی الٹی ہوئی بساط اور اس کی تصویر ـــ دنیا اور اس کی تمام مشغولیت سامان عبادت ہے۔ حکومت مقصد نہیں بلکہ حصول مقصد کا ذریعہ، خالص دیوانی قوانین میں تذکار قیامت۔

خط مرقوم ۲۵ ستمبر ۵۳ء — از ۲۸ تا ۳۵

اللہ جل شانہ کا بندوں کے نام پیغام انسان مناطقہ کا حیوان ناطق نہیں بلکہ ایک ذمہ دار اخلاقی وجود ہے ـــ اصطلاح شریعت میں استغفار کی حقیقت ـــ مغفر کے لغوی معنے حفاظت کی دو صورتیں اعمال جنت میں داخل ہونے کا سبب ہیں۔

خط مرقوم ۳۰ ستمبر ۵۳ء — از ۳۶ تا ۴۹

نبوت ماننے میں مولانا محمد قاسمؒ کا نظریہ ـــ اوصاف کی قسمیں ـــ نبوت بھی ایک وصف ہے

Marfat.com

اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔ اوصاف کا موصوف ذاتی پر اختتام ــــ حضور انور کیلئے نبوت حادث ہے

خط مرقوم ۲۲ ستمبر ۵۳ء از ۵۰ تا ۶۵

انکار حدیث کے فتنے کو پرویزی فتنہ کہنے کی علمی توجیہ ــــ نبی صاحب کتاب کو نہیں بلکہ صاحب وحی کو کہتے ہیں
آغاز بخاری میں آیت وحی لانے کی وجہ مصادر و مظاہر عمل سے وحی کا تعلق ــــ نبی شناسی کا اخلاقی اور ذہنی پیمانہ

خط مرقوم ۲۹ ستمبر ۵۳ء از ۶۶ تا ۷۸

سالار نبوت کی زندگی کا نام اسلام ہے ــــ صرف ارشاد قولی بگڑی ہوئی قوموں کیلئے اکسیر نہیں ہے ـ نبوت کا دو
ٹوک فیصلہ ــــ دعوت کا کام اوپر سے نیچے شروع ہوتا ہے ــــ رسالت محمدیہ اجتماعی بعثت کی حامل ہے۔

خط مرقوم ۳ اکتوبر ۵۳ء از ۷۹ تا ۱۰۲

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا دوسرا نام اسلام ہے ــــ مسلمان زندگی کے ہر شعبہ میں اسلام
کا قیدی ہے۔ آزادی کا اسلامی مفہوم ــــ تخت حکومت سے اسلامی زندگی کا مطالبہ۔

خط مرقوم مورخہ ۱۰ اکتوبر ۵۳ء از ۱۰۳ تا ۱۱۰

عقل خود پرستی اور ایمان خدا پرستی کا نام ہے ــــ مقام رسالت کے بارے میں ایمان کی تین شرطیں ــــ
اتباع اور اطاعت میں بنیادی فرق ــــ قانون سازی میں خلافت راشدہ کا مقام نبوت سے نیچے اور اجتہاد سے اوپر ہے

خط مرقوم مورخہ ۱۲ اکتوبر ۵۳ء از ۱۱۱ تا ۱۲۴

موضوع تراویح پر روایت ابن عباس کی تحقیق ــــ روایت کے مخارج ــــ حدیث کے ضعیف ہونے
کی وجہ ــــ ابو شیبہ ابراہیم بن عثمان کا چہرہ، تہذیب کے راویوں کی ثقاہت، امام شعبہ کی تکذیب کی کہانی

خط مرقوم مورخہ ۱۴ اکتوبر ۵۳ء از ۱۲۵ تا ۱۳۹

اللہ کی صفت اور اس کی قسمیں ــــ مسلک تاویل یا تفویض ــــ کلام کی اور علم کلام کی بیچارگی ــــ معتقدات
میں اطمینان کی راہ کلام نہیں بلکہ قرآن ہے ــــ امام غزالی کا اعتراف قرآن میں غیبی حقائق کے ماننے کا مطالبہ شک ...

[redacted]

اللہ کی صفت اور اس کی قسمیں ــــ مسلک تاویل یا تفویض ــــ کلام کی اور علم کلام کی بیچارگی ...

Marfat.com

سوسائٹی میں درمیانہ درجہ ـــ بہت بڑی سرمایہ داری اللہ کو ناپسند ہے ـــ نمونہ کی معتدل زندگی ـــ

خط مرقوم مورخہ ۲۵ اکتوبر ۵۳ء از ۱۵۶ تا ۱۶۸

اخلاق کا سرچشمہ ـــ غضب اور شہوت کی فیرنگیاں ـــ رہبانیت ان کا ازالہ چاہتی ہے ـــ اسلام ان کا ازالہ نہیں امالہ چاہتا ہے ـــ عبادت کے موضوع پر ارباب مذاہب میں فکر و نظر کا اختلاف۔

خط مرقوم مورخہ ۳۰ اکتوبر ۵۳ء از ۱۶۹ تا ۱۷۳

اسلامی نظام حیات کی برتری کی تمنا ـــ رائے عامہ اور جمہوریت ـــ رائے عامہ کے جائزہ لینے کا طریق ـــ باطل کی ہواؤں سے حقائق کے چراغ نہیں بجھتے ـــ جو کچھ مل جائے غنیمت ہے۔

خط مرقوم مورخہ ۳ نومبر ۵۳ء از ۱۷۴ تا ۱۷۵

خلوت ایک بہت بڑی نعمت ہے ـــ اللہ سبحانہٗ کی شان جمالی و جلالی ـــ بلاء اور بلاء حسن میں فرق ـــ شیخ اکبر اور مولانا روم کا نظریہ ـــ علامہ محب اللہ بہاری کا تعارف

خط مرقوم مورخہ ۱۰ نومبر ۵۳ء از ۱۷۶ تا ۱۸۳

حسن پسندی اور حسن کاری ـــ قرآن حسن کاری کا داعی بن کر آیا۔ حسن پسندی کے لئے قرآن و حدیث کا سہارا ـــ حسن پسندی کا نسب نامہ ـــ حسن کاری کی تشریح ـــ آیت محکیم سے اخذ کردہ نتائج۔

خط مرقوم مورخہ ۲۲ نومبر ۵۳ء از ۱۸۴ تا ۱۸۶

غداری کا الزام خود الزام تراشوں کی کھلی غداری کا آئینہ دار ہے ـــ عبدالملک بن مروان کا آزادی رائے کو کچلنے کے لئے آرڈیننس ـــ سیاسی زندگی کے سارے گوشے آج مصلحت اور منفعت کے تقاضوں کے پورے پورے تابع ہیں

خط مرقوم مورخہ ۲۹ نومبر ۵۳ء از ۱۸۷ تا ۱۸۸

زحمت میں رحمت، مصیبت میں نعمت کا تصور، تنہائی عتاب و عقاب نہیں بلکہ بیماری کی دوا ہے۔ خلوت اور جلوت کا تقابل ـــ

خط مرقوم مورخہ یکم دسمبر ۵۳ء از ۱۸۹ تا ۱۹۲

وقت کی قدر و قیمت ـــ انبیاء وقت کے سب سے زیادہ قدردان تھے ـــ قبر کا بھیانک اور خوفناک

Marfat.com

منظر ـــ یہاں منٹ ـ پل اور گھڑی بڑی قیمتی ہے ـــ

خط مرقوم مورخہ ۴ دسمبر ۵۳ء از ۱۹۳ تا ۱۹۵

کچھ اپنا حال ـــ روزنامہ کا ناگزیر عمل ـــ جیل کی زندگی کے چوبیس گھنٹے ـــ دن بھر کے مشاغل اور روزمرہ کا پروگرام

خط مرقوم مورخہ ۷ دسمبر ۵۳ء از ۱۹۶ تا ۱۹۹

۱۹۵۳ء کا خونیں ڈرامہ ـــ اللہ کی شان تدبیری اور اس کی شان حکیمی کی توضیح اور ان میں باہمی فرق۔ ما بقوم اور ما بانفسہم کی تشریح ـــ اسلامی قومیت کا فیصلہ وقت کا اہم تقاضا ہے۔

خط مرقوم مورخہ ۱۰ دسمبر ۵۳ء از ۲۰۰ تا ۲۰۳

وساوس دور کرنے کی پانچ تدبیریں ـــ اصلاح نفس کے دو طریقے طریق نبوت اور طریق ولایت اور دونوں میں فرق ـــ حواس کی اور مشاعر کی طرح لطائف بھی پانچ ہیں

خط مرقوم مورخہ ۱۵ دسمبر ۵۳ء از ۲۰۴ تا ۲۰۷

انسان ایک عالم صغیر ہے ـــ روح سے اخلاق کا تعلق ـــ حواس اور مشاعر کی طرح لطائف پنجگانہ بھی اگر کام نہ کریں تو انسان حیوانیت سے بھی گر جاتا ہے

خط مرقوم مورخہ ۱۸ دسمبر ۵۳ء از ۲۰۸

توحید بطور مقام حاصل کرنے کا نسخہ اور اس کی ترکیب استعمال۔

خط مرقوم مورخہ ۲۳ دسمبر ۵۳ء از ۲۰۹ تا ۲۱۲

خلوت کی لذتیں اور پرکیف نفع اندوزیاں ـــ اللہ کی یاد وہ نعمت ہے کہ اس سے آگے کسی نعمت کا تصور بھی نہیں ـــ خواب میں بشارت ـــ جرم کا کھلے بندوں اقرار ـــ

خط مرقوم مورخہ ۲۷ دسمبر ۵۳ء از ۲۱۳ تا ۲۱۹

حکیم الامت شاہ ولی اللہ کی ذات صرف علمی نہیں بلکہ استدلالی شخصیت ہے ـــ شاہ صاحب کے سینہ تجدید سے ابلی ہوئی ہدایت علم الٰہی اور ربانی ہے ـــ فکر و عمل کی دو قوتیں ـــ افراط

Marfat.com

خط مرقوم مورخہ یکم جنوری ۱۹۵۴ء از ۲۲۰ تا ۲۲۲

دینداری، فن دینداری اور پیشہ دینداری ــ نبوت کا پیش نہاد اور علم کے موضوع پر اس کا مطالبہ ــ نفس کو لذت دوسروں پر اپنی برتری جتلانے میں آتی ہے ــ اچھی صحبت اور اس کی ضرورت ــ

خط مرقوم مورخہ ۴ جنوری ۵۴ء از ۲۲۳ تا ۲۲۶

امیر خسرو شیخ نظام الدین بلخی کے مرید ــ پیر اور مرید میں بے حد محبت ہے ــ جیل بلحاظ صورت خانقاہ سے ملتا جلتا ادارہ ہے ــ تحلیہ اور تخلیہ تصوف کے دو رکن ہیں ــ جیل کی زندگی سراسر تخلیہ ہے ــ

خط مرقوم مورخہ ۸ جنوری ۵۴ء از ۲۲۷ تا ۲۳۰

سید سلیمان ندوی کی رحلت جماعتی زندگی کے لئے ناقابلِ تلافی نقصان ہے ــ سید صاحب بہت بڑا علمی سہارا اور تقدس و تقویٰ کا قومی سرمایہ تھے ــ قانون کے خلاف قرآن و سنت نہ بننے کا مفہوم ــ

خط مرقوم مورخہ ۱۵ جنوری ۵۴ء از ۲۳۱ تا ۲۳۶

انبیاء کی ہدایت میں عقائد ــ اعمال اور اخلاق کی اصلاح اور اسلام میں ان کے مدارس ــ اسلام ایک جاندار وجود ہے عقائد اس کا دماغ ــ اعمال اس کے اعضاء و جوارح ــ

خط مرقوم مورخہ ۱۸ جنوری ۵۴ء از ۲۳۷ تا ۲۵۱

ماننے تو اسلام ــ نہ ماننے تو کفر اور مان کر چھوڑ دینے کو ارتداد کہتے ہیں ــ قرآن کی چند اصولی اور قانونی ہدایات، انفرادی اور اجتماعی ارتداد کا قرآن میں ذکر ــ

خط مرقوم مورخہ ۲۲ جنوری ۵۴ء از ۲۵۲ تا ۲۶۰

معجزہ اگر دلیل نبوت ہے تو دلیل اور مدلول میں مطابقت ــ معجزہ کے دلیل نبوت ہونے پر ایک مثال ــ معجزہ کے دلیل نبوت ہونے پر مشہور اہل حدیث مولانا محمد حسین بٹالوی کے نام مولانا محمد قاسم کا خط

خط مرقوم مورخہ ۲۴ جنوری ۵۴ء از ۲۶۱ تا ۲۷۴

زبان کی شیرینی و جواب دل کی تلخی ــ موت کو سامنے دیکھ کر اسلام کی دعوت ... دوسرے بندوں کو منانے کا نام ہے ــ وہ کی ... تعلیم

خط مرقومہ مورخہ ۲۵ جنوری ۱۹۵۴ء از ۲۷۵ تا ۲۷۸

حقوق اور فرائض کا فرق — اسلام نے مسلمانوں کے سامنے فرائض رکھے ہیں۔ فرائض کی تلاش ادائے فرض کا جذبہ ادائے فرض پر اللہ کا شکر — سوچنے کی چیز صرف ادائے فرض ہے۔

خط مرقومہ مورخہ ۲۷ جنوری ۱۹۵۴ء از ۲۷۹ تا ۲۸۵

الطفیل کی شخصیت — دعوت کا پر آشوب زمانہ — الطفیل کی مکہ میں آمد — وفد قریش کی الطفیل سے ملاقات۔

خط مرقومہ مورخہ ۳۰ جنوری ۱۹۵۴ء از ۲۸۶ تا ۲۸۸

حدیث الدنیا سجن المؤمن کی تشریح۔ مسلمان کے لئے دنیا کے جیل خانہ ہونے کا مشہور مطلب اور احادیث کی روشنی میں اس کی تردید۔

خط مرقومہ مورخہ ۲ فروری ۱۹۵۴ء از ۲۸۹ تا ۲۹۶

یزید بن رومان کی روایتی تحقیق۔ تراویح میں اختلاف کا بنیادی نقطہ۔ مرسل حدیث کی تعریف۔ مرسلات مؤطا کا حکم۔ مرویات مرسلہ کی آئینی حیثیت۔

خط مرقومہ مورخہ ۶ فروری ۱۹۵۴ء از ۲۹۷ تا ۳۰۴

رہائی کی تاریخ اور کچھ قید کی توسیع — جیل کی زندگی میں بے فکری — علائق کی کثرت غم والم کا سامان ہے۔

Marfat.com

نگاہِ اوّلیں

۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں مجھے تواصی بالحق کے نتیجے میں قید و بند سے دو چار ہونا پڑا۔ میں جیل میں چوبیس گھنٹوں کی مشغولیت کا پروگرام بنا کر زندگی گذارنے کا خوگر ہوں۔ ان مصروفیتوں میں فرصت کے جو لمحات مل جاتے۔ ان کو میں اس طرح گذارتا یا یوں سمجھئے کہ جیل سے باہر کی زندگی میں فکر و مطالعہ کی لگی ہوئی چاٹ اس طرح پوری کرتا کہ کسی نہ کسی دوست سے زبانِ دہن سے نہیں بلکہ زبانِ قلم سے باتیں کرتا۔ بس زبانِ قلم سے کی ہوئی مختلف وقتوں میں باتوں کا نام نقوشِ زنداں ہے — ان خطوط کا نہ کوئی پس منظر ہے اور نہ کوئی ایک خاص موضوع ہے بلکہ یہ مختلف وقتوں اور مختلف عنوانوں پر منتشر خیالات ہیں۔

رہائی کے بعد میرے عزیز شاگرد مولانا حافظ امیر علی نے ان منتشر اوراق کو یکجا کیا۔ یکجا ہو جانے کے بعد کچھ احباب نے ان کی اشاعت کے لئے اصرار کیا۔ بالآخر مولانا حافظ محمد شریف قاسمی مالک مکتبہ قاسمیہ نے ان کی اشاعت کے لئے کمر ہمت باندھی۔ اور ہمت بھی اس طرح کہ پہلے ان کو مرتب شکل میں صاف ستھرا کتابی صورت میں لکھا۔

میرا کام صرف اس قدر ہے کہ ہر خط کی پیشانی پر خلاصہ میرا لکھا ہُوا ہے۔ اس کے علاوہ ساری محنت کا سہرا میرے ان دو عزیزوں کے سر ہے۔ اختصار یا تطویل کسی خاص تاثر کے پیش نظر نہیں بلکہ یہ وقت کی موافقت

Marfat.com

اور طبیعت کے نشاط کی وجہ سے ہے ــــ ان میں توحید، رسالت، مقام نبوت، انکار حدیث، مسئلہ ارتداد، ختم نبوت اور دوسرے کلامی، فقہی، اجتماعی، سیاسی اور اقتصادی مسائل پر تبصرہ کے ضمن میں مختلف آیات قرآنی اور احادیث نبوی کی تشریح کی گئی ہے اور بتایا ہے کہ ہم اس مقصد کو بھول گئے جس کے لئے اللہ نے بے شمار قوموں کی موجودگی میں ہمیں منتخب کیا تھا۔ ہمیں نبوت سے جو مقصد ملا تھا۔ کہ لوگوں کو انسانوں کی خدائی سے نکال کر خدائے واحد کا پرستار بنائیں۔ اسے فراموش کر دیا۔ لوگ اللہ کی شریعت کی جگہ اپنے من گھڑت قوانین نافذ کرنے لگے۔ ہم اسلامی اور نبوی قید و بند سے آزاد ہو کر ایک طرح کی اباحی زندگی کے خوگر ہو گئے۔ گویا نہ نبی کی امت ہیں۔ اور نہ وحی و رسالت پر ایمان ہے۔ نہ حساب کا ڈر ہے اور نہ آخرت کا خوف ہے۔ ہم تمدن و اجتماع، سیاست۔ اخلاق اور معاشرت میں ان قوموں کی کاپی کرنے لگے جن کی وجہ سے اللہ ان سے ناراض ہوا تھا۔ اور ان پر اپنا غضب نازل کیا تھا۔ فیا للاسف دیا للعار۔

ہمارے پیش نظر کوئی صحیح اور اعلیٰ مقصد نہیں رہا۔ ہماری تگ و دو اور جد و جہد کھانے پینے اور عیش و عشرت تک محدود ہو گئی۔ دنیا کی قوموں میں ہماری کوئی خصوصیت اور امتیاز باقی نہیں رہا۔ ہم اپنے ہم جنسوں کی طرح ہی انسانوں کا ایک گلہ ہو کر رہ گئے۔

ہمارے بادشاہ اور سلاطین اپنی زندگی کے ایک گوشہ میں دنیا کے جابرہ سے بھی بازی لے گئے۔ اور فراعنہ و نمارده کی طرح دنیا میں اللہ کا کلمہ بلند کرنے سے ہٹ کر کلمۃ الکفر کی بلندی میں مصروف ہو گئے۔

Marfat.com

ہمارے دولت مندوں میں تکبر پیدا ہو گیا۔ ہمارے سردار اور اکابر قوم فسق و فجور میں مبتلا ہو گئے۔ یہاں تک کہ ہمارے فساق و فجار بغض و حسد، جاہ طلبی، دنیا پرستی، عیش پسندی۔ آخرت سے غفلت، خونریزی و بے حیائی، حق تلفی، بدعہدی، بے وفائی، حدود اللہ سے تجاوز، ظلم و بے انصافی، اسراف و تبذیر اور فواحش و منکرات میں آج اپنی مثال آپ ہیں۔ فانا للّٰہ والی اللّٰہ المشتکیٰ۔

اس کا نتیجہ ہے کہ زندگی کے ہر موڑ پر ہم پیچھے دھکیلے جا رہے ہیں اور ہر قدم پر ہمیں ناکامیوں سے ہمدوش ہونا پڑتا ہے۔

آج بھی ہم ناکام نہیں اگر ہم اپنی اندرونی اور بیرونی قوتوں کی اصلاح کر لیں۔ یعنی ہمارا قلب ایمان سے معمور ہو جائے۔ اور روح دینی تعلیمات اور اسلامی اخلاق کے ذریعے پاکیزہ ہو جائے۔ سینہ میں دینی حمیت جوش مارنے لگے اور ہمیں معلوم ہو جائے کہ پوری دنیا میں آگ لگ رہی ہے۔ اور اسے بجھانے کے لئے پانی مسلمان کے سوا کسی کے پاس نہیں ہے۔ اس کے لئے دوڑ دھوپ، محنت اور جدوجہد کو ہم اپنا نصب العین بنا لیں۔ اس راہ میں اپنی لذتیں، اپنی مسرتیں، اپنا خواب و خور بھول جائیں تو ہم آج بھی قضاء الٰہی اور حکم ربانی بن کر سب پر غالب آ سکتے ہیں۔ قرآن، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کرام کی سیرت آج بھی موجود ہیں۔ ہمیشہ یہی مسلمانوں کے لئے قوت اور زندگی کا منبع، جوش ایمان کا مخزن رہی ہیں مسلمانوں نے ہمیشہ ان سے زندگی اور طاقت حاصل کی ہے۔ آج بھی اگر ہم ان پر خاص توجہ کریں۔ ان کی اشاعت میں خاص حصہ لیں۔ خود پڑھیں اور اپنے بچوں کو

Marfat.com

پڑھائیں تو ہم عزت اور قوت کے مالک ہو سکتے ہیں۔ ان سے ہٹ کر کوئی کوشش کامیاب نہیں ہو سکتی ہے۔

۱۹۵۳ء میں لکھی ہوئی یہ دستاویز اب احباب کی کوششوں سے ۱۹۶۲ء میں شرمندۂ طباعت ہو رہی ہے۔ اللہ کرے کہ میری یہ آہیں کسی کی اصلاح حال کا سامان ہو کر میرے لئے رضاء مولیٰ اور نجات آخرت کا ذریعہ ہو جائیں۔ وما ذالك على الله بعزيز۔

محمد علی الصدیقی

کان اللہ لہٗ

۱۹ رمضان المبارک ۱۳۸۱ھ مطابق ۲۵ فروری ۱۹۶۲ء

Marfat.com

ڈسٹرکٹ جیل سیالکوٹ

یکم ستمبر ۱۹۵۳ء

زندگی کی ساری بدحالیوں کا بنیادی سبب، معاصی اور مصائب کے اندر مبتلا ہونے میں جوہری فرق اور دونوں کے نتائج، مشقتیں اور تکلیفیں راہِ محبوب میں ترقیٔ مدارج کا سامان ہیں۔ مومن کو گھبراہٹ مصائب سے نہیں بلکہ معاصی سے ہوتی ہے۔

حبی فی اللہ۔ وفقنا اللہ وایاکم لما یحبہ ویرضاہ — السلام علیکم

مصائب بھی اللہ جل شانہٗ کا بہت بڑا انعام ہیں۔ شیخ جیلانی رح نے فتوح الغیب میں لکھا ہے کُلُّ بَلَاءٍ نِعْمَۃٌ مِّنَ اللہِ۔ اور کیوں نہ ہو وفائے محبوب سے جفائے محبوب زیادہ قیمتی ہوتی ہے بشرطیکہ صاحبِ بلا دانائے راز اور صاحبِ حال ہو۔ اگر صاحبِ حال نہ ہو تو خوش حالیوں میں منوعیت اور بدحالیوں میں جزعیت نمایاں ہوتی ہے۔ اللہ پناہ دے۔ ان دونوں سے مل کر جو حالت و کیفیت رونما ہوتی ہے اس کا نام ہلوعیت ہے یعنی انسانی نفسیات کی وہ کیفیت جسے ہم لالچی اور بے صبراپن کہتے ہیں

اذا مسّہ الشر جزوعًا و — بدحالی میں گھبرانے والا اور خوش حالی

اذا مسہ الخیر منوعًا۔ — میں اچھائی کے راستے میں روک بن جانے والا۔

Marfat.com

میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ کبھی سنا یا پڑھا تھا کہ حضرت حاجی امداد اللہؒ ایک مجلس میں بلاؤں کے انعام الٰہی ہونے پر کچھ فرما رہے تھے کہ ایک شخص آیا اور بیماری کے لیئے دعا کی درخواست کی۔ حاضرین حیران تھے کہ دیکھئے اب اس نعمت کے بارے میں کیا فرماتے ہیں۔ کہتے ہیں ہاتھ اٹھائے اور فرمایا۔ الٰہا! بیماری بھی ہم پر تیرا انعام ہے لیکن اس انعام کے تحمل کی ہم میں طاقت نہیں تو اس نعمت کو صحت کی نعمت سے مبدّل فرما دے۔

یہی وہ انعام ہے جس سے مدارج میں ترقی ہوتی ہے۔ مقامات طے ہوتے ہیں قرب الٰہی زیادہ سے زیادہ ہوتا جاتا ہے۔ مگر بے حال لیے قدر کی نگاہ سے کب دیکھتے ہیں۔ وہ تو دنیا کی اس ٹیپ ٹاپ کو ہی مقصود بنا لیتے ہیں۔ آخرت سے آنکھیں اندھی ہوتی ہیں ایسی اندھی کہ وہاں کا کروڑ بھی یہاں کی رتی کے مقابلے میں نظر نہیں آتا۔

یَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ	دنیوی زندگی کی ٹیپ ٹاپ کو جانتے
الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ	ہیں اور آخرت کی زندگی سے غافل
غَافِلُوْنَ	ہیں

آہ آج ہماری ساری بدحالیوں کی داستان اسی ایک نقطہ میں سمٹی ہوئی ہے کہ صحابہ کرام کے برعکس ہماری دن رات کی تگ و دو ہمارے سفر، ہماری تجارت ہماری سیاست، اور ہماری تعلیم آخرت سے الگ ہو کر دنیا اور صرف دنیا کی ہو کر رہ گئی ہے۔ روحِ ایمان میں ناسور پھوٹ آیا زندگی کے کسی گوشے میں بھی اس زندگی کے اعمال کے حسابے اور جزا کا تصور نہیں۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ آج ہمارے کردار و گفتار میں تباین ہے اور ہر فعل ہر ادا اور ہر حرکت اخلاص کی دولت سے محروم ہے فانا للہ والی اللہ المشتکیٰ

Marfat.com

غالباً ازالۃ الخفاء میں حضرت فاروق اعظمؓ کا یہ ارشادِ گرامی پڑھا تھا کہ جب بھی کسی مصیبت میں مبتلا ہوتا ہوں تو اپنے اندر چار حسنوں کا احساس پاتا ہوں۔

اول یہ کہ اس سے میرے دین کو صدمہ نہیں پہنچا۔ دوسری یہ کہ اس مصیبت سے بڑی مصیبت سے دوچار نہیں ہوا تیسرا یہ کہ اس کی وجہ سے میں رضائے حق سے محروم نہیں ہوں۔ چوتھی یہ کہ اس پر اللہ پاک سے اجر کا امیدوار ہوں۔

دراصل گھبرانے کی چیز مصائب نہیں معاصی ہیں۔ ایمان کی روح میں بے چینی ہوتی ہے معاصی کے ابتلاء سے اور سکون آتا ہے راہِ محبوب میں رضائے محبوب کی خاطر تکلیفیں اٹھانے سے۔ اور یہ سکون ترقی کر کے اس درجے پر پہنچ جاتا ہے کہ اس میں لذت محسوس ہونے لگتی ہے۔ اور یہ لذت ہی ہے کہ مضطرب و بے چین لبوں پر یہ تمنا آجاتی ہے۔

وَدِدتُّ ان اقتل فی سبیل — مجھے پسند ہے یہ بات کہ راہِ مولیٰ میں قتل کیا

اللّٰہ ثم احیی ثم اُقتل۔ — جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں

کہنا یہ چاہتا ہوں کہ مجھ پر اللہ جلّ شانہٗ کا بڑا انعام ہے پہلی بار بھی اور اس بار بھی بڑی ترقی ہے اور بہت سیر و سیاحت ہے روح لذت کی جن سرشاریوں سے دوچار ہے اس کے اظہار کے لئے الفاظ نہیں۔ میں قربان جاؤں ذات قدوس جل جلالہ کے کہ مجھ پر کیسی مہربانی کی اور اپنے قریب کرنے کے لئے غیب سے کیسی امداد فرمائی۔ فللّٰہ الحمد ولہ الشکر۔

پہلی بار تین ماہ میں اپنی کم مائگی کی وجہ سے جو چیز ہاتھ نہ آئی تھی وہی الحمدللہ اب قریب سے قریب تر ہوتی جارہی ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس دفعہ عرصہ چھ ماہ کا ہے۔

یقین کامل ہے کہ بے پایاں عنایات ہوں گی۔ رحمتیں ہوں گی۔ اللہ جل شانہٗ

Marfat.com

اپنی لگن اور دل کی وادیوں میں اپنی محبت کا سوز عطا فرمائیے یہی باقی ہے اور اس کے سوا سب فانی ہے۔ زاد آخرت بننے کی اسی میں صلاحیت ہے۔

والسلام علیکم و رحمۃ اللہ

بنام حضرت مولانا محمد حسین صاحب فاضل دیوبند خطیب جامع چاہ جٹاں سیالکوٹ

Marfat.com

ڈسٹرکٹ جیل سیالکوٹ

مورخہ ۱۵ ستمبر ۱۹۵۳ء

اللہ پاک کی یاد میں بہتات اور دوام، آیت قرآنی وَتَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلًا میں یادِ الٰہی کے سودمند ہونے کے لئے مبالغہ اور تدریج کی شرطیں تبتّل کی انواع اور ان کا اصطلاحی نام، دعوت اور دعویٰ میں فرق، غرور تقویٰ سب سے خوفناک مرض ہے، دعوت کے فرائض واجبات اور مستحبات، انسان صرف حیوان ناطق نہیں بلکہ ایک ذمہ دار اخلاقی وجود ہے، قرآن نے امت کو نیکی کی دعوت سے نہیں دعویٰ سے منع کیا ہے۔

عزیزم! سلمکم اللہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آج تم یاد آئے زندگی کے سانس الحمدللہ نہ صرف بہتر بلکہ بہترین گذر رہے ہیں۔ اتنے بہترین جو بہتوں کے لئے شاید سامانِ رشک ہوں ایسا رشک کہ تمنائیں کریں اور گڑگڑا کر یہاں پہنچنے کی دعائیں کریں۔ ہر روز اللہ جل شانہٗ سے قرب ہو رہا ہے زبان ہر آن ذکر اللہ سے مرطوب رہتی ہے الحمدللہ۔

یقین مانو یہ نعمت عظمٰی باہر نصیب نہ تھی اور ایک عرصہ سے باوجود کوشش کے ہاتھ نہ آتی تھی اللہ جل شانہٗ کی عنایت سے یہاں اس راہ کی ساری مشکلیں حل ہو رہی ہیں۔ خدا سے دعا کرو کہ ذکر اسم رب کے مطالبے کی پابجائی میں دو باتیں نصیب ہوں۔ بہتات اور دوام۔ قرآن کے اشارات سے یہی ٹپکتا ہے سورۂ مزمل میں تم نے یہ آیت بارہا پڑھی گی۔

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا

یاد کر اپنے رب کے نام کو اور کٹ جا اس کی طرف کٹ جانا۔

اسم رب کے ساتھ تبتّل کی جو قید لگائی گئی ہے۔ وہ بڑی ہی معنے خیز ہے پھر تبتّل کے ساتھ تبتیل کی قید اس سے زیادہ اور پھر فعل اور مصدر کا وزنی اختلاف خلاف قیاس بہت زیادہ گہری معنویت رکھتا ہے شائد مدارج میں اسلام کے مشہور محقق حافظ ابن القیم نے اس اختلاف کی طرف ایک چلتا سا اشارہ کیا ہے یاد پڑتا ہے لکھا ہے کہ تبتّل تفعّل ہے۔ اس کا خاصہ مبالغہ ہے۔ اور تبتیل تفعیل ہے ۔ اس کا خاصہ تدریج ہے۔ آیت کا حاصل یہ ہے کہ ذکر اسم رب بہتات کے ساتھ دیر تک اور لگاتار ہو تو مفید و مطلوب ہے تبتیل یعنی انقطاع ایک جنس ہے اس میں ساری انواع داخل ہیں۔ یعنی تبتیل عن الھواجس۔ تبتّل عن الخواطر تبتّل عن اللذائذ۔ اور یہی انواع ہیں۔ جنہیں اصطلاحی زبان میں تقلیل طعام تقلیل کلام، تقلیل منام اور تقلیل اختلاط مع الانام کہتے ہیں۔ ان چار میں بہتات ہو اور عرصہ دراز تک ہو تو ذکر اسم ذات رنگ پیدا کرتا ہے۔ اسی رنگ کے پیدا ہونے کے بعد تسلیم و توکل کی صفات ظاہر ہوتی ہیں۔ شاید رب المشرق والمغرب لا الہ الا ھو فاتخذہ وکیلاً کے مفہوم میں اسی طرف اشارہ ہے۔ مفہوم کی قید اس لئے لگا رہا ہوں کہ یہ آیت کا مدلول اور منطوق نہیں ہے۔

بہرحال کہنا یہ چاہتا ہوں کہ ذکر اللہ دوام اور بہتات کے ساتھ عجیب نعمت ہے یہ راہ خود بہت ہی عجیب ہے۔ مگر راہ نوردی میں رہبر کامل کے بغیر بہت ہی مشکلات ہیں۔

اچھا اب رخصت ہوتا ہوں تقریباً پونے دس بجے ہیں کھانا کھا چکا

ہوں بھنی ہوئی دال ماش کھائی ہے۔ مولوی حبیب احمد نے پکائی تھی کچھ کسر تھی مولوی صاحب داد چاہتے تھے۔ مگر افسوس کہ میں تصنع نہ کر سکا اگرچہ میری صاف گوئی ان کی کچھ دل شکنی کا باعث ہوئی۔ اے کاش وہ نہ پوچھتے اور نہ میں کسر کو ظاہر کرتا اللہ مجھے معاف کرے۔

آج رات بھی کچھ بدمزہ گذری تہجد کو آنکھ نہ کھلی - ایک خواب بھی بارہ بجے دیکھا کہ کسی جگہ پانی میں ہوں ایک سرکش گھوڑا اپنے مالک سے بگڑا اور سرپٹ پانی کی طرف آیا مجھے دیکھ کر مجھ پر حملہ آور ہونا چاہتا تھا۔ خود اس کے مالک ہی نے شور مچایا میں چپ رہا۔ مالک نے گھوڑے کو مار کر میری طرف سے ہٹا دیا - الحمد للہ بیدار ہوا تو لا الہ الا اللہ رب العرش الکریم پڑھا۔ مولوی حبیب احمد جو بیدار ہوئے ان کو خواب سنایا انہوں نے بھی بے ساختہ الحمد للہ کہا۔

بدمزگی کی کہانی بھی سن لو۔ میں نے لیٹے لیٹے اپنے ایک رفیق سے کہا ہم تین ہیں۔ اور تینوں مزاج کے اعتبار سے مختلف ہیں مولوی حبیب احمد کی طبیعت میں تازگی اور اس تازگی کا ظہور ان کی حسن پسند طبیعت سے ہوتا رہتا ہے۔ غلام محمد صاحب! آزاد منش آدمی ہیں رات کو لیٹے لیٹے ان سے کہا کہ اب باہر جا کر کسی برائی میں حصہ نہ لینا بات طول کھینچ گئی اور بدمزگی ہو گئی۔ توبہ و استغفار کی، پچھتایا کہ بات کا آغاز کیوں کیا تھا قصور اپنا تھا بات کہنے کا انداز غلط، داعیانہ اور حکیمانہ نہیں بلکہ انداز حاکمانہ تھا۔ کوفت ہوئی اور نیند اڑ گئی پھر آنکھ لگی پھر کھلی۔ اسی کشمکش میں تہجد سے محروم ہو گیا - یہ ساری آفت اپنے متعلق ایک بڑی غلط فہمی سے ہوئی اپنے کو عالم سمجھا بلکہ نفس کے

Marfat.com

پیچھے چھوڑ رہنے اپنے تئیں تقویٰ کی اترابہٹ دیکھی۔ طاعت اور بندگی کا سب سے خوفناک مرض غرور تقویٰ ہے۔

بہت بڑی انسانی زندگی آج گناہوں کا شکار صرف اس لئے ہے کہ ارباب علم کا انداز سخن غلط ہو گیا دعوت کا نہیں بلکہ دعویٰ کا ہو گیا اللہ ہم پر رحم کرے۔ کتنے ہی دل ہیں جو صرف ہماری اس غلط روش کی وجہ سے محروم ہدایت ہیں۔ جب بھی داعی مدعی کے مقام سے بولتا ہے۔ دعوت کی روح سر پیٹ کر بیٹھ جاتی ہے اور بے نتیجہ ہو کر رہ جاتی ہے۔ نہیں بلکہ غلط نتائج پیدا کرتی ہے۔ ہدایت کی جگہ ضلالت، سعادت کی جگہ شقاوت ابھر آتی ہے۔

شاید شیخ زادہ نے امر بالمعروف کے فرائض، واجبات، سنن اور مستحبات شرح شرعۃ الاسلام میں قلم بند کئے ہیں۔ بڑی کٹھن منزل ہے۔ لوگوں کو دعوت کی ضرورت کے ساتھ اس کی نزاکت کا احساس نہیں ہے۔ حالانکہ اصلی کامیابی کا راز اسی میں ہے۔

افسوس ہے کہ لوگ اپنے کو دعوت کے مقام سے بچانے کے لئے عموماً قرآن کی یہ آیت تلاوت کر دیتے ہیں۔

لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ

حالانکہ اس آیت میں دعوت سے نہیں بلکہ دعویٰ سے منع کیا گیا ہے۔ دعوت یہ کہ تم کسی سے نماز پڑھنے کی درخواست کرو اور دعویٰ یہ کہ تم نماز نہیں پڑھتے ہو اور کہتے ہو کہ نمازی ہوں۔ قرآن کو دعویٰ پسند نہیں ہے۔ قرآن نے شعراء کے معائب میں سب سے بڑا عیب یہی بتایا ہے کہ

اِنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ

ورنہ جہاں تک دعوت کا تعلق ہے۔ یہ تو قرآن کا قائم کردہ وہ فریضہ ہے۔ جس کا امت سے مطالبہ ہے۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ

امام رازی فرماتے ہیں کہ مِنْ بیانیہ ہے اور ترجمہ یوں ہے۔ چاہیئے کہ ہو یعنی تم ایک ایسی امت جو لوگوں کو نیکی کی دعوت دے۔ اس خیال کی بھی کوئی قیمت نہیں کہ نیکی کی دعوت کے لئے پہلے نیک ہونا ضروری ہے نیکی کی دعوت دینا خود مستقل فریضہ ہے۔ اور نیک ہونا الگ چیز ہے۔

یاد پڑتا ہے کہ ملاّ علی قاری محدث نے شرح بدء الامالی میں لکھا ہے کہ نیکی نہ کرنا ایک گناہ اور نیکی کی دعوت نہ دینا دوسرا گناہ ہے۔ چونکہ ایک گناہ کر رہے ہیں اس لئے ضرور دوسرا گناہ بھی کریں گے۔ یہ کوئی عقل کی بات نہیں ہے پوری تفصیلات چاہتے ہو تو احیاء العلوم، مجالس الابرار اور شرح شرعۃ الاسلام کا مطالعہ کرو۔

تلاوت قرآن طولِ قراءت کے ساتھ، نماز اور لا الٰہ الا اللہ کی پابندی کرو کہ اس عالم میں کام آنے والی چیز یہی ہیں۔

عزیز! یہ جہاں فانی ہے یہاں کی ہر چیز مٹ جانے والی ہے۔ آخرت ہی توجہ کی چیز ہے اسی کا یقین انسان کو اس زندگی میں ایک ذمہ دار اخلاقی وجود بناتا ہے اس تصور سے الگ ہو کر انسان مناطقہ کے حیوان ناطق کے سوا کچھ نہیں۔ بے قیدی اور اباحت مطلقہ اس کے اثرات ہیں۔ اور بس سلجھانے کی گتھی دنیا نہیں آخرت اور صرف آخرت ہے دنیا دار فنا ہے یہاں آنا رہنے کے لئے صرف چند روزہ ہے اور اصلی گھر آخرت بنانے کے لئے ہے۔

میرے عزیز! یہاں سے لگی ہوئی بھوک کا مداوا روٹی سے ہو سکتا ہے۔ اور یہ روٹی بھیک سے بھی مل سکتی ہے اور یہاں پیٹ پتوں سے بھی بھر سکتا ہے۔ آہ بندوبست تو اس بھوک کا ہونا چاہیئے جس کا مداوا کوئی نہیں اور جہاں کوئی غذا بھوک کو دور نہ کر سکے گی۔

لَا یُغْنِیْ مِنْ جُوْعٍ

الغرض

لَا عیش الّا عیش الآخرۃ

دھیان کی چیز آخرت ہے۔ اور اس کے لئے یہاں ایمان کے ساتھ عمل صالح کی ضرورت ہے۔ ادنیٰ سے ادنیٰ نیکی کو بھی معمولی نہ سمجھو۔ بلکہ خدا کا شکر کرو کہ اس نے کرنے کی توفیق دی چھوٹے سے چھوٹے گناہ کو معمولی نہ سمجھو بلکہ توبہ کرو اور استغفار پڑھو۔

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ'

بنام:- مولوی حافظ محمد شریف قاسمی مدرس دارالعلوم الشہابیہ و مالک مکتبہ قاسمیہ سیالکوٹ

Marfat.com

ڈسٹرکٹ جیل سیالکوٹ

مورخہ ۷، ستمبر ۵۳ء

قرآن کی بیان کردہ وحی کی دو قسمیں، اتباع وحی اور تلاوت وحی میں فرق، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا اجتہاد و استنباط اور اس بارے میں قرآن کی ہدایت۔ قرآن کی زبان میں وحی سے دو چیزیں مراد ہیں ایک ما اراک اللہ اور دوسری ما انزل اللہ حدیث ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کا صحیح موقف، حدیث کی حضور انور کی جانب سے اجازت۔

صدیقی شوکت صاحب

حیرت ہے کہ اس قدر جلدی کیوں مرعوب ہو جاتے ہو بات سنو سننے کے بعد دلیل کی ترازو میں تولو اور سوچو کہ کیا کہا گیا ہے۔ کیوں کہا گیا ہے۔ صرف اتنی سی بات سے پریشان ہو گئے ہو کہ

"قرآن حکیم سے باہر وحی کوئی نہیں قرآن سے باہر وحی ہونے کی قرآن میں کوئی سند نہیں۔ قرآن میں واضح طور پر موجود ہے کہ وحی وہی ہے جو قرآن میں اور جس کی تلاوت کی جاتی ہے۔"

میں تو سمجھتا تھا کہ تم قرآن کا سمجھ کر مطالعہ کرتے ہو گے مگر مجھے بہت گہرے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ تمہارے تاثرات دیکھ کر میری امیدوں پر اوس پڑ گئی میں محسوس کرتا ہوں کہ ایک دفعہ خود قرآن کی مدد سے اصل بات تک تمہاری رسائی ہونی چاہیئے۔

اتنی بات تو تم جانتے ہو کہ قرآن حکیم نے خود وحی کے بارے میں جس چیز پر جگہ جگہ زور دیا ہے وہ صرف دو باتیں ہیں ایک وحی کا اتباع

Marfat.com

دوم وحی کی تلاوت۔

قرآن میں ایک سے زیادہ مقامات پر اتباع وحی کا جس انداز سے مطالبہ کیا گیا ہے۔ اس پر غور کرو۔ سورہ انعام پارہ ۷ میں ہے۔

اِتَّبِعْ مَا اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ

تو چل اس چیز پر جو وحی کی گئی ہے۔ تیری طرف تیرے پروردگار کی جانب سے۔

سورہ یونس کی آخری آیت ہے۔

اِتَّبِعْ مَا یُوْحٰی اِلَیْکَ وَاصْبِرْ حَتّٰی یَحْکُمَ اللّٰہُ وَھُوَ خَیْرُ الْحَاکِمِیْنَ۔

تو چل اس چیز پر جو وحی کی گئی ہے تیری طرف اور صبر کر یہاں تک کہ فیصلہ کر دے اللہ اور وہ بہترین فیصل ہے۔

کچھ آیات وہ ہیں جن میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنا موقف بیان کیا ہے

اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰی اِلَیَّ۔ (سورہ انعام)

میں صرف اس چیز کا پیروکار ہوں جس کی میری طرف وحی آتی ہے

سورہ یونس میں ہے۔

اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰی اِلَیَّ اِنِّیْ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ۔

میں تو صرف اس کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے۔ اگر میں اپنے رب کا نافرمان ہوں تو مجھے بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے۔

یہ اور اس قسم کی دوسری آیات میں جہاں بھی وحی کی اتباع کا حکم دیا ہے۔ بلا قید حکم دیا ہے کسی بھی قسم کی کوئی قید نہیں لگائی نہ زمان کی اور نہ مکان کی اور نہ کوائف کی۔

Marfat.com

اور ایسے موقعہ پر جب نبوت کا ذکر آیا ہے۔ تو مَا اُوْحِیَ اِلَیْكَ کی جگہ خود ذات نبوت کو رکھا ہے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ	کہدو! اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم سے پیار کریگا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔

اِتَّبِعُوْنِیْ میں یائے متکلم کا مصداق خود ذات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اور اس کے ذریعے قرآن نے امت سے آپ کی اتباع مطلق کا مطالبہ کیا ہے یعنی یہ فرمایا ہے کہ ذات نبی کی اتباع کرو لیکن یہ نہیں فرمایا کہ زندگی کے کس گوشے میں کرو۔ خود ذات نبی کو مَا اوحی الیك کی جگہ لانا بتا رہا ہے کہ نبی کی ذات کی اخلاق، افعال اور اعمال میں پیروی ما اوحی کی پیروی ہے۔ خیر یہ مبحث ذرا تفصیل طلب ہے کہنا یہ چاہتا ہوں کہ قرآن نے جہاں بھی وحی کیلئے اتباع کو بتایا، یا اقامت نبوت کیلئے اتباع وحی کو بتایا ہے بلا قید اور بلا وصف ہی بتایا ہے قرآن کے اوراق تمہارے سامنے کھلے ہوئے ہیں۔ کوئی لکی ڈھکی بات نہیں دیکھ لو جہاں بھی وحی کی اتباع کا ذکر ہوگا بے قید ہوگا۔ لیکن اس کے برعکس قرآن ہی میں ما اوحی کی تلاوت کا جہاں بھی ذکر آیا ہے۔ وہاں الکتاب کی ضروری قید کا اضافہ کیا گیا ہے۔

سورہ کہف میں ہے۔

وَاتْلُ مَا اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهٖ وَ لَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا۔	اور تلاوت کر جو کچھ وحی کی گئی ہے تیرے رب کی کتاب سے نہیں ہے کوئی بدلنے والا اس کی باتوں کو۔

Marfat.com

اکیسویں پارے کا آغاز بھی یہی ہے۔

اُتْلُ مَا اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتَابِ۔ تلاوت کر اس چیز کی جو وحی کی گئی تیری طرف کتاب سے۔

ان آیات کو پڑھیئے اور بار بار پڑھئے کسی بھی ترجمہ کی مدد سے ان میں ما اوحی الیک کے ساتھ من الکتاب کے تور کو دیکھئے۔ قرآن میں جہاں بھی تلاوت کا ذکر ہے۔ وہاں کتاب کا بھی تذکرہ ہے صرف وحی کے ذکر میں تلاوت کہیں بھی مذکور نہیں ہے۔ مثلاً سورۃ البقرہ میں ہے۔

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتَابَ یَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ جن کو ہم نے کتاب دی ہے۔ وہ تلاوت کرتے ہیں کتاب کی جیسا کہ تلاوت کا حق ہے

سورہ فاطر میں ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَتْلُوْنَ کِتٰبَ اللّٰهِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ۔ بلاشبہ وہ لوگ جو کتاب الہٰی کی تلاوت کرتے ہیں اور انہوں نے نماز قائم کی۔

کہنا یہ چاہتا ہوں کہ اتباع کے مطالبہ پہ صرف ما اوحی کہنا اور تلاوت کے موقعہ پر کتاب کی ضروری قید کا اضافہ کرنا صاف بتا رہا ہے۔ کہ وحی کتاب ہی میں منحصر نہیں ہے بلکہ کتاب سے باہر بھی وحی ہے جس کی پیروی کی جانی چاہیئے۔ اس کی تائید سورہ نساء کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے۔ جس میں فرائض نبوت کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰکَ اللّٰهُ۔ بیشک ہم نے نازل کی تیری طرف کتاب حق کیساتھ ہے تاکہ تو فیصلہ کرے لوگوں کے درمیان اس چیز سے جو تجھ کو اللہ نے دکھائی ہے

لقیناً اس آیت میں ما اراک اللہ الکتاب سے الگ چیز ہے اور یہ قرآن ہی سے پیش پا افتادہ مسائل کیلئے آپ کا اجتہاد اور استنباط ہے۔ حافظ ابن القیم نے

ما اراک اللہ (جو دکھلائے آپکو اللہ) کی تعبیر میں ایک لطیف نکتہ لکھا ہے۔ فرماتے ہیں کہ یہاں بما رایت (جو دیکھیں آپ) اس ملئے نہیں فرمایا کہ دین کے معاملے میں اطاعت خدا و رسول کی ہے۔ حتیٰ کہ رسول بھی یہاں اپنی ذاتی رائے نہیں رکھتا، یہاں رسول کا دیکھنا بھی خدا کے دکھانے کے تابع ہے۔ اسی کے مطابق آپ فیصلہ کرتے تھے اور جو کچھ فیصلہ فرماتے تھے اس کا ماننا ایمان کی ناگزیر شرط تھی۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ

اس سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ قرآن کی زبان میں وحی سے ما اراك الله اور ما انزل الیك دونوں مراد ہیں۔ اور قرآن میں اسی کے اتباع کا حکم ہے۔ لیکن تلاوت کا حکم صرف ما انزل الیك اور الکتاب ہی کیلئے ہے اور چونکہ الکتاب کی تلاوت میں تعبدی حیثیت غالب ہے اسی لئے اس کو تغلیباً "قرآن" کہہ کر پکارا گیا ہے۔ یعنی پڑھنے کی چیز۔

یہیں سے اس حدیث کا مفہوم بھی سمجھ میں آجاتا ہے۔ جسے امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت ابوسعید خدریؓ کے حوالے سے نقل کیا ہے اور جس کے متعلق شور مچانے والے شور مچاتے رہتے ہیں کہ حدیث کے لکھنے اور جمع کرنے سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔

حدیث سن لیجئے!

عن ابی سعید الخدریؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا تکتبوا عنی غیر القرآن ومن کتب عنی غیر القرآن فلیمحہ۔	حضور انورؐ نے فرمایا ہے کہ مجھ سے قرآن کے سوا نہ لکھو۔ اور جس نے قرآن کے سوا لکھا ہو وہ اسے مٹا دے۔
وحدثوا عنی ولا حرج ومن	مجھ سے حدیث روایت کرو اور یاد رکھو

Marfat.com

کذب علیّ متعمداً فلیتبوّأ مقعدہ من النار۔ — جو شخص جانکر میرے خلاف جھوٹ اڑائے گا اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔

اس حدیث میں جس چیز سے روکا گیا ہے وہ صرف یہ ہے کہ تعبدی طور پر قرآن کے علاوہ پڑھنے کی کوئی چیز نہ لکھو۔

اصل میں لفظ غیر سے پہلے اس کا موصوف محذوف ہے اور خود قرآن میں بھی کئی مقامات پر ایسا ہی ہے۔ مثلاً من یتبع غیر سبیل المؤمنین اصل میں یوں تھا۔ من یتبع سبیلاً غیر سبیل المؤمنین

اسی طرح حدیث کی اصل عبارت یوں تھی۔ لا تکتبوا عنی قرآناً غیر القرآن یعنی مجھ سے قرآن کے علاوہ پڑھنے کی کوئی چیز نہ لکھو کیونکہ جس چیز کی تلاوت و قراءت تعبدی ہے وہ صرف الکتاب ہے آسمان کے نیچے اور کوئی کتاب نہیں ہے۔ جس میں تعبّد ہو ورنہ تلاوت سے الگ ہو کر صرف تحدیث کی تو خود اس حدیث میں حدّثوا عنی سے اجازت ہو رہی ہے اس لئے تحدیث کی یا کتابت کی مخالفت اس حدیث سے کھینچ تان کر نکالنا خود ارشاد نبوت کو منشاء نبوت کے خلاف استعمال کرنا ہے۔

الغرض مقصد یہ ہے کہ اتباع کے موقعہ پر صرف ما اوحی کہنا اور تلاوت میں ما اوحی کے ساتھ من الکتاب کا اضافہ کرنا اس بات کی صاف اور واضح دلیل ہے کہ ما اوحی الیک کی دو قسمیں ہیں۔ متلوّ۔ اور غیر متلوّ

جہاں تک اتباع کا تعلق ہے۔ اس میں متلوّ اور غیر متلوّ دونوں یکساں ہیں۔ کیونکہ قرآن نے بلا استثناء اتباع کا مطالبہ کیا ہے۔ اور جہاں تک تلاوت کا تعلق ہے صرف متلوّ کی کیجاتی ہے۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ

بنام جناب۔ شوکت علی صاحب صدیقی بی۔ اے۔ بی۔ ٹی محلہ واسی شہیداں سیالکوٹ

Marfat.com

۱ ڈسٹرکٹ جیل سیالکوٹ

مورخہ ۱۱ ستمبر ۵۳ء

قرآن میں بیان کردہ علائق محبت اور ان سے اللہ اور اس کے رسول کا مقابلہ، ہمارے یہاں دین دنیا کے تابع ہے۔ اور صحابہ میں دنیا دین کے تابع تھی۔ ہمارے دین اپنانے کی کیفیت، نماز چھوڑنے پر نبوت کی وعید، دینی زندگی کی الٹی ہوئی بساط اور اس کی تصویر، دنیا اور اس کی تمام دولت سامان عبادت ہے۔ حکومت مقصد نہیں بلکہ حصول مقصد کا ذریعہ؛ خالص دیوانی قوانین میں تذکار قیامت، زبان قلم یا زبان دہن سے نکلے ہوئے الفاظ کا حکم۔

صدیقی قاضی صاحب السلام علیکم

نماز اشراق سے فارغ ہوا ہوں پونے چھ بجے ہیں۔ آسمان ابر آلود ہے رات ایک بجے بارش آئی بستر ے اٹھائے اندر آ گئے موسم بڑا ہی خوشگوار ہے۔ تم یاد آئے ہو اسی کی تلافی خط سے کر رہا ہوں تمہاری یاد کے ساتھ تمہاری باتیں بھی یاد آ رہی ہیں۔ اس لئے نہیں کہ میرے لئے ان باتوں میں کوئی پیغام ہے بلکہ اس لئے کہ یہ تمہاری سادگی اور بھولے پن کی آئینہ دار ہیں۔

تم ہر چیز کو خالص دنیا دارانہ نقطہ نظر سے دیکھتے ہو دنیا داری خود غلط نہیں ہے صحابہ کرام بھی . . . . دنیا دار ہیں ان کے ساتھ بھی نفس کے تقاضے، شکم کی الجھنیں اور کام و دہن کی لذتوں کی تمنائیں تھیں مگر یہ سب دین کے تابع ہو کر تھیں جب اور جس جگہ دین ان کے مقابلے پر آتا ان کو شکست کھا کر پیچھے ہٹنا پڑتا۔ قرآن نے ان کو سمجھایا بھی یہی تھا۔ سورہ براءت میں محبت کے سارے علائق کی ایک فہرست دی ہے۔ اور ان علائق کی اپوزیشن

Marfat.com

اللہ ورسول اور خدا کی راہ میں جان کھپانے کو قرار دیا ہے لوگے ہاتھ یہ، علائق سن لو۔ والدین، اولاد، بیوی، خاندان، دولت وسرمایہ، تجارت و دوکان، مکان، ان سے دل لگاؤ کا نام دنیا ہے۔ ایک دنیادار ان کے پیچھے دیوانہ وار بھاگتا ہے۔ مگر قرآن میں اب تک اللہ جل شانہ کی یہ صدائے غریب موجود ہے۔

۱۱۶۶۵

اَحَبَّ اِلَیۡکُمۡ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوۡلِہٖ وَجِہَادٍ
فِیۡ سَبِیۡلِہٖ فَتَرَبَّصُوۡا حَتّٰی یَاۡتِیَ اللّٰہُ بِاَمۡرِہٖ

مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ اور اس کے رسول اور اس کے دین کی خاطر جدوجہد کے مقابلے میں تمہیں یہ چیزیں پیاری ہیں۔ یعنی ان کی خاطر تم اللہ کا اللہ کے رسول کا کہا نہیں مانتے اور دین کے لئے قربانی نہیں کرتے تو پھر انتظار کرو۔

ایک دوسری جگہ پر یہ بتاتے ہوئے کہ انسان کو خواہشوں سے پیار ہے۔ اور یہی خواہشیں اسے بھلی معلوم ہوتی ہیں۔ خواہشوں کی فہرست میں عورتوں، بچوں، دولت کے دلربا انبار، مویشی اور زراعت کو درج کر کے بتایا ہے کہ

ذالک متاع الحیٰوۃ الدنیا — یہ دنیاوی زندگی کا سامان ہے۔

پھر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کیا ہے اور کہا ہے کہ آپ ان لوگوں کو بتا دیجئے جن کے دامن خدا کی نافرمانی کے داغ سے آلودہ نہیں ہیں کہ اس متاع سے بہتر وہ متاع ہے جو اللہ جل شانہ کے پاس ہے اور یہ جنات تجری من تحتھا الانہار وازواج مطہرۃ ورضوان من اللہ ہے۔

ہم میں اور صحابہ کرام میں فرق ہے تو صرف یہ کہ یہاں دنیا مقصود ہے۔ اور دین تابع ہے ہم دین کو اور اسلام کو صرف اس حد تک اپناتے اور قبول کرتے ہیں۔ جس حد تک دنیا ہمیں اجازت دیتی ہے۔

آہ! اگر نماز جو دین کا سب سے بڑا ستون ہے۔ آج ہماری کمائی۔ ہماری تعلیم، ہماری ملازمت اور ہمارے کھیل میں روکاٹ بنتی ہے تو اسے نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ مسلمان ہوتے ہوئے اسلام کے گھر سے کان پکڑ کر نکال دیا جاتا ہے اور نکال دینے کے بعد پیغمبر کی وہی امت جو کبھی پیغمبر کی زبان سے نماز چھوڑنے والوں کے بارے میں یہ روح گسل پیغام سنتی تھی کہ

مَنْ تَرَكَ الصَّلٰوةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ كَفَرَ

شادیانے بجاتے ہیں اور اسلام زندہ باد کے فلک شگاف نعرے لگاتے ہیں۔ اس پر بس نہیں بلکہ اس خدا کی نافرمانی اور خالص نافرمانی کو کلمہ پڑھا کر اسلام میں داخل کر لیا جاتا ہے۔

میرے عزیز! اسلام کے ساتھ یہ طرز عمل صرف زندگی کے ایک گوشے میں نہیں بلکہ پوری کی پوری زندگی میں ہے۔ دین کی پوری بساط الٹی ہوئی ہے۔ دنیا کی مقصودیت ہم پر اس درجہ غالب ہے کہ ہم اس کے خلاف کچھ سننا بھی گوارا نہیں کرتے حالانکہ سچی بات یہ ہے کہ دنیا و مافیہا ہمارے لئے ہے اور یقیناً ہمارے لئے۔ لیکن ہم اس دنیا میں دنیا کے لئے نہیں بلکہ اللہ جل شانہ کے لئے ہیں۔ دنیا کی تخلیق کا مقصد ہماری منفعت ہے اور ہماری تخلیق کا مقصد صرف اللہ جل شانہ کی عبادت ہے اور یہ عبادت زندگی کے ایک گوشے میں نہیں بلکہ سارے گوشوں میں مقصود ہے۔

یاد پڑتا ہے کہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند نے اپنے کسی مکتوب میں لکھا ہے کہ انسان عبادت کیلئے ہے اور دنیا انسان کیلئے اس لئے دنیا جب تک سامان عبادت بنی رہے اور انسانی زندگی کے مقصد تخلیق میں خادم کی حیثیت سے رہے اس وقت تک رحمت ہے۔ ورنہ یہ سراپا زحمت ہے۔

میرے عزیز! عقل بھی یہی کہتی ہے۔ روٹی پکانا مقصود ہوتا ہے۔ تو توا، چمٹا، چولہا وغیرہ

Marfat.com

خادم کی حیثیت سے فراہم کئے جاتے ہیں ورنہ یہ چیزیں خود مقصود بالذات نہیں ہیں۔
یا للاسف کیسی بے عقلی ہے کہ زندگی میں نہ عبادت کا آٹا چھانا جاتا ہے نہ گوندھا جاتا ہے اور نہ روٹی پکانے کا ارادہ ہوتا ہے مگر بازار سے وہ چیزیں لائی جارہی ہیں جو مقصود کیلئے وسائل ہیں۔ آہ زندگی کے سارے گوشوں میں نظر مقاصد سے ہٹ کر صرف وسائل میں اٹک کر رہ گئی ہے صرف دنیا داروں کا نہیں بلکہ دین داروں کا بھی یہی حال ہے۔ دینی مدارس کو دیکھو کہ پہلے صرف و نحو کی کتابیں زباندانی کا ذریعہ تھیں اور اسی حیثیت سے انکی تعلیم ہوتی تھی۔ اب معاملہ الٹ گیا۔ زباندانی ختم ہو گئی صرف کتاب کا گھوٹنا اور ہر پہلو سے اس کے مصنف پر من ملنے اعتراضات اور من گھڑت جوابات سوچنا رہ گیا ہے۔ اور جسے یہ چیز زیادہ آتی ہے۔ اسکی کتاب کی حد تک امامت مسلّم ہے چاہے وہ زباندانی میں صفر ہی کیوں نہ ہو۔

خانقاہوں کو دیکھو کہ صوفیائے کرام نے جو اوراد، اشغال اور وظائف مقاصد کے وسائل کے درجے میں رکھے تھے آج وہ خود مقاصد ہیں۔ یاد رہے وِرد وہ کہلاتا ہے جو شیخ طریقت روحانی بیماری کو دور کرنے کے لئے پڑھنے کو بتائے۔

وظیفہ وہ کہلاتا ہے جو کسی جسمانی بیماری یا مادی تکلیف کو دور کرنے کے لئے کچھ پڑھا جائے۔ شغل وہ عمل کہلاتا ہے جس میں شیخ کیفیت مخصوص اور ہیئت مخصوص سالک کیلئے تجویز کرے مراقبے اسی میں داخل ہیں۔ ذکر الفاظ کا وہ مخصوص پیمانہ ہے جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہو۔

حکومت کو دیکھو کہ صحابہ کے زمانے میں یہ اسلام کی زندگی میں تابندگی کا ذریعہ تھی۔ مگر آہ آج اسلام کی جگہ ہر باطل، ہر کفر، ہر ارتداد، ہر الحاد اور ہر زندقہ حکومت کے صدقے پھلتا اور پھولتا ہے۔ حکومت کا مقصد تو قرآن نے یہ بتایا تھا کہ

ان مکنّٰھم فی الارض اقاموا
الصلوٰۃ و آتوا الزکوٰۃ

وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر

مگر آج معاملہ الٹا ہوا ہے نہ اقامت صلوٰۃ ہے اور نہ ایتاء زکوٰۃ نہ امر بالمعروف ہے اور نہ نہی عن المنکر۔ بلکہ اس کے برعکس نماز کی جگہ بے دینی اور بددینی کی پرورش ہو رہی ہے فلم سے لیکر ریڈیو کی مشین تک سے امر بالمنکرات کی علانیہ اور کھلم کھلا خدمت لی جا رہی ہے اور دنیا میں اسلام کی سب سے بڑی حکومت ہونے کا ڈھنڈورا پیٹا جا رہا ہے۔ فانا للہ والی اللہ المشتکیٰ۔ حکومت پر تنقید مقصود نہیں ہے۔ بتانا صرف یہ چاہتا ہوں کہ وسائل نے مقاصد کی جگہ لے لی ہے۔ ذرائع منزل مقصود ہو گئے۔ اور مسافر راہ کی بوقلموں لفریبیوں میں پھنس کر رہ گیا اتنا پھنسا کہ اب مرور زمان اور جہل و کوری سے اپنے مسافر ہونے کا بھی احساس نہیں رہا ہے دراصل یہ نتیجہ ہے آخرت کے بارے میں مطمح نظر غلط ہونے کا۔ اور جب بھی امتوں میں آخرت کے متعلق فکر و نظر نے غلطی کھائی یہی اور اسی قسم کے غلط نتائج پیدا ہوئے۔

یاد پڑتا ہے کہ تذکرۃ الحفاظ میں حافظ ذہبی نے ابواسحاق الفزاری کے حوالہ سے شیخ الاسلام امام اوزاعی کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ صحابہ و تابعین میں پانچ چیزیں عام تھیں۔ لزوم جماعت، اتباع سنت، مساجد کی آبادکاری، تلاوت قرآن اور اللہ کے دین کی خاطر محنت کرنا۔ لیکن آہ اب دین چند سطحی رسموں کا نام رہ گیا۔ دینداری مٹ کر فن دینداری اور پیشہ دینداری نے جگہ لے لی۔

قرآن میں قصص انبیاء اور ایام اللہ کا غور سے مطالعہ کرو تو صاف معلوم ہوگا۔ کہ ہر برائی کی اصل جڑ عدالت الٰہی کے محاسبہ اور یوم جزا سے غفلت ہے۔ میں کبھی کبھی سوچا کرتا تھا کہ سورہ البقرہ میں جہاں مالیاتی مسائل پر بحث کی ہے پہلے سود کا ذکر ہے۔ پھر قرض کے لین دین کا تذکرہ ہے اور درمیان میں یہ آیت ہے۔

Marfat.com

واتقوا یوماً ترجعون فیہ الی اللہ الخ

سوچنے کے باوجود جوڑ اور ربط سمجھ میں نہ آتا تھا۔ ایک جمعہ علیٰ التقریب کے دوران ہی شرح صدر ہوا کہ آیت سود کی بحث کے خاتمہ پر ہے اور خاتمۃ البحث یہ ہے کہ سود کو حرام کر دینے کے بعد بتایا ہے کہ اگر مقروض تنگدست ہو تو مہلت دو اور اگر معاف کر دو تو کیا ہی کہنے ہیں۔ اس کے بعد یہ آیت ہے بتانا یہ چاہتے ہیں کہ اگر تم یہاں اپنے محاسبہ میں آسانی کرو گے اور لوگوں سے رواداری کا برتاؤ کرو گے تو کل کو جب تم اپنا حساب دینے کے لئے چیکنگ کی خاطر پیش ہو گے اس دن سے ڈرو یہاں تم آسانی کرو گے۔ وہاں ہم حساب میں آسانی کریں گے۔

میرے عزیز دھیان کی چیز دنیا نہیں ہے آخرت ہے جہاں تولے اور ماشے کا نہیں بلکہ رتی رتی کا حساب ہوگا۔ زبان سے بولے ہوئے الفاظ جسم کا لبادہ پہن کر سامنے ہوں گے۔ زبان قلم سے نکلی ہوئی تحریر موجود ہوگی۔ ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شاید حضرت معاذؓ سے فرمایا تھا۔

رسول اللہ ۔ الا ادلك بملاك الامر كله؟ کیا میں تم کو سارے معاملہ کی گانٹھ نہ بتا دوں؟

حضرت معاذؓ ۔ بلیٰ یارسول اللہ — ہاں اے اللہ کے رسول

رسول اللہ ۔ کف لسانك — اپنی زبان پر قابو رکھو۔

دہان نبوت سے نکلی ہوئی آواز سن کر کانپ گئے اور بولے

أإنا لمواخذون بما نتکلم یارسول اللہ ؟

کیا ہماری اپنی گفتار پر بھی گرفت ہوگی یارسول اللہ ؐ؟

فرمایا۔ ثکلتك امك یا معاذ ما النار الا حصائد السنتكم

واہ اے معاذؓ دوزخ تو زبان ہی کی لگائی ہوئی کھیتیوں کا نام ہے۔

میرے پیارے اصل دنیا نہیں اصل تو آخرت ہے دنیا کے پیچھے وہاں تک چلو

Marfat.com

جہاں تک آخرت کا فکر اجازت دیتا ہو۔ یہاں ہمیشہ رہنا نہیں ہے یہ دار البقاء نہیں دار فنا ہے یہاں بندے بن کر رہنے والے وہاں کامیاب ہیں خواہ تمہاری نظروں میں کتنے ہی گرے ہوئے ہوں اور حقیقت میں وہی دور اندیش ہیں۔ جو آگے کی زندگی کی تیاری میں ہیں۔ کیسی نادور اندیشی ہے یہ کہ ساٹھ سالہ زندگی کے لئے یہ اہتمام یہ تگ ودو یہ دوڑ دھوپ اور آنے والی ابدی زندگی سے یہ غفلت۔ اللہ سے دعا کرو۔

اللّٰھم لا عیش الا عیش الآخرۃ

اللّٰھم انی اسئلک نعیما لا ینفد

وقرۃ عین لا تنقطع۔

آمین ثم آمین!

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ

بنام جناب قاضی مقبول محمد صاحب بی۔ اے محلہ دھارووال سیالکوٹ

ڈسٹرکٹ جیل سیالکوٹ

مورخہ ۲۵ ستمبر ۱۹۵۳ء

تقدیر کو برائیوں کے لئے آڑ اور خوبیوں کو اپنا کمال سمجھنا، اللہ جل شانہ کا بندوں کے نام پیغام انسان مناطقہ کا حیوان ناطق نہیں بلکہ ایک ذمہ دار اخلاقی وجود ہے۔ اتباع سے مومن درجہ محبوبیت پاتا ہے۔ گردوپیش کے لحاظ سے دو حکم، اصطلاح شریعت میں استغفار کی حقیقت۔ غفر کے لغوی معنے حفاظت کی دو صورتیں عصمت اور حفظ۔ استغفار اور توبہ میں ایک لطیف فرق۔ اعمال جنت میں داخل ہونے کا سبب ہیں۔ بدل اور قیمت نہیں ہیں۔ زندگی میں پھونک پھونک کر قدم رکھنا تقویٰ ہے۔

عزیزی! سلمکم اللہ، السلام علیکم

تم ایم۔ اے کے سال اول میں کامیاب ہو گئے ہو گے اور خدا کرے کہ دوسرے سال میں بھی اسی طرح کامران رہو دنیا ظل ظلیل ہے۔ تم اب تعلیم کے ملک کی بیر کہ کے بارڈر پر پہنچ چکے ہو اللہ کا تم پر کتنا بڑا احسان ہے کہ حالات کی ساری ناسازگاریوں اور واقعات کی پوری ناموافقتوں کے باوجود تم مولوی۔ مولوی عالم، مولوی فاضل، منشی فاضل، میٹرک، ایف۔ اے، بی۔ اے اور ایم۔ اے تک پہنچ گئے ہو کتنے ہی سرمایہ داروں کے بچے ہیں جو سرمایہ کے نشے میں چور ہیں۔ لیکن جہل دکوری کی گود میں کھیل رہے ہیں اسے کہتے ہیں۔ اللہ کا فضل۔

لوگ آجکل تقدیر کو برائیوں کیلئے آڑ اور بہانہ بناتے ہیں اور خوبیوں کو اپنا کمال سمجھتے ہیں۔ صحابہ کرام خوبیوں کو منجانب اللہ کہتے تھے۔ اور برائیوں کو اپنی طرف منسوب کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک حدیث قدسی میں اللہ جل شانہ کا جو پیغام

بندوں کے نام لائے ہیں۔ غالباً اس کے الفاظ یہ ہیں۔

انما ھی اعمالکم احصیھا لکم	یہ صرف تمہارے ہی اعمال ہیں جن کو تمہاری خاطر
فمن وجد خیراً فلیحمد اللہ	سمیٹتا ہوں یاد رکھو۔ جسے نیکی کی توفیق ملے اسے
ومن وجد غیر ذالک فلا	اللہ کا شکر کرنا چاہئے اور جو کسی برائی کا ارتکاب
یلومن الا نفسہٗ	کرے اسے اپنے سوا کسی کو ملامت نہ کرنا چاہیئے۔

العقد الفرید میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے حالات میں پڑھا ہے کہ وہ اپنے فیصلوں کا خاتمہ ان الفاظ پر کرتے تھے۔

ھذا ما رای ابوبکر ان	یہ ابوبکر کی رائے ہے اگر حق ہو تو اللہ کی
کان حقا فمن اللہ و ان کان	جانب سے ہے ورنہ میری اور شیطان کی
ومن الشیطان	جانب سے ہے۔

صحابہ نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تقدیر کے بارے میں معلومات بہم پہنچائیں تو بولے۔

افلا نتکل	کیا ہم رہ نہ جائیں یعنی کام نہ چھوڑ دیں۔

جواب میں جو حکیمانہ بات ارشاد فرمائی سننے کے قابل ہے۔

اعملوا کل میسر لما	کام کرو ہر ایک کو اپنے اپنے مقدر
خلق لہ	کے لئے آسانی بہم پہنچا دی جائے گی۔

دنیا جدوجہد، سعی اور کوشش کا گھرانہ ہے یہاں سرگرم کار کن اور ان تھک محنتی حیات جاوداں حاصل کر جاتے ہیں۔ نکمے اور اپاہج ہمیشہ ناکام رہتے ہیں یہ کہنا یہ چاہتا ہوں کہ اچھائیوں کی نسبت اللہ جل شانہٗ کی طرف کرنی چاہیئے شائد مدارج میں ایک حدیث ہے کہ

بندہ جب کہتا ہے کہ اے اللہ میں نے فلاں نیکی کی تو اللہ جل شانہٗ کہتے ہیں کہ

Marfat.com

اے بندے میں نے تجھے توفیق دی۔ بندہ جب کہتا ہے کہ اللہ تو نے توفیق دی۔ تو اللہ جل شانہ فرماتے ہیں کہ اے بندے تو نے ارادہ کیا۔ اد کما قال
اللہ کی توفیق، تمہارے ارادے، تمہاری محنت اور سعی و کوشش کا نتیجہ آج تمہارے سامنے ہے بڑائی اور شادمانی دراصل محنت ہی کا ثمرہ ہے۔ شاہ عبدالحق نے اپنے متعلق لکھا ہے۔

چہ دودہائے چراغ کہ در دماغ نہ رفت
کدام بادہ محنت کہ در ایاغ نہ رفت
کدام خواب و چہ آسائش و کجا آرام
چہ خار خار کہ در بستہ فراغ نہ رفت
بجیر تم ز دل خود کہ عمر رفت و لے
کنج غمکدہ ہرگز صحن باغ نہ رفت

بیس سال کی عمر میں تم نے تکمیل کر لی الحمد للہ علی ذالک
اب تمہاری زندگی کا دوسرا مرحلہ سامنے ہے اگرچہ اللہ جل شانہ کی عنایت سے امید تو یہی ہے کہ جس طرح مرحلہ اول جو قرآن کی زبان میں لہو ولعب کا گوشہ ہے تعلیم میں گذرا اسی طرح دوسرا مرحلہ جسے زینت کہا ہے اور تیسرا مرحلہ جسے تفاخر اور پھر چوتھا مرحلہ جسے تکاثر فی الاموال والاولاد کہا گیا ہے۔ یہ بھی اچھا اور بہترین گذرے گا مگر میرے عزیز انسان ایک ذمہ دار اخلاقی وجود کی حیثیت میں دوسرے جانداروں میں ممتاز ہے نہ کہ صرف ناطق کی حیثیت میں جسے ناطقہ کہتے ہیں۔ اور پھر انسان ہونے کے علاوہ ایک مسلمان کی زندگی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ ہے۔ اسلامی فکر کے مطابق مرنے کے بعد جی اٹھنے اور اس زندگی کی رائی رائی کا حساب دینے کی ذمہ داری ہے اسی ذمہ داری پہ آخرت کی نجات اور

ابدی فلاح کا دارومدار ہے۔ اس ذمہ داری کا احساس یہاں جس قدر شدید ہوگا۔ اسی قدر یہاں تکلیفیں ہوں گی کہ

حفت الجنة بالمکارہ — جنت ناگواریوں کے ساتھ ڈھانپ دیگئی ہے۔

اور

الدنیا سجن المؤمن — دنیا مومن کا قید خانہ ہے۔

لیکن وہاں آرام ہی آرام اور راحت ہی راحت ہوگی۔

تکلیفیں مطلقاً مقصود نہیں شاید تم سوچو کہ میں تمہیں جوگ یا رہبانیت کی طرف لیجا رہا ہوں اسلام تعذیب جسم کا نظریہ لے کر نہیں آیا بلکہ بتانا یہ چاہتا ہوں کہ اس جہاں کی کامیابی رسالتمآب کے اتباع سے وابستہ ہے اور اس اتباع کی راہ میں ہر تکلیف کو خندہ پیشانی سے یہ کہتے ہوئے کہ ؎

رشتہ درگردنم افگندہ دوست — ہر جا کہ می برد خاطر خواہ اوست

برداشت کرتے جانا ایمان کا تقاضا اور اسلام کی روح ہے اسی اتباع سے ایک مسلمان درجہ محبوبیت پر پہنچ جاتا ہے

ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی — اگر تم اللہ سے پیار کرتے ہو تو میری پیروی کرو۔

یحببکم اللہ۔ — اللہ تم سے پیار کرے گا۔

اور اسی سے مرتبۂ عبدیت ملتا ہے جو تمام مراتب کمال سے بالا ہے۔

کہنا یہ چاہتا ہوں کہ اس دوسرے مرحلہ پر تمہاری زندگی کچھ ایسی اچھوتی ہو کہ لوگ دیکھ کر ہی اسلام یاد کرلیں۔ میں یہ جانتا ہوں کہ پورے اسلام کو اپنانے کیلئے اسلامی ماحول کی ضرورت ہے اسی ماحول اور گردوپیش کے لحاظ سے قرآن میں دو حکم ہیں ایک جگہ اس ماحول کے مسلمانوں کو مخاطب کیا ہے جہاں کفر بازاروں میں، محفلوں میں، گھروں میں، تعلیم گاہوں اور مجلسوں میں تن کر چلتا ہے۔ فرمایا۔

فاتقوا اللہ ما استطعتم ۔ جتنا بس میں ہے اللہ کی نافرمانی سے بچو

دوسری جگہ اس گردوپیش میں رہنے والے مسلمانوں کو مخاطب کیا ہے جہاں فضاؤں اور ہواؤں میں اسلام ہے فرمایا۔

اتقوا اللہ حق تقاتہ ایسا نافرمانی سے بچنے کا حق ہے بچو

کہنا یہ چاہتا ہوں، کہ زندگی کے ان گوشوں میں اسلام کی تم جیتی جاگتی تصویر ہو جن پر تمہاری دسترس ہے یہی ما استطعتم کا مدلول ہے۔ اور جو تمہاری دسترس سے باہر ہیں ان کیلئے استغفار کرو لیکن استغفار عوامی عرف میں نہیں بلکہ اصلاح شریعت میں یعنی دل میں ندامت کے احساس کے ساتھ خدا کی جناب میں معافی کی درخواست۔

استغفار صرف کردار اور گفتار کی غلط کرتوتوں سے نہیں کی جاتی بلکہ کام اور مطلبے میں کوتاہیوں پر بھی ہوتی ہے۔ یہ غفر سے نکلا ہے۔ عام لوگ غفر کے معنے ڈھانپنے کے بتاتے ہیں اور اسی لحاظ سے استغفار کے معنے پردہ خواستن کرتے ہیں لیکن یہ غلط ہے غفر کے معنے حفاظت کے آتے ہیں مغفر خود کو کہتے ہیں کیونکہ وہ سر کو تلوار کی مار سے محفوظ رکھتی ہے غفارپٹے کو کہتے ہیں کیونکہ وہ ازار کو گرنے سے محفوظ رکھتا ہے اسلئے استغفار کے معنے حفاظت چاہنے کے ہیں۔ حفاظت دو طرح کی ہوتی ہے ایک اعلیٰ اور ایک ادنیٰ۔ اعلیٰ یہ کہ بندے کو گناہ سے محفوظ رکھا جائے۔ ادنیٰ یہ کہ بندوں کو پیش پا افتادہ معاصی کے نتائج سے محفوظ رکھا جائے۔ اعلیٰ یعنی بندے کو گناہ سے محفوظ رکھا جائے اسکی دو صورتیں ہیں۔ اول یہ کہ بندے کے راستے سے گناہوں کو ہٹا دیا جائے اسے عصمت کہتے ہیں۔ یہ خاصۂ انبیاء ہے۔ دوم یہ کہ بندے کو گناہ کے راستے سے ہٹا لیا جائے اسے حفاظت کہتے ہیں یہ اولیاءً کیلئے ہے۔ اولیاء اللہ گناہوں سے محفوظ اور انبیاء گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں۔ تفصیل دیکھنی ہو تو مولانا شہید کا منصب امامت اور ابن القیم کا مدارج لکھو۔

ہمیں استغفار پیش پا افتادہ گناہوں کے نتائج اور گناہوں دونوں سے بچنے کی کرنی چاہیئے اور سچ یہی ہے۔ کہ گناہوں سے وہ ہی بچائے تو بچ سکتا ہے۔ رسول اللہ

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلّم کی دُعا کا یہ جملہ کیسا معنی خیز ہے۔

اصلح لی شانی کلہ لا تکلنی الی نفسی طرفۃ عین ان تکلنی تکلنی الی ذنب وعورۃ وخطیئۃ لا یغفر الذنب الا انت۔

اے اللہ میرا حال ٹھیک کر دے مجھے مجھ پر آنکھ جھپکنے کی برابر بھی نہ چھوڑ اگر تونے مجھے چھوڑ دیا تو مجھ میں گناہ اور خطائیں ہوں گی۔ پروردگار! گناہ تیرے سوا بخشنے والا کوئی نہیں ہے۔

مدارج میں استغفار اور توبہ میں ایک لطیف فرق یہ بھی لکھا ہے کہ ماضی پر استغفار اور مستقبل کے لئے گناہ نہ کرنے کا عہد توبہ ہے۔

اب قرآن کی آیت سنو۔

اِسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا اِلَيْهِ

تم اپنے مالک سے معافی چاہو اور توبہ کرو

بات کیسی بچ گئی اور بن گئی۔ رحمت حق جل شانہٗ کو اپنی طرف متوجہ کرنے کا بہترین ذریعہ استغفار ہے۔

لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا

اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو اللہ سب گناہ معاف فرما دے گا

میں اسی طرف اشارہ ہے اور یہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے

لن یدخل الجنۃ احد بعملہ یا عائشۃ قالت ولا انت یا رسول اللہ قال وما انا الا ان یتغمدنی اللہ برحمتہ

کوئی بھی شخص اپنے عمل کے بدلے جنت میں نہ جائے گا حضرت عائشہ نے کہا نہ آپ فرمایا نہ میں مگر یہ کہ اللہ مجھے اپنی رحمت میں ڈھانپ لے۔

تو اس کا اس کے سوا اور کیا مطلب ہے کہ جنت کردار و گفتار کے گھمنڈ سے نہیں بلکہ رحمتِ حق سے ملے گی۔

شاید تمہیں وسوسہ ہو کہ قرآن میں تو جنت کو اعمال کی جزا قرار دیا گیا ہے۔ اور جگہ جگہ بما کانوا یعملون آیا ہے۔ جوابات بہت ہیں۔ مگر مجھے حافظ ابن تیمیہ کا جواب پسند آیا ہے۔ حدیث میں بعملہ کی باء باءِ مقابلہ ہے۔ اور قرآن میں بما کانوا کی باء باءِ سببیہ ہے۔

مطلب یہ ہے۔ کہ اعمال جنت کی قیمت نہیں بلکہ دخولِ جنت کا سبب ہیں بہرحال بتانا یہ چاہتا ہوں کہ اب تمہارے پھونک پھونک کر قدم رکھنے کا مرحلہ سامنے ہے۔ جوانی دیوانی ہوتی ہے یہی زندگی کے سارے بگاڑ کا سرچشمہ ہے پھونک پھونک کر قدم رکھنا تقویٰ کے ٹھیٹھ اور واقعی معنے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے ابی بن کعب سے اس پر گفتگو کی تھی یہ مکالمہ ابن کثیر نے نقل کیا ہے۔

ما التقویٰ یا ابی قال اما سلکت طریقاً ذا شوک قال عمر بلیٰ قال ابی فما عملت ھناك قال شمرت و اجتھدت قال فذالك التقویٰ

اے ابی تقویٰ کیا ہے فرمایا کیا خاردار راستہ سے کبھی نہیں گذرے حضرت عمر نے کہا ہاں ابی نے پوچھا وہاں کیا کیا؟ فرمایا احتیاط کی اور کپڑے سمیٹ لئے۔ فرمایا بس یہی تقویٰ ہے

یہ یا اسی کے لگ بھگ عبارت ہے اس سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے پھونک پھونک کر قدم رکھنے کا مطالبہ اگرچہ ساری زندگی میں ہے۔ لیکن جہاں تک انفرادی زندگی یعنی تزکیۂ نفس، اصلاحِ اخلاق اور درستیٔ اعمال کا تعلق ہے اسے قرآن و سنت کے سانچوں میں ڈھال لینا تمہارے اختیار میں ہے۔ اس کے بغیر انسانی زندگی اور حیوانی زندگی میں کوئی امتیاز نہیں۔ دنیا اور اس کی تڑپ

Marfat.com

ہیں خواہ کیسے ہی بلند مراحل پر پہنچ جاؤ مگر ایک روز بہرحال اسے ختم ہو جاتا ہے۔ بچپن سے جوانی اور جوانی سے پیری اور پیری سے موت کی منزل ناگزیر ہے۔ سلطان محمد تغلق شاعر تھا حالت نزع میں اس نے چند اشعار کہے ہیں۔

بسیار دریں جہاں تپیدیم   بسیار نعیم و ناز دیدیم
اسپان بلند بر نشستیم   ترکان گراں بہا خریدیم
کردیم بسے نشاط و آخر   چوں قامت ماہ نو خمیدیم

کیسی اچھی تصویر ہے۔

عزیز من نماز پنجگانہ باجماعت کی پابندی اور کبائر سے اجتناب کے ساتھ اگر روزانہ صبح وشام رب اغفرلی وتب علی انک انت التواب الغفور سو سو بار کلمہ سوم سبحان اللہ، الحمدللہ، لا الہ الا اللہ، اللہ اکبر سو سو بار۔ درود شریف سو بار۔ بعد نماز صبح تا طلوع تہلیل خفیہ اور بعد از طلوع تلاوت قرآن کو عادت کے درجہ میں اپنالو تو سمجھو کہ اللہ جل شانہٗ کا بہت بڑا انعام ہے۔ بس اب رخصت ہوتا ہوں۔

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ

بنام جناب امین اللہ صاحب۔ وثیر ایم۔ اے لیکچرار پروفیسر مرے کالج سیالکوٹ

Marfat.com

ڈسٹرکٹ جیل سیالکوٹ

مورخہ ۲۱ ستمبر ۱۹۵۳ء

نبوت کے بارے میں مولانا محمد قاسمؒ کا نظریہ، اوصاف کی قسمیں، نبوت بھی ایک وصف ہے اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔ اوصاف کا موصوف ذاتی پر اختتام، وصف ذاتی لازوال اور انمٹ ہوتا ہے۔ حضور انور کے لئے نبوت حادث ہے، حدوث اور خلق میں فرق، حدیث عائشہ کا مطلب۔ امت کی بعثت اور اس کے فرائض، مقام نبوت اور اس کی تشریح، خاتم النبیین سے حیات النبی پر استدلال، صرف یہ نہیں کہ نبی نہیں آئے گا۔ بلکہ نبی کا آنا آپ کے بعد عقلاً ناممکن اور محال ہے۔

تلمیذی العزیز! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

شائد آپ نے تحذیر الناس خود نہیں پڑھی دل نہیں مانتا کہ کتاب پڑھنے کے بعد آپ جیسا ذکی ان خیالات کا شکار ہو چھوٹی سی کتاب ہے۔ صرف چالیس صفحات کی۔ ایک دفعہ غور سے پڑھ لیجئے اطمینان دلانا تو میرے بس سے باہر ہے اس کا تعلق دل سے ہے اور دل کا معاملہ اللہ جل شانہٗ کے قبضے میں ہے۔ بہر حال جو کچھ میں جانتا ہوں عرض کرتا ہوں۔ اور اس دعا کے ساتھ کہ یا مصرّف القلوب صرّف قلبی ..... علیٰ طاعۃ الحق۔

آپ تو کہہ رہے ہیں کہ مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ ختم نبوت کے قائل نہیں مگر جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں وہ کچھ اور ہے۔ صرف یہ نہیں کہ "نبی نہ آئے گا" کہ اسے تو سب ہی مانتے ہیں اور جانتے ہیں۔ مولانا کا نظریہ نبوت کے بارے میں اس سے بھی زیادہ اونچا ہے ان کا دعویٰ ہے کہ صرف آئے گا نہیں بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

کے بعد کسی اور نبی کا آنا ممکن ہی نہیں۔ فرمایئے کہ جو شخص امکان کی نفی کر رہا ہو اسے ہی وقوع کا مدعی بنا کر پیش کرنا ظلم نہیں تو اور کیا ہے۔

لیجئے مولانا نے اسی تحذیر الناس میں بات یہاں سے شروع کی ہے۔

۱:- اوصاف دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ذاتی اور عرضی۔ موصوف ذاتی کا وصف خانہ زاد اور اصلی ہوتا ہے۔ اور موصوف عرضی کا وصف موصوف ذاتی سے مانگا ہوا اور مستعار ہوتا ہے۔

۲:- موصوف عرضی میں اوصاف کا خواہ کتنا ہی تعدد ہو مگر سب موصوف ذاتی پر ختم ہو جاتے ہیں اور کسی وصف عرضی کا کوئی بھی سلسلہ کبھی موصوف بالذات سے متجاوز نہیں ہوتا۔

نبوت ایک وصف ہے نبی اس کا موصوف ہے عقلاً ضروری اور ناگزیر ہے کہ چاہے اس وصف کے موصوف کتنے ہی متعدد ہوں مگر ایک موصوف بوصف نبوت بالذات ہو اور باقی موصوف بوصف نبوت بالعرض۔ مولانا قاسم العلوم نے تحذیر الناس میں دعویٰ کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی وصف نبوت کی موصوف بالذات ہے اور دوسرے انبیاء موصوف بالعرض ہیں سب کی نبوت آپ کا فیض ہے اور آپ کی نبوت کسی کا فیض نہیں — یہ دعویٰ کر کے مولانا نے سمجھنے والوں کے لئے اس کے دلائل کی طرف بھی اشارات کئے ہیں فرماتے ہیں کہ جس طرح موصوف عرضی کے سارے اوصاف بہت کچھ پھیلاؤ کے باوجود موصوف ذاتی پر ختم ہو جاتے ہیں اور آگے سلسلہ بند ہو جاتا ہے ٹھیک اسی طرح یہ بات بھی طے شدہ اور مسلّم ہے کہ اوصاف ذاتی اپنے موصوف سے جدا نہیں ہو سکتے اور اوصاف عرضی اپنے موصوف سے جدا ہو سکتے ہیں مثلاً چار کیلئے جفت، تین کیلئے طاق، شعاع کیلئے نورانی، جسم کیلئے مکانی اور حرکت کیلئے زمانی، رنگ کیلئے

مرئی اور آواز کے لئے مسموع ہونا وصف ذاتی ہے کسی زمانے میں اور کسی موقعہ پر بھی ان سے یہ اوصاف جدا نہیں ہو سکتے ہوتے نہیں بلکہ اوصاف ذاتی کا اپنے موصوفوں سے جدا ہونا ممکن ہی نہیں ہے برخلاف اوصاف عرضیہ کے کہ وہ قابل زوال ہوتے ہیں جیسے زمین کی دھوپ، آئینہ کی چمک، کپڑے کی سپیدی۔ الغرض اوصاف اصلیہ اور خانہ زاد لازم ہوتے ہیں ان کا اصلی اور خانہ زاد ہونا ہی اس کی دلیل ہے۔

یہ قاعدہ سننے کے بعد سمجھئے کہ نبی کریم صلی اللہ وسلم موصوف بوصف نبوت ذاتی ہیں اور دوسرے انبیاء موصوف بوصف نبوت عرضی ہیں۔ اور وصف کا اپنے موصوف ذاتی سے جدا ہونا ناممکن ہے اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آجانے کے بعد کسی نبی کا آنا ناممکن ہے یعنی وصف نبوت آپ کی ذات سے الگ ہو کر وجود کی گود میں کہیں پایا نہیں جا سکتا اسی کی طرف حدیث لا نبیّ بعدی میں اشارہ ہے اور اسی سے یہ بات بھی نکل آئی کہ چالیس سال کی عمر میں مکہ معظمہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ وصف ذاتی ہونے کی وجہ سے حادث ہے۔ مخلوق نہیں ہے حدوث اور خلق میں تھوڑا سا فرق ہے تفصیل کا موقعہ نہیں دونوں میں عموم و خصوص کی نسبت ہے زیدٌ قائمٌ میں صفت قیام زید کے لئے حادث ہے زید قیام کا خالق نہیں ہے نبوت کا تعلق براہ راست اللہ جل شانہٗ کی صفت علم سے ہے اور یہی صفت اس کی مربی ہے اور جاننے والے جانتے ہیں کہ صفات باری میں صفت علم کا مقام کیا ہے تو عرفاء بھی کہتے ہیں کہ مربی ذات محمدی صلی اللہ علیہ وسلم تعین اول ہے یعنی اللہ جل شانہٗ کی صفت علم وعلمك مالم تكن تعلم وكان فضل الله عليك عظيما میں اسی طرف اشارہ بھی ہے۔

کوئی مانے یا نہ مانے اپنا خیال یہی ہے کہ ذات رسالت علم خداوندی سے بے واسطہ

Marfat.com

مستفید ہے اور علم پر صفات حاکمہ کا اختتام ہے۔ اس لئے آپ پر نبوت کا اختتام ہے اور نبوت آپ کیلئے عالم میں حادث ہوئی ہے۔ ہمیں صرف اس کے حدوث کا پتہ ہے اور اسی کی تاریخ سے ہم واقف ہیں ہمیں مخلوقیت کی تاریخ کا پتہ نہیں ہے صرف اتنا بتانے والے نے بتایا ہے کہ اوّل ما خلق اللہ نوری او کما قال۔ نتیجہ یہ کہ آپ عبائے نبوت پہننے سے پہلے ہی نبی تھے۔ شاید حدیث عرباض میں اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے انی عند اللہ مکتوب خاتم النبیین اور کنت نبیا وادم بین الماء والطین او کما قال۔

اس سے یہ اشارہ بھی نکلتا ہے کہ چونکہ ایک موصوف ذاتی کیلئے موصوف بالعرض متعدد ہوتے ہیں اس لئے مختلف گوشوں اور مختلف وقتوں میں انبیاء موصوف بوصف نبوت بالعرض متعدد آئے ہیں اور چونکہ وصف عرضی اور موصوف عرضی موصوف بالذات کی فرع ہوتے ہیں اور موصوف بالذات اوصاف عرضیہ کی اصل ہوتا ہے۔ اور مقصود بالذات وجود میں موصوف بالذات ہی ہوتا ہے۔ مثلاً روٹی کہ موصوف بالذات ہونے کی وجہ سے مقصود بالذات ہے اور توا، چمٹا، چولھا، لکڑی، آگ موصوف بالعرض ہیں اور غیر مقصود۔ لیکن شہود و ظہور میں موصوف بالذات سے مقدم ہیں اسی طرح انبیاء جو موصوف بالعرض ہیں ظہور میں موصوف بالذات سے مقدم ہیں اور جسطرح موصوف بالذات کے ظہور کے بعد موصوف بالعرض ختم کر دیئے جاتے ہیں جیسے روٹی تیار ہونے کے بعد چولھے کی آگ بجھا دی جاتی ہے اور کسی موصوف بالعرض کی طرف توجہ نہیں رہتی بلکہ توجہات کا مرکز موصوف بالذات ہو جاتا ہے اسی طرح موصوف بوصف نبوت بالذات کے ظہور کے بعد انبیاء کی اطاعت واتباع بھی ختم کر دی گئی اسی کی طرف لَوْ كَانَ مُوسٰى حَيًّا وَاتَّبَعْتُمُوْهُ وَتَرَكْتُمُوْنِىْ لَضَلَلْتُمْ ضَلَالًا بَعِيْدًا میں اشارہ ہے اور حضرت شاہ ولی اللہ نے اپنی مشہور کتاب الخیر الکثیر میں بڑی تحدی سے یہ بات کہی ہے۔

Marfat.com

تعلق بات موسیٰ لو کان بعد رسول اللہ حیاً لما وسعہ الا الاتباع

اسی سے اس بات کا تعلق ہے کہ اگر حضرت موسیٰ حضور کے بعد زندہ ہوں تو ان کو حضور کی اتباع کے بغیر چارہ نہیں ہے۔

اور یہیں سے ایک بات اور بھی سمجھ میں آتی ہے کہ موصوف بالذات میں وصف کبھی مؤثر اور کبھی علت ہوتا ہے مثلاً آفتاب کی روشنی اپنے موصوف آفتاب کا اثر ہے اور دنیا میں روشنی اور گرمی کی آفتاب علت ہے۔ ستارے چمک رہے ہیں مہتاب رات کی تاریکی میں چاندنی تانے ہوئے ہے یہ آفتاب کا اثر ہے۔ پانی گرم ہو رہا ہے کھیتیاں پک رہی ہیں۔ زمین تپ رہی ہے آدمی اور جانور پسینے سے تر بتر ہو رہے ہیں۔ آفتاب اسکی علت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ موصوف بالذات ہیں ضروری ہے کہ آپ میں یہ دو باتیں ہوں ایک جگہ وصف نبوت مؤثر بن کر آئے اور دوسری جگہ یہی وصف نبوت اپنے موصوف کی علت بن کر آئے اور یہ بھی معلوم ہے کہ اثر اپنے مؤثر سے اور علت اپنے معلول سے کبھی جدا ہو کر نہیں آتا۔ یقیناً اور بلا ریب ذات نبوت میں دونوں حیثیتیں موجود ہیں۔

ہمارا مشاہدہ یہ ہے کہ آفتاب جب تک نگاہوں سے پوشیدہ رہتا ہے۔ مؤثرانہ حیثیت میں مقام غیبت پہ اثر انداز رہتا ہے آفتاب پوشیدہ ہے مگر ستاروں کی چمک اور چاند کی مہتابی آفتاب کے اثر سے اپنا کام کر رہی ہے یہ اثر اپنے مؤثر سے قطعاً جدا نہیں ہے۔ موصوف بوصف نبوت بالذات کے آفتاب نبوت طلوع ہونے سے پہلے انبیاء کا موصوف بوصف نبوت بالعرض بن کر آنا آفتاب نبوت کا اثر ہے۔

غالباً مستدرک حاکم میں جو حدیث آتی ہے خواہ وہ سند کے لحاظ سے کیسی ہو اس میں اسی طرف اشارہ ہے۔

اوّل ما خلق اللہ نوری — سب سے پہلے اللہ نے میرا نور پیدا فرمایا ہے

اور یہ پہلے معلوم ہو چکا کہ موصوف بالذات کے لئے موصوف بالعرض چند در چند

Marfat.com

ہو سکتے ہیں مگر متاثر ہونے کی صورت میں موصوف بالعرض متعدد ہونے کے باوجود خارجی طور پر معدود اور محدود ہوں گے۔ دیکھ لیجئے۔ صبح کو آفتاب نکلنے کے بعد روشنی جو کچھ اور جتنی کچھ بھی ہے معلول ہونے کے درجے میں اس کی علت آفتاب ہے جب موصوف بالذات پیغمبر کا آفتاب نبوت طلوع ہوا تو اس گرمی اور روشنی ایمان کی علت ذات نبوت نے اپنے معلول میں جو کچھ کام کیا وہ سب کے سامنے ہے شاید طلوع آفتاب ہی کی مناسبت سے حضرت عائشہؓ نے نبوت سے پہلے واقعہ بیان کرنے کے لئے فلق الصبح کی تعبیر اختیار کی تھی۔ غالباً بخاری کی حدیث وحی میں حضرت عائشہؓ کے یہ الفاظ پڑھے ہیں۔

فَكَانَ لَا يَرٰى رُؤْيَا اِلَّا جَاءَ — آپ جو خواب بھی دیکھتے صبح کو

مثل فلق الصبح۔ — سپیدہ صبح کی طرح سچا ہوتا۔

دیکھئے آفتاب ظہور کے بعد جب علت موثرہ کی حیثیت اختیار کرتا ہے تو معلول تعدد کے باوجود معدود اور محدود نہیں ہوتا بلکہ اس میں ہمہ آن اور ہمہ وقت وحدت ہی وحدت نظر آتی ہے اس کی ضیا پاشی بلاتمیز یکساں طور پر ہوتی ہے ایسے ہی آفتاب نبوت نے بھی طلوع کے بعد بالکل یہی حیثیت اختیار کی ہے۔ قرآن نے شاید اسی حیثیت کو بیان کیا ہے۔

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَافَّةً — ہم نے آپؐ کو سب لوگوں کے لئے

لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا — بشیر و نذیر بنا کر روانہ کیا ہے۔

جس طرح آفتاب کے لئے علت ہونے کی حیثیت میں معلول بالعدد نہیں ہوتا اسی طرح آفتاب نبوت کا بھی معلول علت ہونے کے وقت میں بالعدد نہیں رہا۔

یاد رکھئے اور خوب سمجھ لیجئے کہ جس طرح موثر ہونے کی حیثیت میں متاثر موصوف بالعرض ہوتا ہے اسی طرح علت ہونے کی حیثیت میں معلول بھی موصوف

بالعرض ہوتا ہے۔

موصوف بالعرض متاثر ہونے کی حیثیت میں محدود ہوتا ہے اور تفرد وانفرادیت ہوتی ہے اور جب یہی موصوف بالعرض معلول بن کر آئے تو جمہوریت اور عمومیت کا لبادہ پہن کر آتا ہے۔ موصوف بوصف نبوت بالذات نبی کریمؐ آفتاب نبوت طلوع ہونے سے پہلے موثر ہونے کی حیثیت میں ہیں اور متاثرین ستاروں کی طرح محدود ہیں۔ جس طرح ستاروں کی چمک میں تفاوت ہوتا ہے۔ اسی طرح انبیائے سابقین موصوف بوصف نبوت بالعرض متاثرین میں فرق مراتب تھا۔ قرآن میں اسی طرف اشارہ ہے

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ۔ — یہ پیغمبر ہیں ہم نے ان کو باہم ایک دوسرے پر فضیلت دی ہے۔

اور جس طرح آفتاب کے طلوع کے بعد علت کی حیثیت میں معلول بالعدُ کے لئے علت نہیں ہوتا بلکہ اس کا علت ہونا سب کے لئے یکساں ہوتا ہے اسی طرح آفتاب نبوت کے طلوع ہوجانے کے بعد معلول بالعدد کو ختم کر دیا گیا اور ایسے معلول نے اس کی جگہ لی جو کم اور اپنی قید سے نہ صرف ناآشنا بلکہ نامانوس ہے اسی وجہ سے قرآن نے آپؐ کو خاتم النبیین کہا ہے۔ نتیجۃً وہی نبوت جس کے موصوف بالعدد متاثر ہونے کی حیثیت میں آتے تھے اب بھی قائم ہے مگر اب اس کا موصوف معلول ہونے کی حیثیت میں بالعدد نہیں ہے بلکہ پوری امت ہے۔

قرآن کو غور سے پڑھئے آپ دیکھیں گے کہ قرآن نے ان تمام فرائض کو امت کا فرض قرار دیدیا ہے۔ جو نبی بوصف نبوت بالذات دیتا تھا۔ مثلاً ایمان، امر بالمعروف، نہی عن المنکر، دعوت الی اللہ، تبلیغ، شہادت علی الناس وغیرہ وغیرہ یہ امت کے وہ فرائض ہیں جن کی ادائگی کے لئے قرآن نے امت محمدیہ کو برپا کیا ہے یہ اوصاف بالذات تو نبی کریمؐ میں پائے جاتے ہیں مگر بالعرض اور بالتبع امت میں نہ صرف قائم رکھے

Marfat.com

گئے ہیں بلکہ ان کے قائم رکھنے کے لئے ہی امت برپا کی گئی ہے بالفاظ دیگر نبوت کے اوصاف کی امت موصوف بالعرض اور بالتبع ہے مگر فرق ہے تو صرف یہ کہ آفتاب نبوت محمدی نکلنے سے پہلے جب نبوت محمدی موثر کی حیثیت میں تھی اور انبیاء موصوف بالعرض متاثر تھے اور گنے چنے تھے اور نبوت محمدی کے آفتاب طلوع ہو جانے کے بعد آفتاب نبوت علت کے درجہ میں ہے اور امت اس کا معلول ہے اور معدود نہیں ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ نے اسی طرف الخیر الکثیر میں اشارہ کیا ہے

فَهُنَاكَ كَانَ شَمْسًا وَاحِدًا	یہاں اپنی بزرگی میں ایک ہی
فِي جَلَالِهٖ	آفتاب ہے

موصوف بالعرض دونوں جگہ ہے ایک جگہ متاثر ہے اور دوسری جگہ معلول ہے متاثر ہونے کی صورت میں ستاروں کی طرح معدود ہے اور معلول ہونے کی حالت میں غیر معدود ہے لیکن دونوں جگہ نبوت ہی کی بعثت ہے۔ متاثر بھی مبعوث تھا۔ اور معلول بھی مبعوث ہے۔ متاثر میں انفرادیت تھی اس لئے نبوت کا لفظی اطلاق ہوتا تھا معلول چونکہ اجتماعیت کا لبادہ پہن کر آیا ہے اور طلوع آفتاب کے بعد آیا ہے اس لئے نبی کا اطلاق نہیں ہوتا۔ شاہ ولی اللہ حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں۔

وَاَعْظَمُ الْاَنْبِيَاءِ شَانًا مَنْ	انبیاء میں بلحاظ مرتبہ سب سے اونچا
له نوع آخر من البعثة	وہ شخص ہے جو ایک اور بعثت
اَيْضًا۔	کا بھی حامل ہو۔

اور جس طرح آفتاب نکلنے کے بعد آفتاب یکساں طور پر چمکتا ہے یہ معلول کی اپنی اپنی صلاحیت اور استعداد ہے کہ علت سے کتنا اور کیا فائدہ اٹھائے۔ آئینہ، پیتل، لوہا، مٹی، کاغذ سب پر دھوپ تو یکساں پڑتی ہے اور علت سب کے لئے ایک ہے لیکن ہر معلول فائدہ اٹھانے میں اپنی استعداد و قابلیت کے لحاظ سے الگ الگ ہے

Marfat.com

اسی طرح آفتاب نبوت بھی یکساں طور پر روحانی ضیا پاشی کر رہا ہے اور فائدہ اٹھانے والے اپنی اپنی استعداد کے مطابق فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ ان ہی فائدہ اٹھانے والوں میں ایسی تیز صلاحیت والے بھی ہوتے ہیں کہ دھوپ سے اس درجہ متاثر ہوتے ہیں کہ نہ صرف خود گرم ہوتے ہیں بلکہ اپنے اثر سے اوروں کو بھی گرما دیتے ہیں۔ شاید زبان نبوت نے صحابہ کرام کے بارے میں اسی طرف یہ کہہ کر اشارہ کیا ہے

اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّھِمْ	صحابہ ستاروں کی طرح ہیں۔ جن
اِقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ	کے پیچھے چلو گے راہ پاؤ گے

یہیں سے ایک بات اور بھی سمجھ میں آتی ہے جس سے آپ جان لیں گے کہ امت کو کار نبوت سپرد کرنے کے باوجود نام نبوت سے کیوں محروم کیا گیا۔ جاننے والے جانتے ہیں کہ ضروریات وصف کی ضرورت صرف موصوف بالذات کو ہوتی ہے اور وصف کے آثار و نتائج سے موصوف بالذات اور بالعرض دونوں ہمدوش ہوتے ہیں۔ مثلاً ریل میں بیٹھنے والے ریل ہی میں بیٹھے ہیں۔ حرکت ریل میں ہوتی ہے تو متحرک بیٹھنے والے بھی ہوتے ہیں اور ریل جب چلتی ہے تو ریل میں بیٹھنے والے ضرور چلتے ہیں مگر چلنے اور حرکت کرنے کی نسبت موصوف بالذات یعنی ریل کی طرف ہو گی اور موصوف بالذات ہی کو ان افعال کا فاعل اور مسند الیہ قرار دیا جائے گا۔ نہ کہ موصوف بالعرض کو یہی ماجرا نبی کے اوصاف میں ہے موصوف تو سب ہیں مگر نبی بالذات ہے اس لئے قاعدے کے مطابق نبی کا اطلاق موصوف بالذات ہی پر ہو گا نہ کہ موصوف بالعرض پر لیکن نام کے مخصوص ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وصف نبوت کے آثار و نتائج سے امتی ہمدوش نہ ہوں گے بلکہ امت کو وصف نبوت کے آثار و نتائج سے بواسطہ موصوف بالذات اسی طرح حصہ ملے گا جس طرح ریل میں بیٹھنے والوں کو بواسطہ ریل حرکت کا حصہ ملتا ہے۔ جہاں تک میں سمجھتا ہوں الخیر الکثیر میں شاہ صاحب

Marfat.com

نے ان الفاظ میں

فکذالك بعد تمثله في — ایسے ہی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم

موطن الوجود الحدثی — کے کارگاہ وجود میں آنے کے

امتنع تلقی حقیقتا من — بعد کسی بھی کمال کا حاصل ہونا

الحقائق کمالا من قبل نفسها — بذات خود بغیر ترجمان محال ہے

بلا ترجمان۔

اسی طرف اشارہ ہے جو کچھ مولانا قاسم العلوم کی زبان سے ہم اب تک علمی مقدمات کے ذریعے سن رہے ہیں۔ یعنی موصوف بالذات آجانے کے بعد اب کسی موصوف بالعرض کا بالعدد آنا ناممکن ہے۔ حرف بحرف شاہ صاحب نے بھی امتناع کے لفظ میں وہی بات کہہ دی ہے۔ جیسا کہ پہلے کہہ آیا ہوں کہ آفتاب نبوت نکل آیا ہے استعداد اور صلاحیت شرط ہے ضیا پاشی ہو رہی ہے اور ہر جگہ ہو رہی ہے۔ رات نہیں ہے کہ واحد بالعدد کی حیثیت میں ذرا سی چمک کی ہر متاثر نمائش کر سکے جیسا کہ ہوتا رہا ہے۔ دن ہے اور کڑاکے کی دھوپ نکلی ہوئی ہے اور واحد بالعدد کی ہستی کو

صد ذالك باب النبوة — اس نے نبوت کا دروازہ بند کر دیا

کہہ کر ختم کر دیا ہے اور صرف ختم نہیں بلکہ واحد بالعدد کی تلقی حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے لفظوں میں ممتنع اور ناممکن ہو گی۔

امتنع ان یکون بعدہ نبی — ناممکن اور محال ہے کہ آپ کے بعد

مستقل بالتلقی والخیر الکثیر — کوئی مستقل نبی ہو۔

شاہ صاحب کی عبارت میں استقلال سے دھوکے میں نہ پڑ جائیے۔ یہ مطلب نہیں کہ مستقل نبی نہیں آئے گا۔ لیکن نبی کا تابع بن کر آئے گا۔ بعض کج بینوں کو یہ دھوکہ ہو چکا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ وصف نبوت کا موصوف بالعرض واحد بالعدد نہ ہوگا۔

Marfat.com

اوراس کی دلیل یہ ہے کہ شاہ صاحب ہی نے فرمایا ہے

فما طائر طائر من اولی اجنحتہ — کوئی پرندہ خواہ کیسی ہی استعداد رکھتا ہو
استعدادا الا وقع فی شبکتہ — جب بھی اڑے گا تو اس کا مقام آپ
تربیتہ جذبہ الی نفسہ — کے تربیتی جال کے سوا کوئی نہیں
کجذب المغناطیس — آپ اسے اپنی طرف اس طرح کھینچتے
بالحدید — ہیں جیسے مقناطیس لوہے کو۔

اسی کو عرفاء کی اصطلاح میں مقام نبوت کہا جاتا ہے شیخ اکبر نے الحکم المربوط میں مقام نبوت کی جو تعریف کی ہے کہ

اعلم ان مقام الدعوۃ الی — لوگوں کو اللہ کی طرف بلانے کا نام
اللہ ھو مقام النبوۃ — مقام نبوت ہے۔

ختم نبوت ہوئی ہے، مقام نبوت ختم نہیں ہوا۔ بالفاظ دیگر انبیاء نہ آئیں گے انبیاء کا کام ہوگا یہ کار نبوت ہی مقام نبوت ہے شیخ اکبر ہی نے لکھا ہے کہ

وھو مقام النبوۃ والوراثۃ — یہی مقام نبوت ہے اور یہی وہ
الکاملۃ الحاصل فیہ یقال — وراثت کاملہ ہے کہ اس کے باربردار
لہ النبی فی زمان النبوۃ و — کو زمانہ نبوت میں نبی۔ اور علماء کے
یقال لہ الشیخ والاستاذ — حق میں شیخ اور استاذ کہا جائے۔ یہ
والوارث فی حق العلماء باللہ — علماء نبوت کا کام کرتے ہیں۔ مگر
من غیر ان یکونوا انبیاء۔ — نبی نہیں ہوتے۔

بازاروں میں شور ہے کہ شیخ اکبر نے فتوحات میں ختم نبوت کا انکار کر دیا۔ مقام نبوت کی حقیقت شیخ کی زبانی آپ سن چکے ہیں اب ذرا ایک چھچھلتی نظر شیخ اس عبارت پر ڈال لیجئے جس کو اچھالا جارہا ہے۔

Marfat.com

ان النبوة التی انقطعت	جو نبوت حضور انور کی آمد سے ختم
بوجود رسول اللہ إنّما	ہوئی ہے وہ منصب نبوت ہے
ھی نبوۃ التشریع لا مقامھا	نہ کہ مقام نبوت۔

فرمائیے لا مقامھا کا کیا مطلب ہے جسے میں کار نبوت کہتا ہوں۔ شیخ اسے ہی مقام نبوت کہتے ہیں۔ قرآن کے نزدیک تو اس امت کے خیر امت ہونے کی علت ہی اس امت کا مقام نبوت پر کھڑا ہونا ہے آخر آپ

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ	تم بہترین امت ہو۔ پیدا کئے گئے ہو
لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ	لوگوں کے لئے حکم کرتے ہو تم
وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔	نیکی کا اور برائی سے روکتے ہو۔

کے لئے مطلب کا کون سا جامہ تراشیں گے۔

دیکھئے بات کہاں تھی اور کہاں پہنچ گئی۔ کہاں یہ مزعومہ کہ مولانا محمد قاسمؒ ختم نبوت کے قائل نہیں اور کہاں مولانا کا یہ نکرِ بلند کہ ختم نبوت صرف یہی نہیں کہ اب بالفعل کوئی نبی نہیں آئے گا بلکہ نبی کے آنے کا امکان ہی نہیں ہے ایک بات ذہن میں آئی ہے وہ بھی سن لیجئے وہ یہ کہ وصف نبوت بالعرض کا موصوف بالعدد نہیں آئے گا اور نہ آسکتا ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ خود وصف ناپید ہو چکا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس وصف کا موصوف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کہیں بالعارد نہ موجود ہو سکتا ہے اور نہ ہوگا قرآن نے آپؐ کو خاتم النبیین کہا ہے خاتم النبوۃ نہیں کہا۔ نبی موصوف بوصف نبوت کو کہتے ہیں۔ وصف قائم اور موجود ہے اس کی موجودگی کی خود آیت دلیل ہے۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ	محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مردوں
رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ	میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن

وَخَاتَمَ النَّبِيِّين   اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں

دلیل عقلی یہ ہے کہ موصوف بالذات اپنے وصف سے کبھی جدا نہیں ہو سکتا جیسا کہ پہلے عرض کر آیا ہوں اگر واقعہ یہ ہے تو یوں سمجھ میں آتا ہے کہ نبوت کا موصوف ذاتی بقید حیات بھی ہو عالم برزخ میں یا عنصری ہو۔ قرآن سے بھی کچھ اسی طرح کا اشارہ معلوم ہوتا ہے۔ یہ موضوع تفصیل طلب ہے میں تو صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ مولانا قاسم العلوم نے صرف یہ نہیں بتایا کہ نبی نہیں آئے گا بلکہ یہ بتایا ہے کہ نبی کا آنا ممتنع اور ناممکن ہے۔

عربی زبان سے تو آپ آشنا ہیں کہ عربی میں ممتنعات، یقینیات اور مشکوکات کو جب تعبیر کرنا چاہیں تو اسالیب مختلف ہیں۔ ممتنعات کے لئے لو یقینیات کے لئے اذا اور مشکوکات کے لئے ان آتا ہے:

سب مانتے ہیں کہ الٰہ حقیقی کے سوا دوسرے الٰہ کا وجود ممتنع ہے اس لئے اس امتناع کو قرآن میں ان لفظوں میں ظاہر کیا گیا ہے:

لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا۔

فلاسفہ اسلام کی اصطلاحی زبان میں جس دلیل کا نام دلیل تمانع ہے وہ اسے قرآن کی اس آیت پر منطبق کیا کرتے ہیں۔ اگرچہ مجھے ان کی اس تفسیر سے اختلاف ہے۔ بہر حال عربی زبان میں لو ممتنعات کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ سکاکی کی مفتاح العلوم میں ہے:

اِنَّهَا يَتَعَلَّقُ بِمَا امْتَنَعَ بِامْتِنَاعِ غَيْرِهِ عَلَى سَبِيلِ الْقَطْعِ

لیکن عربی زبان کی طرح اردو زبان میں ممتنعات کے لئے الفاظ کا کوئی پیمانہ نہیں ہے۔ لفظ اگر اردو میں مشکوک اور ممتنع دونوں میں مشترک ہے۔ اردو میں جب اگر کو ممتنعات کے لئے بولیں گے تو بالفرض یا بفرض محال کا اضافہ کریں گے۔

Marfat.com

مولانا قاسم العلوم کے خیال میں چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصف نبوت میں موصوف بالذات ہونے کی وجہ سے کسی اور نبی کا آپؐ کے بعد آنا ممتنع، محال اور ناممکن ہے۔ اس لئے اس امتناع کو ظاہر کرنے کے لئے پیرایۂ تعبیر یہ اختیار کیا ہے کہ — "اگر بالفرض آپؐ کے زمانے میں ہی الخ"

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ

بنام جناب مولوی حبیب احمد صاحب محلہ مبارک پورہ سیالکوٹ

ڈسٹرکٹ جیل سیالکوٹ

۲۲ ستمبر ۱۹۵۳ء

انکار حدیث کے فتنے کو پرویزی فتنہ کہنے کی علمی توجیہہ، یہ بات کہ وحی قرآن ہی میں محدود ہے خود قرآنی تصریحات کے خلاف ہے، نبی صاحبِ کتاب کو نہیں بلکہ صاحبِ وحی کو کہتے ہیں، آغازِ بخاری میں آیت وحی لانے کی وجہ مصادر و مظاہر عمل سے وحی کا تعلق، نبی شناسی کا اخلاقی اور نوعی پیمانہ، قرآن کی رو سے قرآن کے لئے بیان کی ضرورت ہے۔ قرآنی وحی اور وحی سنت کے نزول کی صورتیں۔ امام ابو محمد الجوینی کا بصیرت افروز بیان، ممانعت کتابت کے متعلق حدیث ابو سعید کا مطلب، وحی کی تلاوت اور اتباع میں فرق

تلمیذی العزیز! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

جو بات آپ نے پوچھی تھی اس کا مختصر سے مختصر جواب بھی ہو سکتا ہے مگر اجمال، اختصار اور اشارات سے بات آپ کے پلے نہ پڑے گی۔ اس لئے قدرے تفصیل ضروری ہے۔

آپ نے انکار حدیث کے فتنہ کے لئے "پرویزی فتنہ" کا عنوان خوب تجویز کیا یاد پڑتا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۶ھ ہجری میں جب مختلف ملکوں کے سربراہوں کے نام دعوتی خطوط روانہ کئے تو سربراہ ایران کے نام بھی ایک دعوتی خط روانہ کیا تھا۔ اس سربراہ حکومت کا نام تاریخ میں خسرو پرویز ہے۔ حکومت کی وسعت کا حال یہ تھا کہ ایک طرف اگر ہندوستان تک علاقہ تھا تو دوسری طرف عراق عجم، شام اور روم کے قلب تک دامانِ سلطنت پھیلا ہوا تھا اور درفش کاویانی نہ صرف ایران بلکہ روم کے اکثر علاقوں پر بھی لہرا رہا تھا۔ یہ چھٹی صدی کا آغاز تھا۔ ۶۱۶ء میں رومیوں نے اگرچہ اپنا علاقہ واپس لے لیا تھا۔ مگر تاہم ایرانی حکومت

Marfat.com

کا دبدبہ ایشیا و یورپ دونوں پر قائم تھا ایران کی حکومت ایشیا کی سب سے بڑی حکومت تھی۔ اور جیسی حکومت تھی ویسی ہی دربار حکومت کی بھی شان و شوکت تھی۔ آداب شاہی کے طریق، درباریوں کے درباری لباس، شاہی باڈی گارڈ کی پر ہیبت سجاوٹ، شاہی باڈی گارڈ یعنی اسپ سوار جو عربی میں بگڑ کر اساورہ بن گیا[1]

۶۲۹ یعنی ۷ھ ہجری میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خط روانہ کیا۔ سفارت کی ذمہ داری حضرت عبداللہ بن حذافہ کے کاندھوں پر ڈالی گئی۔ اس گرامی نامہ میں خسرو پرویز کو دعوت اسلام دی گئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن حذافہ کو ہدایت کی تھی کہ اولاً خط بحرین لے جائیں اور حاکم بحرین

---

[1] بلاذری نے مسعر بن کدام کے حوالہ سے یہ انکشاف کیا ہے کہ یوم قادسیہ میں رستم کی معیت میں چار ہزار افراد پر مشتمل ایک دستہ تھا جسے جند شہنشاہ کہتے تھے۔ اسی دستے نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کو پیغام بھیجا تھا کہ ہم مسلمان ہونے پر راضی ہیں بشرطیکہ ہمارے یہ حقوق گورنمنٹ تسلیم کرے۔

الف:۔ جہاں چاہیں گے ہم رہیں گے۔

ب:۔ وظائف اور حکومت کی امداد میں ہمارا حصہ ہوگا۔

ج:۔ ہم جس کو چاہیں گے اپنا حلیف بنائیں گے ——— یہ اور اس قسم کی دوسری شرطیں لکھ کر روانہ کر دیں۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری نے جواباً فرمایا کہ ہو جاؤ لَكُمْ مَا لَنَا وَ عَلَيْكُمْ مَا عَلَيْنَا مگر وہ اساورہ اس جواب سے مطمئن نہ ہوئے حضرت ابو موسیٰ اشعری نے مرکزی گورنمنٹ سے استصواب کیا۔ مرکز کی جانب سے ہدایات پہنچیں کہ جس قیمت پر مسلمان ہوں کر لو۔ اولاً بصرہ میں آباد ہوئے اور ان کی آبادکاری کے لئے جگہ مقرر ہوئی۔ یہاں انہوں نے ایک نہر کھود دی اسی نہر کو نہر اساورہ کہتے ہیں۔ بعد ازیں یہی اساورہ کچھ عرصہ بعد کوفہ میں آباد ہوئے وانوا الکوفۃ واقاموا بھا ص ۲۱۹ ان کی کہانی بڑی طویل ہے۔ اساورہ یا جند شاہنشاہ دونوں ایک ہیں اور ایران کا شاہی باڈی گارڈ ہے۔

مسلک اعتزال کا شجرہ علمی میری تحقیق میں ان ہی سے ملتا ہے۔

کے توسط سے خسرو تک پہنچائیں۔ آپ ہدایت کے مطابق بحرین پہنچے اور حاکم بحرین کے توسط سے آپ کی پرویز کے دربار تک رسائی ہوئی خط دربار میں ترجمان کے ذریعے پڑھوایا گیا۔ خط سنانا مقصود نہیں بتانا یہ چاہتا ہوں کہ یہ خط جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جانب سے لکھوایا تھا۔ سارے خط میں نہ قرآن کا ذکر تھا نہ وحی کا۔ یہ آپؐ کا ذاتی مکتوب تھا۔ خط کے آخری فقرے سن لیجئے۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ	میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ سبحانہ کے سوا
وَاِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَى النَّاسِ	الٰہ کوئی نہیں ہے اور میں سب انسانوں
کافۃ لینذر من کان حیًّا	کی طرف اللہ کا فرستادہ ہوں۔ زندوں کو
اسلم تسلم فان ابیت	آگاہ کرنے آیا ہوں۔ مسلمان ہو جا ؛
فَعَلَیْكَ اِثْمُ الْمَجُوْسِ۔	نجات پائے گا نہیں مانے گا تو مجوسیوں
(طبقات)	کا بوجھ بھی تیری گردن پر ہو گا۔

خسرو پرویز نے گرامی نامہ کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ تاریخ میں لکھی ہوئی بات ہے کہ پرویز نے طیش میں آکر گرامی نامہ کو پرزے پرزے کر دیا۔ یہ قرآن نہ تھا بلکہ ارشادِ نبوت پر مشتمل گرامی نامہ تھا جس کے پرزے اڑائے گئے۔ وہ ارشاد نبوت یعنی حدیث تھی اللہ اکبر! عالم وجود میں سب سے پہلے جس نے ارشاد نبوت کو پارہ پارہ کیا۔ اور پائے استحقار سے ٹھکرایا پرویز ہے۔ اور آج تاریخ کی مختلف کروٹوں کے بعد جو ارشادِ نبوت کے تقدس، عظمت اور اس کی محبت کو اپنے زورِ قلم سے پارہ پارہ کر رہا ہے۔ اس کا نام بھی پرویز ہے۔ کتنی شاندار مطابقت ہے اور وقت کا کیسا بہترین توارد ہے آپ نے فتنہ پرویزی کا عنوان بول کر تاریخ کی مستور صداقت کو شاہراہ عام پر لانے کا فرض انجام دیا۔ یہ بھی سن لیجئے کہ گرامی نامہ کے چاک کرنے کی اطلاع جب دربار نبوت میں پہنچی تو یہاں ردعمل کیا تھا امام بخاری نے اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا ہے

Marfat.com

ابن عباس کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسریٰ کو خط روانہ کیا۔ کسریٰ نے پڑھ کر چاک کر دیا آپؐ نے دعا کی کہ خدا ان کو چکنا چور کر دے اگر یہ واقعہ جوش اور مسرت سے ڈوبا ہوا دیکھنا چاہتے ہو تو مولانا نظامی کی شیریں خسرو پڑھو۔ مولانا نے دو جگہ واقعہ کو تفصیل اور جذبہ اسلامی کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ یہ تو آپ کے تجویز کردہ عنوان کی تقریب ہوئی۔

یہ بات کہ حجت تو صرف قرآن ہے کیونکہ وہ اللہ سبحانہ کی وحی ہے۔ ایک بنیادی غلط فہمی کی وجہ سے کہی گئی ہے۔ غلط فہمی یہ ہو گئی ہے کہ وحی صرف قرآن ہے۔ اور قرآن کے باہر جو کچھ ہے وہ اللہ کی وحی نہیں ہے حالانکہ یہ نظریہ خود قرآن کی تصریحات کے خلاف ہے۔ قرآن حکیم نے خود انسان کے اللہ سبحانہ سے ہم کلام ہونے کی جو صورتیں بیان کی ہیں یہ ہیں:۔

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ	اور کسی آدمی کی طاقت نہیں ہے کہ
اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ	اس سے اللہ بات کرے مگر اشارے
حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا	سے یا پردے کے پیچھے سے یا بھیجے
فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ۔	کوئی پیغام رساں پس وحی کرے وہ
	خدا سے جو خدا چاہے۔

یعنی کوئی انسان اپنی عنصری ساخت اور موجودہ قوتوں کے لحاظ سے یہ طاقت نہیں رکھتا کہ اللہ سبحانہ اس دنیا میں اس کے سامنے ہو کر بالمشافہ کلام کرے اور وہ اسے برداشت کر سکے کسی انسان سے اس کے ہم کلام ہونے کی تین صورتیں ہیں۔

الف:۔ بلا واسطہ پردہ کے پیچھے سے کلام فرمائے یعنی نبی کی قوت سامعہ کلام الٰہی کی شنید سے لذت اندوز ہو گر آنکھ دیدار سے متمتع نہ ہو جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو لیلۃ الاسراء کو پیش آیا — یہ من وراء حجاب ہے۔

Marfat.com

ب :- بواسطہ فرشتہ حق سبحانہ نبی سے کلام فرمائے مگر فرشتہ آنکھوں کے سامنے نہ ہو بلکہ براہ راست قلب پیغمبر پر نزول کرے اور ذات نبیؐ قلب ہی اس کا ادراک کرے حواس ظاہرہ کو اس میں کوئی دخل نہ ہو۔ میرے خیال میں یہ صورت ہے جسے حدیث عائشہؓ میں یاالیتنی مثل صلصلۃ الجرس سے تعبیر فرمایا ہے اسی کو ھو اشدہ علی فرمایا ہے۔ قرآنی وحی اسی صورت میں آئی ہے۔

نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ عَلَىٰ قَلْبِكَ	لیکر اترا ہے اس کو معتبر فرشتہ تیرے دل پر۔

اور

فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ۔	یقیناً اتارا اس کو تیرے دل پر اللہ کے حکم سے۔

میں اسی طرف اشارہ ہے یہی صورت اس آیت ویرسل رسولاً فیوحی باذنہ ما یشاء میں بیان کی گئی ہے۔

ج :- تیسری صورت کو قرآن نے وحی ہی کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ لغت میں وحی کے معنے اشارہ خفی کے آتے ہیں اس لئے اس میں خواب، دل میں بات کا ڈالنا، الہام وغیرہ سب داخل ہیں۔ چونکہ یہ صورت پوشیدہ طور پر اندر ہی اندر ہوتی ہے ذات نبوت سے باہر کسی چیز کی نمود نہیں ہوتی اس لئے اس قسم کو وحی کے لفظ سے تعبیر فرمایا۔

قرآن کا نزول دوسری صورت میں ہوا ہے قرآن سے باہر قرآن ہی کی بیان فرمودہ وحی کی دو صورتیں اور بھی موجود ہیں اس لئے یہ کہنا سرتاسر غلط اور خود قرآن ہی کے خلاف ہے کہ قرآن سے باہر وحی کا کوئی وجود نہیں ہے اور اس انداز فکر کا نتیجہ اس کے سوا کیا ہے کہ نبی کی تعریف خود قرآن نے جو بیان کی ہے وہ غلط ہو کر رہ جائے یعنی

Marfat.com

قرآن کی زبان میں نبی صاحب وحی کو کہتے ہیں اور اس نظریہ کی بنیاد پر نبی صاحب وحی کو نہیں بلکہ صاحب کتاب کو کہتے ہیں۔ کیونکہ یہاں کتاب سے باہر وحی کا کوئی وجود ہی نہیں ہے۔ بخاری شریف میں حضرت امیرالمومنین فی الحدیث امام بخاری نے بدء وحی کے تذکرے میں جو یہ قرآنی آیت تمام آیات قرآنیہ میں سے منتخب کر کے درج فرمائی ہے۔

اِنَّا اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ كَمَا اَوْحَيْنَا	بلاشبہ ہم نے وحی کی تمہارے طرف
اِلٰى نُوْحٍ ۔	جیساکہ ہم نے وحی کی حضرت نوح کیطرف

تو اس سے امام بخاری اپنے مخاطبوں کے جملۃ دماغ میں یہ اور صرف یہ اتارنا چاہتے ہیں کہ نبی وہ شخص ہوتا ہے جس پر اللہ سبحانہ کی وحی آئے عنوان میں بدء الوحی کے ساتھ الی رسول اللہ کے اضافہ سے نبوت کی تعریف کی ہے اور تعریف کو مدلل کرنے کے لئے آیات وحی میں سے سورہ مائدہ کی آیت بالا کو لائے ہیں اور صرف اتنی بات نہیں بلکہ آیت کے انتخاب سے یہ بھی جتانا مقصود ہے کہ انبیاء دو طرح کے ہوتے ہیں موسسین اور مجددین۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کا تعلق قسم اول سے ہے۔ نبوت کی تعریف کے بعد ضرورت نبوت بتانے کے لئے مشہور حدیث اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ لائے ہیں۔ سمجھایا ہے کہ اقدار ہوں یا اخلاق، اعمال ہوں یا اقوال ان کی قدر و قیمت کا دار و مدار دو چیزیں ہیں ایک روح اور دوسری ڈھانچہ۔

روح عمل کو مصدر اور صورت عمل کو مظہر کہتے ہیں[1] اقدار، اخلاق، اعمال اور

---

[1] یہ میری ذاتی رائے نہیں بلکہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک مکتوب میں بھی اسی قسم کی تصریح فرمائی ہے قاسم العلوم کے نام سے جناب کے مکاتیب ۱۲۹۲ھ میں شائع ہوئے ہیں ان میں رقم طراز ہیں۔

اعمال را دو بود و سواست یکے نیت و مبادی آں کہ آں را مصدر۔ دوم پیکر و ہوبت کہ مظہر آں تواں خواند۔

(رسالہ عصمت انبیاء ص)

اقوال کا کوئی پیمانہ اللہ سبحانہ کے یہاں پذیرائی نہیں جب تک ان کے مصادر اللہ کی رضا اور مظاہر اللہ کی وحی سے وابستہ نہ ہوں اور یہ بات نبوت کی رہنمائی کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ یہاں معاً یہ سوال پیدا ہوا کہ یہ بات تو مان لی گئی کہ نبی وہ ہے جو صاحب وحی ہو۔ لیکن خود وحی کیا ہے؟ امام بخاری اس سوال کا جواب دینے کے لئے حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کی وہ مشہور حدیث لائے جس میں وحی آنے کی صورتیں بتائی گئی ہیں اور حدیث لاکر بتا دیا کہ ایک معلوماتی ذریعہ ہے لیکن یہ معلوماتی ذریعہ ہمارے ادراک کی دسترس سے باہر ہے۔ ہم کچھ جان سکتے ہیں تو وہ وحی نہیں بلکہ وحی کی آمدی کیفیت ہے اور وہ بھی تمثیل کے درجے ہیں۔ یہ اللہ کی دین ہے محنت و ریاضت سے حاصل نہیں ہوتی۔ اس کے بعد نبی شناسی کا اخلاقی اور نوعی پیمانہ بتانے لئے حضرت عائشہ رضؓ ہی کی غار حرا والی حدیث اور شخصی پیمانہ بتانے کیلئے دربار ہرقل کی لمبی داستان لاکر کتاب کے دیباچے کو ختم کیا ہے۔ درمیان میں یہ جتانے کے لئے کہ نبی بننے میں خود نبی کی ریاضت کو دخل نہیں ہوتا حضرت ابن عباس کی حدیث لے کر آئے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وحی آنا اور وحی کے ذریعے نبی بننا تو بڑی بات ہے نبوت ملنے اور وحی آنے کے بعد خود وحی کو اپنی قوت سے حافظہ میں محفوظ رکھنا بھی نبی کی دسترس سے باہر ہے

ارادۃً قلم کو روک روک کر لکھ رہا ہوں خط کا محدود دائرہ تفصیل سے مانع ہے ورنہ جی چاہتا ہے کہ سینہ بخاری سے ابلی ہوئی علمی طاقت کو ان سینہ چاک دریوزہ گردوں کے سامنے رکھوں جو ادب سے محروم اپنی خلوتوں میں حضرت امام پر زبان درازیاں کرتے رہتے ہیں۔ اور نہیں جانتے کہ ارشادات نبوت کی نگرانی میں ان کی جلالت شان کیا ہے

میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ قرآن کی زبان میں نبی صاحب وحی کو کہتے ہیں۔ اور قرآن

منے باہر وحی کو نہ یان کر نبی صاحب کتاب کو کہنا پڑتا ہے اور یہ قرآن کی صریح اجازت
نہیں ہے۔ آپ خود غور کرلیں قرآن ہی کے ذریعے ذرا اس معیار کو پرکھئے آپ کو پتہ لگ
جائے گا کہ قرآن سے کتنی دوری ہو رہی ہے مثلاً قرآن ہی میں خود قرآن کے متعلق
اللہ سبحانہ کا ارشاد گرامی ہے

فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ	جب ہم پڑھیں تو ساتھ اس کے
ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ	پڑھنے کے پھر یقیناً ہمارے ذمہ
(سورہ القیامۃ پارہ ۲۹)	ہے اس کا کھول دینا

جب بیان قرآن کا دعویٰ یہ ہے کہ نزول قرآن کے بعد قرآن کا بیان اللہ سبحانہ کے
ذمہ ہے اگر قرآن کا یہ بیان خود قرآن سے علیحدہ چیز ہے اور یقیناً ہے کیونکہ اگر قرآن
ہی کو قرآن کا بیان بتایا جائے تو پھر اس کے لئے بھی قرآن ہونے کی وجہ سے بیان کی
ضرورت ہو گی اور یہ سلسلہ لا متناہی ہو جائے۔ ماننا پڑے گا کہ قرآن کے لئے بیان قرآن
سے الگ ہے۔ اگر یہ بیان قرآن سے الگ ہے تو یہ حسب وعدہ الٰہی عَلَيْنَا بَيَانَهُ
اللہ سبحانہ کی جانب سے ہے اور بذریعہ وحی ہے لہذا اللہ سبحانہ کی جانب سے
بتصریح قرآن ایسی وحی کا آنا ثابت ہے جو قرآن کے علاوہ ہے۔ یہ وحی جس کے
ذریعے قرآن کا بیان عمل میں آیا ہے کونسی ہے۔ اور قرآن کی بیان کردہ کلام الٰہی کی
صورتوں میں کونسی صورت ہے؟ اس کا حل بلا کسی تشویش کے ہر شخص معلوم کر
لے سکتا ہے۔ یقیناً یہ کلام الٰہی کی وہ صورت نہیں ہے جس میں نزول قرآن ہوا
تھا اور نہ وہ صورت ہے جسے قرآن نے مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ کہا ہے اگر ہے تو صرف
تیسری صورت ہے جسے قرآن إِلَّا وَحْيًا کہہ کر پکارا ہے جس میں نفث فی الروع
رؤیائے صادقہ اور الہام سب داخل ہیں اور اس صورت میں جو چیز قرآن کا
بیان بن کر نازل ہوئی ہے وہ ذات نبوت کا اخلاقی، قولی، فعلی اور مجلسی زندگی کا

وہ پیمانہ ہے جسے قرآن الحکمۃ اور مؤرخین السنۃ کہتے ہیں تاریخ کی بے لاگ عدالت سامنے ہے حدیث پر تاریخ کا لفظ میں نے ارادۃً بولا ہے کیونکہ حدیث کی یہ حیثیت تو سب ہی مسلم ہے۔ اس کا فیصلہ ہے کہ

كَانَ الوحي ينزل على رسول	حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی
الله صلى الله عليه وسلم	آتی تھی اور حضرت جبریل وہ سنت
ويحضره جبريل بالسنة	بھی لے کر تشریف لاتے تھے جو اللہ
التي تفسر ذالك	کی وحی کی تفسیر کرتی تھی

حضرت امام شافعیؒ المتوفی ۲۰۴ھ نے الرسالۃ میں اب نہیں بلکہ اب سے بارہ سو سال پہلے ہی بتا دیا نہ صرف یہ کہ السنۃ قرآن کا بیان ہے اور یہ بیان بھی اللہ سبحانہ کی جانب سے بذریعہ وحی آیا ہے بلکہ یہ بھی بتایا ہے کہ قرآن کی بیان کردہ تین صورتوں میں سے جس صورت میں اس بیان کا نزول ہوا ہے وہ وہی ہے۔ جسے قرآن نے وحیاً کہا ہے اور جس میں نفث فی الروع، الہام وغیرہ داخل ہیں۔ فرماتے ہیں:

القی فی روعہ کل ما سن	تمام سنتوں کو آپؐ کو القا کیا گیا سنت
وسنۃ الحکمۃ الذی القی	ہی حکمت ہے اور یہی اللہ کی جانب
فی روعہ عن اللہ تعالیٰ فکان	سے آپؐ پر القا کی گئی ہے اس لئے
مما القی فی روعہ سنۃ۔ ص۱۰۲	سنت اللہ کا القائی فرمان ہے

یہاں یہ نکتہ بھی سمجھ لیجئے کہ اس آیت اذا قرأناہ فاتبع قرآنہ۔ ثم ان علینا بیانہ۔ میں اللہ سبحانہ نے قرآن کے پڑھنے کو اپنا پڑھنا اور قرآن کے بیان کو اپنا ہی بتایا ہے قرآنہ اور بیانہ کے لفظوں پر غور کرو مگر قرآن ہی کی دوسری آیات میں جس طرح قرآن کے پڑھنے کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت

Marfat.com

کیا ہے :-

قُرْآنًا فَرَقْنَاهُ لِتَقْرَءَهُ عَلَى النَّاسِ عَلَى مُكْثٍ۔ — اور پڑھنے کی چیز۔ جدا کیا ہم نے اس کو تاکہ تم پڑھو لوگوں کے سامنے بتدریج

ایسے ہی قرآن کے بیان کو بھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام بتایا ہے۔

أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ۔ — اتارا ہم نے تمہاری طرف الذکر تاکہ تم بیان کرو لوگوں کے سامنے اس کو جو اتارا گیا ہے

آیت میں لِلنَّاسِ اور مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ لا کر بتا دیا ہے کہ کتاب کے ساتھ نبوت آنے کی ضرورت ہی اس لئے درپیش آتی ہے کہ نبوت کے اقدار، افعال، اقوال اور اخلاق کے ذریعے لوگوں کے سامنے کتاب الٰہی کا منشا واضح اور صاف ہو کر آ جائے اور یہی بیان ہے۔ بات تشنہ رہ جائے گی اگر یہاں امام الحرمین کے والد محترم ابو محمد عبداللہ بن یوسف الجوینی المتوفی ۴۳۸ھ کے اس بیان کو نظر انداز کر جائیں جسے علامہ جلال الدین السیوطی المتوفی ۹۱۱ھ نے الاتقان فی علوم القرآن میں نقل کیا ہے فرماتے ہیں :-

اللہ سبحانہٗ کی جانب سے نازل شدہ کلام کی دو قسمیں ہیں ایک قسم وہ ہے جس میں اللہ سبحانہٗ نے جبریل سے فرمایا کہ پیغمبر سے کہدو کہ اللہ سبحانہٗ کا یہ ارشاد ہے ارشاد ربانی کو جبریل سمجھتا ہے اور پیغمبر کو آ کر بتا دیتا ہے اس قسم میں الفاظ الٰہی نہیں ہوتے بلکہ مراد الٰہی ہوتی ہے۔ عبارت کا بیانہ جبریل کا ہوتا ہے۔ مگر روایت بالفظ نہیں ہوتی۔ دوسری قسم وہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ جبریل سے فرمائیں کہ یہ خط نبی کو پڑھ کر سنا دو جبریل آئیں اور بعینہٖ خط پڑھ کر سنا جائیں

Marfat.com

یہ روایت باللفظ ہے۔ دوسری قسم کی وحی قرآن ہے اور پہلی قسم کی سنت ہے۔ یا احادیث میں روایت بالمعنے کے جواز کا سرچشمہ بھی یہی ہے کیونکہ جبریل نے سنت کی وحی روایت بالمعنے ہی میں کی ہے لیکن قرآن میں روایت بالمعنے ناجائز ہے کیونکہ اس کی وحی باللفظ ہوئی ہے بظاہر دونوں وحیوں میں اس فرق کو قائم کرنے کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ قرآن کی وحی میں صرف احکام کا اخبار مقصود نہیں بلکہ اسی کے ساتھ الفاظ کا تعبد اور تعبیر و اسلوب کا اعجاز بھی منشاء ربانی ہے برخلاف سنت کے کہ اس میں صرف اخبار احکام مقصود ہے نہ لفظوں میں تعبد ہے اور نہ انداز و اسلوب اعجازی ہے جیسا کہ

ابو محمد جوینی کے اس بیان سے صحیح مسلم کی اس حدیث کا بھی مسئلہ صاف ہو گیا جس میں حدیث لکھنے کی زمانہ نزول قرآن میں ممانعت ہے

عَنْ اَبِی سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ — ابو سعید خدری کہتے ہیں کہ رسول اللہ
اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ — صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجھ
عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَکْتُبُوْا — سے قرآن کے سوا نہ لکھو جس شخص
عَنِّیْ غَیْرَ الْقُرْاٰنِ وَمَنْ — نے قرآن کے سوا لکھا ہے وہ اسے
کَتَبَ عَنِّیْ غَیْرَ الْقُرْاٰنِ — مٹا دے۔ مجھ سے حدیث بیان کیا
فَلْیَمْحُہُ وَحَدِّثُوْا عَنِّیْ وَلَا — کرو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے
حَرَجَ وَمَنْ کَذَبَ عَلَیَّ — جو شخص مجھ پر بالارادہ جھوٹ
مُتَعَمِّدًا فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَہُ — بولے گا اسے اپنا ٹھکانا جہنم بنا
مِنَ النَّارِ — لینا چاہیئے۔

"حدیث کی زبانی روایت کرنے کی اجازت نامہ کے ساتھ ممانعت کا یہ قرآن کے

سوا میرے سے کچھ نہ لکھو۔ ابن کا سوائے اس کے منشا کیا ہے کہ قرآن کے الفاظ میں تعبد ہے۔ قرآن سے الگ ہو کر کوئی وحی نہیں ہے جس کے لفظوں میں تعبد ہو اور تعبدی طور پر جس کی تلاوت کی جاتی ہو۔ خود انداز بیان بھی اس کی گواہی دے رہا ہے یہی تو فرمایا ہے کہ لَا تَكْتُبُوا عَنِّي غَيْرَ الْقُرْآنِ لفظ غیر عربی اسالیب میں اپنا موصوف چاہتا ہے اس لئے عبارت یوں ہے لَا تَكْتُبُوا عَنِّي قُرْآنًا غَيْرَ الْقُرْآنِ مطلب صاف ہے کہ میرے سے پڑھنے کی کوئی ایسی چیز جس کے لفظوں میں تعبد ہو قرآن کے سوا مت لکھو آخر قرآن ہی میں مَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ آیا ہے اور اس کا مطلب صاف یہی ہے کہ مَنْ يَتَّبِعْ سَبِيلًا غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ ارشاد میں قرآن کے تعبد پر زور دیا جا رہا ہے اور ارشاد نبوت کا منشا بالکل واضح ہو جاتا ہے جب ہم حضرت ابو سعیدؓ کے اس بیان تک پہنچتے ہیں جو حافظ ابن عبد البر نے جامع بیان العلم کے ص۳۲ پر نقل کیا ہے۔

عن ابی نضرۃ قال قلت	ابو نضرہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو سعید
لابی سعید الخدری	سے کہا کہ اجازت ہو تو آپ سے سنی
الا تکتب مَا نَسْمَعُ مِنْكَ	ہوئی باتیں لکھ لیا کروں فرمایا کہ تم
قال تریدون ان تجعلوها	مصاحف بنانا چاہتے ہو۔ نبی
مصاحف ان نبیکم	صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے حدیث
صلعم کان یحدثنا فنحفظ	بیان کرتے تھے ہم یاد رکھتے تھے
فاحفظوا کما کنا نحفظ	تم بھی یاد رکھو جیسے ہم یاد رکھتے تھے

حفظ روایت کے تقاضے کے ساتھ کتابت سے ممانعت میں جو روح کام کر رہی ہے تو وہ ہی ہے جس کی طرف امام جوینی نے اشارہ کیا ہے کہ یہاں لفظوں میں تعبد نہیں تو ہے یہ مصحف ہی ہے جس کے الفاظ میں تعبد ہونے کی وجہ سے بادبلہ

Marfat.com

تلاوت کا حکم ہے۔ بات یہیں سے بات نکل رہی ہے قرآن میں عموماً وحی کے متعلق دو ہی قسم کے حکم ہیں اتباع اور تلاوت۔ مگر آپ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ خود قرآن نے ان دونوں میں ایک جوہری فرق قائم رکھا ہے۔ قرآن میں جہاں بھی اللہ سبحانہ نے وحی کی تلاوت کا حکم دیا ہے اس کے ساتھ کتاب کی قید کا ضرور اضافہ کیا ہے۔ مثلاً

اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنْ كِتَابِ ۔ تلاوت کرو اس چیز کی جو وحی کی گئی ہے

رَبِّكَ ۔ تمہاری طرف تمہارے پروردگار کی کتاب سے

اور

اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنَ ۔ تلاوت کرو اس چیز کی جو وحی کی گئی

الْكِتٰبِ ۔ ہے تمہاری طرف کتاب سے

وغیرہ وغیرہ

لیکن قرآن ہی میں جہاں وحی کی اتباع کا حکم آیا ہے ان آیات میں لفظ کتاب کو ہٹا دیا گیا ہے۔ مثلاً

اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ ۔ اتباع کرو اس چیز کی جو وحی کی گئی ہے

مِنْ رَّبِّكَ ۔ تمہاری طرف پروردگار کی جانب سے

اور

وَاتَّبِعْ مَا یُوْحٰی اِلَیْكَ ۔ اتباع کرو اس چیز کی جو تمہاری طرف وحی کی جاتی ہے

اور

وَاتَّبِعْ مَا یُوْحٰی اِلَیْكَ ۔ اتباع کرو اس چیز کی جو وحی کی جاتی

مِنْ رَّبِّكَ ۔ ہے تمہاری طرف تمہارے پروردگار کی جانب سے

Marfat.com

اور

اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ	نہیں اتباع کرتا مگر اس چیز کی جو وحی
مِنْ رَّبِّیْ	کی جاتی ہے میری طرف میرے پروردگار
	کی جانب سے

اور

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَکُمْ عِنْدِیْ	کہدو میں نہیں کہتا تم سے کہ میرے پاس
خَزَآئِنُ اللّٰہِ وَلَآ اَعْلَمُ	اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب داں
الْغَیْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَکُمْ	نہیں ہوں اور میں نہیں کہتا کہ میں فرشتہ
اِنِّیْ مَلَکٌ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا	ہوں۔ نہیں پیروی کرتا مگر اس چیز کی
یُوْحٰٓی اِلَیَّ۔	جو وحی کی جاتی ہے میری طرف۔

یہ اور اس قسم کی ان گنت آیات ہیں جہاں وحی کی اتباع کا تذکرہ کیا ہے۔ وہاں لفظ کتاب نہیں لایا گیا ہے۔ اوروں کا پتہ نہیں جہاں تک قرآن کا میں نے مطالعہ کیا ہے مجھے تو اس میں بہت گہری معنویت محسوس ہوئی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ صاحب وحی کا منشا اس محسوس فرق کو قائم کر کے صرف یہ بتانا نہیں بلکہ جتانا ہے کہ :-

الف :- وحی جو ذات نبوت پر آئی ہے وہ صرف کتاب ہی میں محدود نہیں ہے۔ بلکہ کتاب سے باہر بھی وحی ہے۔

ب :- کتابی وحی کی تلاوت کی جاتی ہے۔ اس کے لفظوں میں تعبد اور تعبیر میں اعجاز ہے۔ غیر کتابی وحی کی تلاوت نہیں بلکہ اتباع کی جاتی ہے۔

تلاوت خاص ہے کتابی وحی کے لئے اتباع کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اس میں کتابی اور غیر کتابی کی تخصیص نہیں ہے۔ اس لئے اتباع وحی کے موقعہ پر کلام سے کتاب کی قید کو حذف کر دیا گیا ہے۔ اور چونکہ اتباع وحی کا دائرہ وسیع ہے اسی لئے

Marfat.com

جب اتباع کے مطالبہ پر وحی کی جگہ ذات نبوت کو لائے اور ذات نبوت کی اتباع کا
اللہ سبحانہ نے مطالبہ کیا تو وہاں بھی ذات نبوت کو بلا قید ہی اتباع کے فعل کا
مفعول بنا کر لائے ہیں مثلاً یہ آیت پ ۳ ع ۱۲

اِنۡ کُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰہَ — اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو
فَاتَّبِعُوۡنِیۡ۔ — میری اتباع کرو۔ ۱۵

اس آیت میں یائے متکلم سے ذات نبوت یعنی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔ پھر آپ دیکھ رہے ہیں کہ اللہ سبحانہ بلا قید آپ کی اتباع کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ حالانکہ قرآنی وحی کے دائرے تک تو آپ ایک محدود اور خاص ہی حیثیت کے مالک ہیں۔ مگر اس کے باوجود فِیۡمَاۤ اُوۡحِیَ اِلَیَّ مِنَ الۡکِتٰبِ یا فِیۡمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیَّ مِنۡ کِتٰبِ رَبِّیۡ کی یہاں کوئی قید نہیں ہے۔ اگر ذات نبوت کسی درجے میں بھی ناقابل اتباع ہوتی تو مطلق اتباع کا حکم نہ آتا یہاں کوئی قید ضرور ہوتی۔ بلکہ میں تو ترقی کر کے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کی زبان میں کہتا ہوں کہ اگر آپ کی زندگی کا کوئی گوشہ بھی معاذ اللہ رضائے الٰہی کے پیمانے پر پورا نہ ہوتا تو اتباع کا بلا قید حکم نہ آتا۔ قرآن نے تو آپ کو بلا قید مرتضیٰ قرار دیا ہے۔

عٰلِمُ الۡغَیۡبِ فَلَا یُظۡہِرُ — جاننے والا غیب نہیں مطلع کرتا اپنے
عَلٰی غَیۡبِہٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ — غیب پر کسی کو مگر اس شخص کو
ارۡتَضٰی مِنۡ رَّسُوۡلٍ — جو مرتضیٰ ہو رسول سے

صرف ارتضیٰ فرمایا ہے فی الاعمال یا فی الاخلاق کی کوئی قید نہیں لگائی ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ذات نبوت اخلاق، اعمال، احوال اور عقائد میں مرتضیٰ ہے چونکہ ہر گوشہ میں مرتضیٰ ہے اس لیے بلا قید اتباع کا حکم ہوا ہے اور بلا قید اتباع کا حکم دلیل ہے اس بات کی کہ وحی صرف کتاب ہی میں محدود نہیں ہے

Marfat.com

بلکہ قرآن سے باہر بھی وحی ہے۔

والسّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

بنام:—

مسٹر محمد اشرف ایم۔ اے۔ بی۔ ٹی۔ ٹیچر گورنمنٹ ہائی سکول ڈسکہ ضلع سیالکوٹ

ڈسٹرکٹ جیل سیالکوٹ

۲۰ ستمبر ۵۳ء

سالار نبوت کی زندگی کا نام اسلام ہے، صرف ارشاد قولی بگڑی ہوئی قوموں کے لئے اکسیر نہیں ہے، نبوت کا دو ٹوک فیصلہ، دعوت کا کام اوپر سے نیچے شروع ہوتا ہے، رسالت محمدیہ اجتماعی بعثت کی حامل ہے، دعوت کے میدان میں امت محمدیہ کے فرائض۔

اخی المکرم! وفقنا اللہ وایاکم لما یحبہ ویرضاہ السلام علیکم

جی چاہتا ہے کہ آپ سے ملاقات ہو۔ بہت سوچ و بچار کے بعد یہ تدابیر سوجھی ہے کہ خط کو ہی ملاقات کا بہانہ بنایا جائے۔

اگرچہ آپ سامنے نہیں ہیں اور آپ ہی پہ کیا موقوف ہے اس وقت کمرے کی دیواروں کے سوا سامنے کوئی نہیں تصور کی دنیا میں غرق ہوں لیکن کبھی کبھی کان میں "سب اچھا" کی آواز آتی ہے تو چونک جاتا ہوں۔ اللہ اکبر جیل کے نگران جیل کی نگرانی کرتے ہیں۔ خود جاگتے ہیں اور ساری رات سب اچھا سب اچھا کہہ کر دوسروں کو بیدار رکھتے ہیں، مگر آہ اسلام کے نگران سو رہے ہیں۔ اسلام کے قیدی دیواریں چھاند رہے ہیں۔ دن رات قانون کی شکست و ریخت میں لگے ہوئے ہیں۔ مگر روکنے والا کوئی نہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ سالار نبوت نے چالیس سال عمر میں مکہ والوں کے سامنے جس دعوت کو پیش کیا۔ اور تیرہ سال تک لگاتار جس کی راہ میں کشمکش، جدوجہد، مصیبت، تکلیف، پریشانی، رد، قید، فاقہ اور جلاوطنی کے مرحلوں سے گذرے۔

تیرہ سال کی جانکاہ کوشش کے بعد مدینے میں ایک چھوٹا سا اسٹیٹ قائم کیا دس برس تک خود اس اسٹیٹ کی رہنمائی کی اور اس مختصر سی مدت میں بہ

Marfat.com

شعبہ حکومت میں ہی نہیں بلکہ زندگی کی ہر شاخ میں صرف تخیل نہیں۔ بلکہ پائیدار ٹھوس انتظامی، تعلیمی، عدالتی، معاشی، معاشرتی، مالی، جنگی، بین الاقوامی، انفرادی اور اجتماعی زندگی کے اصول بتائے۔ اور ان اصولوں کو عملی حالات پر منطبق کر کے زندگی کا ایسا نمونہ پیش کیا۔ کہ آٹھ سال کی مختصر مدت میں لوگ اس کے نتائج محسوس شکل میں دیکھنے لگے۔

اس زندگی کا نام اسلام ہے اگر آپ چاہیں کہ اس زندگی سے الگ ہو کر اسلام کو جانیں اور سمجھیں تو بلا خوف تردید کہہ سکتا ہوں کہ صرف جان نہیں سکتے بلکہ اسلام کا تصور بھی نہیں کر سکتے ۔ اور اس سے جدا ہو کر آپ کے بارے میں جو کچھ بھی سوچیں گے۔ وہ اسلام نہ ہوگا پتہ نہیں کہ لوگ یہ موٹی سی بات کیوں نہیں سمجھتے آخر خود قرآن ہی میں یہ جو فرمایا ہے کہ:۔

أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُبِينًا — ہم نے تمہاری طرف ایک واضح روشنی اتاری

اور دوسری جگہ ہے:۔

قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ — تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک روشنی اور واضح کتاب آئی۔

تو اس سے یہی تو بتایا ہے کہ قرآن اور حامل قرآن دونوں نور ہیں۔ دعوت قرآنی کا کوئی تصور نبوت کی زندگی سے الگ ہو کر اسلام نہیں ہے آفتاب سے اگر آفتاب کی دھوپ کو آپ جدا نہیں کر سکتے تو قرآن سے نبوت کی عملی زندگی کو علیحدہ کیسے کر سکتے ہیں؟

آخر اس سلسلے میں آخر قرآن اور کیا کہتا۔ پیغمبر خدا کی محسوس اور مرئی زندگی سے الگ ہو کر اسلام سمجھنے اور جاننے کا نہ کبھی شبہ پیدا ہوا اور نہ ہو سکتا تھا۔ بلکہ یہ واقعہ ہے کہ قرآن کے نظریات اور مطالبات کی عمل کی دنیا میں چونکہ انتہا اس ذات

پیغمبر پر ہوئی تھی۔ جن کا منصب اَلرَّسُوْلُ اور اَلنَّبِیُّ تھا۔ اس لئے دماغوں میں ایسے شبہ کی گنجائش ہی کہاں ہوتی اور کیسے ہوتی! زیادہ سے زیادہ یہ شبہ ہوسکتا تھا کہ پیغمبر کا کام لوگوں کو تعلیم دینا ہے اس لئے یہ معلم ہے اور معلم کے لئے ضروری نہیں ہے کہ اس کے کردار اور اعمال کو بھی اپنایا جائے۔ دیکھنا یہ چاہئے کہ وہ کہتا کیا ہے اور بس۔ لیکن قرآن ہی نے یَتْلُوْا عَلَیْکُمْ اٰیٰتِنَا کے ساتھ وَیُزَکِّیْکُمْ کا اضافہ کر کے اچانک اس دروازے کو بند کر دیا۔ آخر جب اَلرَّسُوْلُ کا مقام اتنا بلند ہے کہ

مَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی — وہ خواہش سے نہیں بولتا

تو پھر سلسلۂ کائنات کی کونسی ہستی اس کی مستحق رہ جاتی ہے جس کا عمل انسانی زندگی کے لئے نشانِ راہ کا کام دے سکے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک پوچھنے والے کو مخاطب کر کے کتنی صحیح بات فرمائی تھی۔

اما قرأت القراٰن — کیا تو نے قرآن نہیں پڑھا؟

قَالَ نَعَمْ قَالَتْ فَذٰلِکَ خلقه — اس نے کہا کہ ہاں۔ آپ نے فرمایا کہ قرآن

صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ — ہی آپ کے اخلاق ہیں۔

صرف ارشاد قولی بگڑی ہوئی قوموں اور امتوں کے لئے اکسیر نہیں ہے جب تک اس کی ہمرکابی میں عمل کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر نہ ہو۔ الٰہی ارشادات کیلئے عمل ہی کے سمندر کا نام سنت یا اعمالِ نبوت ہے۔ اعمال نبوت کا اتباع ہی دراصل قرآن کا اتباع ہے ۔۔۔ شاید اسی تعبیر میں یہ برابری رکھی گئی ہے۔

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ — پیروی کرو اس چیز کی جو نازل کی گئی

مِّنْ رَّبِّکُمْ — تمہاری طرف تمہارے پروردگار کی

اور — طرف سے

Marfat.com

اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ — اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری

فَاتَّبِعُوْنِیْ — پیروی کرو۔

یعنی قرآن کی پیروی نبوت کے کردار سے الگ ہو کر پیروی نہیں ہے اسی کا نام اسلام ہے۔ اس کی پوری عمارت یگانہ خدا کی الوہیت کے نظریہ پر قائم ہے اور لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ اسی کی ترجمانی ہے۔ ابتدائی دعوت سے لے کر اسلامی جماعت اور اسلامی اسٹیٹ کے بننے تک اس زندگی نے جس قدر مرحلے طے کئے ہیں۔ ایک ایک مرحلے اور ایک ایک پہلو کی پوری اور مستند تفصیلات ملتی ہیں شاید آپ نے کبھی نہ سوچا ہو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت اسلام کے داعی بن کر آئے عرب میں وہ مسائل موجود تھے۔ جن سے آج دنیا والے دست و گریباں ہیں، ساری قوم جہالت، اخلاقی پستی، معاشی بدحالی، طوائف الملوکی اور خانہ جنگی میں مبتلا تھی۔ یمن اور عرب کے ساحلی علاقے اور عراق کا زرخیز صوبہ ایرانی اقتدار کے زیر نگیں، شمال میں رومی تسلط حجاز تک پہنچ چکا تھا۔ خود حجاز میں یہودی سرمایہ داروں کے بڑے بڑے گڑھ قائم تھے اور عرب ان کی سودخواری کا نشانہ تھے، مشرقی ساحل کے عین مقابل حبش کی عیسائی حکومت موجود تھی۔ جو فتح مکہ کی خاطر چند سال پہلے مکہ پر چڑھائی کر چکی تھی ان سب حالات کی موجودگی میں اور ان پیش پا افتادہ مسائل کے ہوتے ہوئے سرآمد رسالت نے بغیر تمہیدی کارروائی کے لوگوں کے سامنے دعوت نبوت پیش کی اور الف سے یا تک زندگی کے سارے گوشوں کے لئے وہ رنگ و روغن فراہم کیا کہ دیکھنے والے آج تک اس کے نشانات دیکھ رہے ہیں۔

یگانے تو یگانے ان حق پوش بیگانوں نے بھی مانا ہے جنہیں رسالت کی ہر بڑی بات کو چھوٹی ثابت کرنے کا معصومانہ کمال حاصل ہے یعنی جرجی زیدان

Marfat.com

جیسا مشہور عیسائی مؤرخ باوجود اس خوش فہمی کے کہ

انبجت رجالاً نبغوا فی	ایسے لوگ رونما ہوگئے جن میں
السیادة والقیادة وکانوا	قیادت کی صلاحیتیں تھیں۔ بس اسلام
من اهم العوامل تاثیرًا	کے تیزی سے پھیلنے کا یہی لوگ
فی سرعة نشر الاسلام۔	سبب بنے۔

(التمدن)

یعنی رسالت اپنے اصول کی قوت اور گفتار و کردار کی خوبیوں سے نہیں بلکہ اشخاص کے سہارے دنیا میں پھیل گئی۔ اضطراراً اس کا قلم بھی دعوت کے متعلق اس اقرار پر مجبور ہوگیا۔

انما قام بها عن صدق واخلاص۔ (التمدن صلا۲)	آپ کی دعوت کی بنیاد راستی اور اخلاص تھا۔

نبوت کی اسی زندگی کو قرآن نے اُسوۂ حسنہ کہا ہے یہ اسوۂ حسنہ زندگی کے سارے گوشوں کو سمیٹے ہوئے ہے۔ امن وامان کا قیام، ملک کی آبادی، سرحدوں کی نگرانی، فوجی تنظیم، بین الاقوامی مسائل یہ اور اس قسم کی دوسری باتیں جن کا حکومتوں سے تعلق ہے۔ اُسوۂ حسنہ کے دائرے میں اسی طرح داخل ہیں جس طرح انفرادی اور اجتماعی زندگی کے دوسرے مسائل ــــ صرف مسائل ہی نہیں بلکہ زندگی کی چھوٹی سے چھوٹی بات۔ یہ مبالغہ نہیں بلکہ واقعہ ہے کہ اسی اُسوۂ حسنہ میں مسلمانوں کے بالوں اور ناخنوں کی صفائی تک کی ہدایات موجود ہیں۔ ترمذی میں ہے کہ سلمان فارسیؓ سے جب کسی نے طنزاً یہ کہا کہ

قد علمکم نبیکم حتی الخراءة۔

تو حضرت سلمان فارسیؓ نے بڑے جوش اور پورے حکیمانہ انداز میں کہا تھا کہ آج کل ہاں واقعی ہماری زندگی کے ان گوشوں کے لئے اسلامی ہدایات موجود ہیں۔ حدیث کی کتابوں میں اس قسم کا بے شمار ذخیرہ موجود ہے۔

حضرت ابوایوب انصاریؓ سے ایک شخص نے مصافحہ کیا۔ ناخن بڑھے ہوئے تھے۔ آپ نے اس ناخن دراز سے کہا کہ رسول اللہؐ کے پاس ایک شخص آیا۔ اور عالم بالا کے بارے میں کچھ دریافت کرنے لگا۔ آپؐ نے اسے دیکھ کر فرمایا کہ تم میں سے ایک شخص آکر عالم بالا کے متعلق پوچھتا ہے۔

واظفارہٗ کا نھا اظفار	حالانکہ اس کے ناخن جنگل کے پرندوں کے
الطیر تجتمع فیھا الخباثۃ	ناخنوں کے مانند ہوتے ہیں۔ جن میں
والتفث۔ (احکام ص۷۷)	گندگی اور میل کچیل جمع رہتا ہے۔

بہرحال شخصی زندگی ہو یا خاندانی، قومی تعلقات ہوں یا عام انسانی، بندوں سے ہوں یا خدا سے، اسوۂ حسنہ ان سب پر حاوی ہے اور ہر شعبہ کے متعلق قوانین و دفعات رکھتا ہے۔

جیساکہ پہلے عرض کر چکا ہوں کہ اسی نمونہ کی زندگی کا نام اسلام ہے جسے نبوت نے الف سے یا تک قائم کیا تھا اور اس سے ہٹ کر کبھی کسی سے کسی قیمت پر سمجھوتہ نہیں کیا۔ مکہ کے ارباب بست و کشاد نے ایک کانفرنس میں فیصلہ کیا کہ ایک ڈیپوٹیشن کی وساطت سے کسی طرح آپ کو راضی کرلیا جائے۔ ڈیپوٹیشن گیا اور نبوت کے سامنے جن باتوں کی پیش کش کی یہ تھیں

الف۔ ان کنت انما جئت بھذا الحدیث تطلب بہ مالا جمعنا لک من اموالنا حتی اکثرنا مالاً۔

ب۔ وان کنت انما تطلب بہ الشرف فینا فنحن نسودک علینا۔

Marfat.com

ج:- وان کنت تریدبہ ملکاً ملکناك علینا۔

ان تینوں پیشکشوں پر ذرا منصفانہ نظر ڈالئے اور سوچیے کہ وقت کی پکار کہہ رہی ہے کہ

الف:- اگر آپ مالیاتی مسائل کی پریشانی اور معاشی بدحالی سے بے چین ہیں تو لیجئے سرمایہ حاضر ہے۔

ب:- اگر آپ لیڈر شپ کے خواہش مند ہیں تو لیجئے قیادت حاضر ہے۔

ج:- اگر آپ بادشاہ بننا چاہتے ہیں تو لیجئے بادشاہت موجود ہے۔

اگر آپ ایک سیاسی لیڈر کی نظر سے حالات و واقعات کو دیکھتے تو بلاشبہ آپ تیسری پیش کش کو اپنا لیتے کیونکہ اقتدار ہاتھ میں آجانے کے بعد کوئی کام نہیں رک سکتا۔ مگر جانتے ہو نبی تھے لیڈر نہ تھے ان پیشکشوں کا پیغمبرانہ جواب دیا۔ تاریخ میں یہ جواب محفوظ ہے۔

مابی ما تقولون وماجئت	ان باتوں میں سے مجھ میں کچھ نہیں جو تم
بماجئتکم بہ اطلب	کہتے ہو میری آمد کا مقصد سرمائے کی
اموالکم ولا الشرف علیکم	فراہمی۔ لیڈری اور حکمرانی نہیں ہے
ولا الملك علیکم لکن	مجھے تو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے
اللہ بلغنی الیکم رسولاً	مجھ پر کتاب اتاری ہے اور حکم دیا ہے
وانزل علیّ کتاباً وامرنی	کہ میں لوگوں کو اعمال نیک کے نتائج کی
ان اکون بشیراً ونذیراً۔	خوشخبری سناؤں اور اعمال بد کے نتائج سے خبردار کروں۔

یہ ہے نبوت کا دو ٹوک فیصلہ اور اسے کہتے ہیں دعوت۔

اس مثالی زندگی کو ہر قیمت پر دنیا میں قائم رکھنے ہی کے لئے نہیں۔ بلکہ اسی زندگی کے قیام پر اصرار کرنے کے لئے دنیا سے سالار رسالت کے روانہ ہو جانے

کے بعد خود قرآن ہی نے ارشاد کی حد تک نگرانی کے وعدے کے ساتھ اسی مثالی زندگی کے لئے جو کچھ اور جتنا کچھ انتظام فرمایا ہے اس کا اندازہ کچھ وہی لوگ کر سکتے ہیں۔ جنہوں نے قرآن کا مطالعہ اس فکر کے ساتھ کیا ہے کہ یہ خدا کا آخری پیغام ہے اور ساری انسانیت کے نام ہے۔ سب کے نام اور سب سے آخر ہونا ہی اس پیغام اور پیغامبر کی وہ خصوصیت ہے جو اسے دوسرے پیغاموں اور پیغامبروں سے ممتاز کرتی ہے۔ سب کے نام یعنی بعثت عامہ کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کے ہر چپے اور ہر گوشے میں اسی مثالی زندگی کو قائم کیا جائے۔ قرآن اور سنت نے اس حقیقت کو جس صراحت کے ساتھ سمجھایا ہے وہ سب ہی جانتے ہیں۔

میں دکھانا یہ چاہتا ہوں کہ اپنے تو اپنے غیروں کو بھی اس اقرار سے گریز نہیں شکیب ارسلان نے کسی کے حوالہ سے بتایا ہے کہ

كَانَ مُعْتَقِدًا بِرِسَالَتِهٖ
اِلَى الْعَالَمِيْنَ كَافَّةً

اسی بنا پر خاص دعوت ہی کے سلسلے میں وقت کی بڑی بڑی حکومتوں کے نام خطوط روانہ کئے۔ غالباً ۶ھ میں آپؐ نے ایک ہی روز چھ حکمرانوں کے نام دعوت نامے بھیجے۔ ان حکمرانوں میں اصحم نجاشی والی حبشہ، ہرقل قیصر روم، خسرو پرویز ایران، مقوقس عزیز مصر، حارث غسانی، ہوذہ ابن علی جیسے مشاہیر تھے۔

دعوت کی بنیاد یہ اور صرف یہ تھی کہ آپؐ کی بعثت عام ہے یعنی نبوت کا یہ پیغام سب کے نام ہے۔ اس لئے اسے سب تک پہنچنا چاہیئے۔ سب تک پہنچانے کے لئے ضروری ہے کہ نبوت کے مشن کو لے کر چلنے والی ایک جماعت ہو۔ جو نبی نہ ہو مگر ذمہ داریوں کے لحاظ سے نبوت ہی کی ذمہ داریوں کا بوجھ اس کے کاندھوں پر ہو۔ اس جماعت میں وہ خصوصیات ہوں جو انبیاء میں ہوتی ہیں —— سالار نبوت

Marfat.com

اور قرآن نے اس مقصد کے پیش نظر جو جماعت تیار کی تھی۔ وہ انہیں خصوصیات کی حامل تھی۔ علامہ شاطبی غرناطی نے الموافقات میں ان خصوصیات پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ افسوس کہ خط کا محدود پیمانہ تفصیل کی اجازت نہیں دیتا۔ جاننے والے جانتے ہیں اور لکھنے والوں نے لکھا ہے کہ یہ امت کی بعثت ہے اور بتایا ہے کہ امت کی یہ بعثت خود نبوی بعثت سے پیدا ہوئی ہے۔ شاہ ولی اللہ نے لکھا ہے

وان یکون قومہ خیر امۃ	آپ کی امت بہترین امت ہے اسے
اخرجت للناس فیکون بعثہ	لوگوں کے لئے برپا کیا گیا ہے اس لئے
یتناول بعثاً آخر	آپ کی بعثت سے ایک اور بعثت ہوئی ہے

آگے اس کی تائید میں قرآنی آیات اور حدیث بھی پیش کی ہے۔ میں صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ پیغام نبوت محمدیہ چونکہ زمان و مکان سے بے قید ہو کر آیا تھا۔ اس لئے خود یہ بعثت ہی اپنے دائرہ کار کی رو سے چاہتی تھی کہ ایک دوسری بعثت ہو۔ لیکن یہ بعثت ذاتی نہ ہو اور انفرادی نہ ہو بلکہ یہ دوسری بعثت پہلی بعثت کے زیر سایہ ہو۔ اور اس لئے ہو کہ اس مثالی زندگی کو دنیا کے چپہ چپہ پر پھیلا دے۔ جسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے سامنے پیش کیا اور نہ صرف پھیلائے بلکہ اس کے پھیلاؤ پر اصرار بھی کرے۔ اسی موضوع پر یہ جو لکھا جاتا ہے کہ

فلا یظن ظان انہ حصل	کوئی گمان نہ کرے کہ کبھی کوئی خیر نبوت
علی خیر بدون وساطۃ	محمدیہ سے الگ ہو کر ملی ہے کیونکہ آپ کی
نبوتہ کیف وھو السراج	ذات ہی وہ چراغ ہے جس سے سب کو
الذی یستضیئ بہ الجمیع	روشنی ملتی ہے۔ اور آپ ہی وہ علم اعلیٰ
والعلم الاعلی الذی بہ	ہیں جس کے ذریعے راہ نوردی ہو
یھتدی فی سلوک الطریق	سکتی ہے۔

Marfat.com

تو اس سے یہی بتانا چاہتے ہیں کہ یہ اجتماعی بعثت دراصل اس انفرادی بعثت کے کمالات کا پرتو ہے جسے محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے تھے اور چونکہ نبوت کا لایا ہوا پیغام عرب سے باہر ساری دنیا میں پہنچانا اس اجتماعی بعثت کا کام ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ یہ اجتماع ان فرائض، مواعید اور خوبیوں سے مالا مال ہو جو نبوت انفرادی کے لوازم ہوتے ہیں۔

اوروں کا پتہ نہیں مگر میں تو ایسا ہی سمجھتا ہوں کہ قرآن نے جو ان فرائض نبوت کو جو نبی ہی کے فرائض ہیں امت کے فرائض بھی بتایا ہے۔ تو اس کی وجہ یہی اور صرف یہی ہے کہ قرآن کے نزدیک بعثت عامہ کا تکمیلی مقام یہی ہے۔ ذرا نبی، رسول کے کے فرائض کو قرآن کے ورقوں میں جہاں جہاں آپ تلاش کر سکتے ہیں تلاش کیجئے۔ اور پھر انہی فرائض کا انتساب قرآن میں امت کی طرف دیکھ لیجئے۔ قرآن میں سب سے بڑا فرض جو نبی کا بتایا ہے وہ اللہ کی طرف دعوت ہے اسی وجہ سے آپ داعی ہیں۔ قرآن کے لفظوں میں

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ — اپنے مالک کے راستے کی طرف بلاؤ

سے اسی فرض کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔ امت کے متعلق بھی دعوت کے کام کو نہ صرف اسکی طرف منسوب کیا ہے بلکہ اس کام کے کرنے کا امت سے مطالبہ بھی کیا ہے اور کہا ہے۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ — چاہیئے کہ ہو یعنی تم ایک ایسی جماعت جو خیر کی دعوت دیتی ہے۔

دعوت ہی کے ساتھ نبوت کے مشن کی حد تک نبی کا دوسرا فرض جو تبلیغ بتایا ہے۔ اور پیغمبر سے اس کا مطالبہ کیا ہے۔

یٰاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ — اے رسول پہنچادو۔

Marfat.com

اس کو قرآن ہی میں امت کا کام بتا کر سراہا ہے

یُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰہِ — پہنچاتے ہیں اللہ کے پیغاموں کو

دعوت نبوت پیش کرنے کے لئے قرآن نے انذار کے عنوان سے جو فرض پیغمبر کا بتایا تھا۔ اور جسے انجام دینے پر قرآن کو حد درجہ اصرار تھا۔ اتنا اصرار کہ شاید اس سے زیادہ کسی چیز پر اصرار نہ ہو۔ نذیر اور منذر سے پیغمبر کا تعارف کرایا۔ کبھی انذر الناس اور کبھی انذر عشیرتک کے اوامر آئے اسی فرض کو سرانجام دینے کا قرآن ہی نے جن لفظوں میں امت سے مطالبہ کیا ہے وہ سب کے سامنے ہے

لِيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَ — چاہیئے کہ دین میں فقاہت پیدا کریں

لِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ — اور چاہیے کہ اپنی قوم کو بیدار کریں۔

اسی سلسلے میں نبی کا جو مقام قرآن نے نبوت کے فرائض کو فروغ دینے کے لئے شہادت تجویز کیا تھا جس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ جو مشن خدا کی جانب سے نبوت کے نام پر نبی کو دیا گیا ہے۔ نبی کا فرض ہے کہ وہ اپنے مخاطبین تک پہنچائے۔

یَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ — ہو جائے رسول تم پر شہادت

شَهِيْدًا۔ — دینے والا

اور جس طرح اور جس انداز سے نبی نے اپنے مخاطبوں تک پہنچایا ہے ان مخاطبوں یعنی امت کا فرض ہے کہ اسی طرح اور اسی انداز سے زمان و مکان کی قید سے بے نیاز ہو کر اَلنَّاس یعنی دنیا میں بسنے والی انسانیت تک پہنچائے اور اسی شہادت کے صدقے میں اس اعزازی لقب کا اپنے کو سچا مصداق بنا دے جو اسی فرض کی ادائیگی کے نتیجہ میں خدا کی جانب سے انسے ملا ہوا ہے یعنی اُمَّةً وَّسَطًا والا لقب

Marfat.com

كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً	اور ایسے ہی بنایا ہم نے تمکو بہترین
وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ	امت تاکہ ہو جاؤ تم شہادت دینے والے
عَلَى النَّاسِ ۔	لوگوں کے سامنے ۔

اور بتانے والوں نے تو یہاں تک بتا دیا ہے کہ کم کے خطاب کی زد صرف ان مخاطبوں تک نہیں ہے جو نزول قرآن کے وقت موجود تھے بلکہ قیامت تک آنے والے مسلمانوں سے یہ آیت چیخ چیخ کر کہہ رہی ہے اور اسی طرح جیسے كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ میں — الجصاص نے لکھا ہے :۔

هُوَ خِطَابٌ لِجَمِيعِ الْاُمَّةِ	یہ ساری امت سے خطاب ہے
اولها وآخرها من كَانَ	اگلے پچھلے سب آیت کے نزول
مِنهم في وقت نزول	کے وقت موجود تھے اور جو
الْآية ومن جاء بعدهم	قیامت تک ہوں گے ۔
اِلٰى قيام الساعة ۔	

کون نہیں جانتا کہ نبی کے فرائض میں سب سے اونچا مقام امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ نبوت زندگی کا جو نمونہ پیش کر رہی ہے لوگوں کو اس کی طرف بلائے اور اس زندگی کے خلاف جہاں جو بھی کوتاہی نظر آئے اس کو روکے اور ٹوکے — قرآن میں ہے

يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ	وہ نیکی کا حکم دیتا ہے ۔ برائی سے
يَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ	روکتا ہے ۔

اور معلوم ہے کہ اس امت کے خیر امم ہونے کو قرآن عزیز نے اسی فرض کی انجام دہی پر موقوف کیا ہے — فرمایا :۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ	تم بہترین امت ہو پیدا کئے گئے ہو

Marfat.com

لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ لوگوں کے لئے نیکی کا حکم کرتے اور
وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ برائی سے روکتے ہو

میں تفصیلات میں جانا نہیں چاہتا اور نہ ہی موضوع کی معین حدود کے پیش نظر میں ایسا کر سکتا ہوں ۔ بتانا صرف یہ چاہتا ہوں کہ عموم بعثت یعنی سب کے نام پیغام لے کر آنے کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ انفرادی نبوت زندگی کا ایسا تکمیلی نمونہ ہو جس سے جماعتی بعثت کا انسانیت کے اہتمام ہو سکے ۔

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ

بنام مولانا حکیم محمد عمر صاحب کاندھلوی ٹرنک بازار ۔ سیالکوٹ

ڈسٹرکٹ جیل سیالکوٹ

۳ر اکتوبر ۵۱ء

حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا دوسرا نام اسلام ہے، اور اس کی
قرآنی توجیہ، مسلمان زندگی کے ہر شعبہ میں اسلام کا قیدی ہے، آزادی کا
اسلامی مفہوم، تختِ حکومت سے اسلامی زندگی کا مطالبہ، شہری زندگی کا بگاڑ،
خلافت راشدہ کو حضورِ انور کی تکمیلی زندگی کے قیام پر اصرار تھا، فتح مکہ
کے موقعہ پر اسلامی حکومت کا منشور، خلافت راشدہ میں اسلام کا دستورِ اساسی
سیاسی زندگی میں اسلام کی پابندی، عرب کی اندرونی و بیرونی حالت اور حضرت صدیق
اکبر رضی اللہ عنہ کا بقائے اسلام کیلئے اقدام، امر بالمعروف کے مدارج، حضرت حذیفہ
کی پرویز سربراہ ایران کے دربار میں تقریر، ہرقل کے دربار میں حضور انور کا سفیر،
حضرت عمرؓ کا تابناک دعوتی دور اور حکومت کا منشور ——

عزیزی اللہ! وفقنا اللہ وایاکم لما یحبہ ویرضاہ

آپ یاد آئے اور آپ کے نقطۂ نظر نے دماغ میں چٹکیاں لیں
بس اسی تقریب میں کچھ عرض کرتا ہوں۔

چند بنیادی مسائل میں ایک اہم مسئلہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ہے اس کے مباحث کی گہرائیوں کو یہاں سمیٹنا مقصود نہیں یہ چند ضروری اشارات ہیں۔ اس مسئلہ کا حاصل یہ ہے کہ دوسرے فرائض کے ساتھ مسلمانوں پر ایک فرض یہ بھی ہے کہ المعروف کا دنیا کو حکم دیں اور المنکر سے لوگوں کو روکیں جس کا مطلب یہ ہے کہ اسلامی زندگی پر لوگوں کو قائم رکھنا اور اس کی طرف دعوت دینا مسلمانوں کے ان فرائض میں سے ہے جن کا بار بار قرآن نے مطالبہ کیا ہے بلکہ اسلامی سوسائٹی کے بہترین سوسائٹی ہونے کا اسے ہی معیار قرار دیا ہے۔ الجصاص نے بتایا

ہے کہ

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا قانون سمجھنے اور اس قانون کے استعمال کرنے کی راہیں معلوم کرنی ہوں تو نبوت اور صحابہ و تابعین کا طرز عمل دیکھئے کہ یہ قانون کیسے اور کہاں استعمال ہوا۔ اس میں شک نہیں کہ قرآن کا بے قید ردیئے سخن یہی ہے کہ اسلامی زندگی کے ہر شعبے میں اسے استعمال ہونا چاہیئے۔ اسلامی زندگی در اصل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا دوسرا نام ہے۔ اوروں کا علم نہیں میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ قرآن میں قرآن والے نے جو نور کا لفظ کبھی قرآن کے لئے اور کبھی حامل قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بولا ہے تو اس سے یہی سمجھانا چاہتا ہے کہ اسلامی زندگی در اصل محمد رسول اللہ کی زندگی ہے۔ محمد رسول اللہ ؐ سے الگ ہو کر اسلامی زندگی کا وجود نہیں۔ شاید حضرت عائشہ ؓ نے پوچھنے والے کو یہی سمجھایا تھا جب ان سے پوچھا گیا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کیا ہیں؟ بولیں کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا؟ کہنے والے نے کہا جی ہاں۔ ام المؤمنین نے فرمایا خُلُقُهُ الْقُرْآن۔ قرآن ہی ان کا اخلاق تھا۔ یعنی اگر تم ان کے اخلاق معلوم کرنا چاہتے ہو تو قرآن دیکھ لو۔

کون نہیں جانتا کہ اسلام مسلمانوں کی زندگی کے سارے شعبوں پر حاوی ہے یہ مبالغہ نہیں واقعہ ہے۔ کہنے والوں نے جب حضرت سلمان فارسی ؓ سے طنزاً کہا کہ

قد علمکم نبیکم حتی الخراءۃ — تمہارے نبی نے تم کو قضائے حاجت تک کی باتیں سکھلا دی ہیں۔

تو حضرت سلمان فارسی ؓ نے بڑے جوش اور پورے حکیمانہ انداز سے کہا تھا کہ اجل ہاں واقعی ہماری زندگی میں اس گوشے کے لئے بھی ہدایات موجود ہیں۔ کہنا یہ چاہتے تھے کہ زندگی کا کوئی شعبہ بھی اسلام کی قید سے آزاد نہیں ہے اور مسلمان ہونے کے بعد بے قیدی اور اباحت کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اگر یہ حدیث صحیح ہے کہ:-

Marfat.com

اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ — دُنیا کی زندگی مومن کا جیل خانہ ہے

اور صحیح نہ ہونے کی کوئی وجہ موجود نہیں ہے تو پھر اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ مومن کی زندگی چونکہ اپنی ساری شاخوں میں قانون کی پابند ہے اس لئے یہ قیدی کی زندگی ہے۔ آزاد کی زندگی نہیں۔ مسلمان کی آزادی کا مطلب یہی ہے۔ کہ حُنَفَاءُ سب سے کٹ جائے اور مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ اور صرف ایک کا ہو کر رہ جائے اور یہ حنفیت اور اخلاص زندگی کی ایک شاخ میں نہیں بلکہ پوری زندگی میں ہو۔ انفرادی ہو یا اجتماعی۔ اس سے کون ناواقف ہے کہ جس ذات پیغمبر کی زندگی کا نام اسلامی زندگی ہے جو مسلمانوں کے بالوں اور ناخنوں تک کی نگرانی کرتی ہے۔

انہوں نے ہی مدینہ میں اسلام کی ایک چھوٹی سی اسٹیٹ قائم کی تھی۔ اور دس برس تک اپنی اسٹیٹ کی رہنمائی کی اور مختصر سی مدت میں ہر شعبہ حکومت کو اسلامی طرز پر چلانے کی پوری پوری مشق کرا دی۔ جس میں اسلام کی انتظامی، تعلیمی، عدالتی، معاشی، معاشرتی، مالی، جنگی اور بین الاقوامی پالیسی کا ایک ایک پہلو واضح کیا۔ ہر شعبہ زندگی کے لئے اصول بتے ان اصولوں کو عمل کی زندگی پر منطبق کیا۔ اس خاص طرز پر کام کرنے والے کارکن تعلیم و تربیت اور عملی تجربہ سے تیار کئے گئے۔

کہنا یہ چاہتا ہوں کہ اسلام زندگی کے سارے شعبوں پر حاوی ہے۔ زندگی کے ان سب شعبوں میں لوگوں کو اسلام کی دعوت دینا اور اسلام پر قائم رکھنا امر بالمعروف اور اسلام سے الگ زندگی کے کسی شعبہ میں راہ بتانے پر روکنا اور ٹوکنا نہی عن المنکر ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے دائرہ استعمال کی قرآن نے کوئی تحدید نہیں کی ہے۔ اس لئے اس کے پیروں میں کوئی ایسی قید نہیں لگائی جا سکتی۔ جو اس کی غیر محدود آزادی کو پامال کر دے۔ فرد ہو یا جماعت ایک ہو یا بہت سے امیر ہو یا غریب حاکم ہو یا محکوم۔ اس کا استعمالی دائرہ سب کے لئے یکساں

ہے۔ بلکہ یہاں تک کہا گیا ہے کہ

اَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ عدلٍ عند سلطان الجائر۔	سب سے بہتر جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے انصاف کی بات ہے۔

یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنے میں سب سے اونچی سرگرمی یہ ہے۔ کہ تخت حکومت سے اسلامی زندگی کا مطالبہ کیا جائے۔ عوامی زندگی سے اسلام کا مطالبہ بھی امر بالمعروف ہے مگر اقتدار سے اس کا مطالبہ کرنا اسلام کی نظر میں سب سے اونچا مقام ہے بظاہر اس کی وجہ یہی ہے کہ ایسا کرنے سے اس پر مصائب کا ہجوم ہوگا۔ مگر جہاں تک میں سمجھتا ہوں۔ صرف یہی وجہ نہیں بلکہ اصل بات یہ ہے کہ عوامی زندگیاں اقتدار کے تابع ہوتی ہیں اقتدار میں وابستگی عوامی وابستگی ہوتی ہے۔ اور شہرت بھی اسی کو ہے کہ

اَلنَّاسُ عَلٰى دِيْنِ مُلُوْكِهِمْ	لوگ اپنے بادشاہوں کے دین پر ہوتے ہیں

اس لئے تخت حکومت سے اسلامی زندگی کا مطالبہ سب سے بڑا جہاد ہے اور جیسا کہ پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ اسلام زندگی کے سارے شعبوں پر حاوی ہے۔ اور سب ہی جانتے ہیں کہ زندگی میں حکومت کو کتنی اہمیت ہے، تہذیب عمران، عوام کی معاشی اور مدنی زندگی کی بنیادی اصلاحیں تخت حکومت سے وابستہ ہوتی ہیں اور ایسی بنیادی وابستگی کہ سمجھانے والوں نے یہاں تک سمجھا دیا ہے کہ

من مفاسد المدنات ترغیب عظماءهم فی دقائق الحلی واللباس والبناء والمطاعم وغید النساء	شہری زندگی کا ایک بگاڑ یہ ہے کہ بالا دست قوت عمدہ عمدہ زیور اچھے پوشاک بہترین مکان۔ لذیذ خوراک اور عورت کی نازک اندامیوں میں لگ جاتی ہے۔

Marfat.com

اور بتانے والوں نے ہی اس کا نتیجہ یہ بتایا ہے کہ :۔

جب بالادست قوت یہ مشغلہ اختیار کرے گی۔ تو لوگوں میں معاشی بحران پیدا ہو جائے گا۔ اور اصلاح ناپید ہو جائے گی۔

اور پھر یہ بھی لکھا ہے کہ

وذالك هذا الهذ ▪ المدينة يتعدى من عضو الى عضو حتى يعم الكل فيها ويتجارى فيها كما يتجارى الكلب فى بدن المكلوب۔ (حجۃ اللہ البالغہ)

بالادستی کا یہ میلان سوسائٹی میں پھیل جائے گا اور اس طرح پھیلے گا۔ جیسے ہڑک پھیلا کرتی ہے۔

جب یہ واقعہ ہے کہ عظماء اور اقتدار کی عیش پرستیاں متعدی ہو کر ساری سوسائٹی کو خراب کر دیتی ہیں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ تخت پر بیٹھنے والے کی بدخوئی خود تخت کے تختوں کو باعیب بنا دیتی ہے تو پھر اس میں تعجب اور حیرت کی کونسی بات ہے کہ اگر تخت ہی سے اسلامی زندگی کا مطالبہ کر دیا جائے اگر جانتے ہو کہ مدنیت' معشیت اور معاشرت کی اصلاح کے لئے تختہ نہیں۔ بلکہ تخت ہی ریڑھ کی ہڈی اور بس کی گانٹھ ہے۔ تو یہ کیوں نہیں مانتے کہ تخت سے اسلامی زندگی کا مطالبہ اسلام کے عائد کردہ فرض امر بالمعروف کا سب سے اونچا مقام ہے تم مانو یا نہ مانو میں ایسا ہی سمجھتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی زندگی کا جو تکمیلی نمونہ پیش کیا تھا۔ اور قرآن نے ان لفظوں سے جس زندگی کے کمال کا اعلان کیا تھا کہ

الیوم اکملت لکم دینکم

آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ خلفائے راشدین میں سے ہر ایک نے اپنے عملی نمونوں سے اس نظام پر عمل کر کے دکھایا ہے اور صرف عمل ہی نہیں بلکہ یہ کہ اسلام کو زندگی کے اسی تکمیلی نمونہ کے قائم کرنے پر اصرار ہے۔ خواہ کچھ بھی ہو جائے مسلمانوں کو ہر قیمت پر اس نظام کو قائم کرنے کی تگ و دو میں آخر وقت تک منہمک رہنا چاہیئے اسلام کے نظام سیاست میں خلفائے راشدین نے عمل کے جو نمونے چھوڑے ہیں۔ اگر وہ نہ ہوتے تو سمجھنے والے سمجھ جاتے اور نتیجہ نکالنے والے نتیجہ نکال لیتے کہ حکومت کا جو معیار مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم کر کے دکھایا تھا۔ اور جسے بعد کو خلفاء نے قائم رکھا تھا۔ ہے تو وہ بہترین اسٹیٹ کا نمونہ لیکن اسٹیٹ کے اسی نمونہ پر اصرار کرنا اسلام کا مقصود نہیں ہے جیسے کہ کچھ منچلے کہتے ہیں۔ اور یہ کہتے ہوئے خیال نہیں کرتے کہ اگر اسلام کو سیاسی زندگی میں اسٹیٹ کا وہ نمونہ مقصود نہ ہوتا۔ تو بلاشبہ عمل کی وہ سرگرمیاں نہ ہوتیں جو خلفائے راشدین نے قائم کی تھیں۔ آپ خود سوچیں کہ اسٹیٹ کے اس نمونہ کو جن جن راہوں سے ختم کرنا مقصود تھا۔ خلفاء ان سب راہوں سے دست و گریباں ہوئے اور اس سینہ چاکی سے آنے والے مسلمانوں کے لئے یہ سبق چھوڑ گئے کہ اس راستہ کے ہر پتھر سے ٹکرا جاؤ۔ مسلمان واقعی بن کر رہو ورنہ زندگی کو خیرباد کہہ دو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے رخصت ہوئے حق سبحانہ نے حضرت ابوبکرؓ کو امت کا امام بنایا اس دور میں حکومت کے قالبوں کے ساتھ ساتھ حکومت کی پالیسی کو واضح کرنے کے اطوار بھی بدلے ہیں۔ اب کچھ ہو پہلے یہی قاعدہ تھا کہ جو بھی امام ہوتا جس کے ہاتھوں میں سیاسی قیادت آتی۔ قیادت چاہے انتخابی ہو یا استبدادی جیسی بھی ہو رواج یہی تھا کہ منتخب ہونے یا قابض ہونے کے بعد امام تقریر کرتا اس تقریر میں وہ اپنی حکومت کی پالیسی کو ظاہر کرتا یہی تقریر اس حکومت

کا منشور سمجھی جاتی۔ منشور کے کاغذی شکل میں مرتب کرنے کا ڈھنگ اس وقت نہ تھا مکہ فتح ہوا فتح کے بعد اسلامی حکومت قائم ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تقریر کے ذریعے جدید حکومت کی پالیسی بیان کی بلاذری نے لکھا ہے کہ آپ نے اس تقریر میں چار بنیادی باتیں فرمائیں یہ تھیں۔

الف:۔ قتل کے پچھلے سب دعوے ختم۔

ب:۔ جاہلیت کے سب نشان ختم۔

ج:۔ بیت اللہ کی نگرانی کا فرض وہ ہی انجام دیں گے جو پہلے دیتے تھے۔

د:۔ حاجیوں کی دیکھ بھال کا کام وہ ہی لوگ کریں گے جو پہلے کرتے تھے۔

اسی رواج کے مطابق منتخب ہونے کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے تقریر کی اسی میں اپنی حکومت کی پالیسی بالفاظ دیگر دستور اساسی کا اعلان کیا تھا۔ ابن عبدربہ نے العقد الفرید میں پوری تقریر نقل کی ہے۔

خدا کی حمد وثنا کے بعد فرمایا۔

لوگو! امامت کے لئے قرعہ فال میرے نام نکلا ہے۔ میں تم سے بہتر اور اچھا نہیں ہوں سن لو اگر میں راستی پر ہوں تو میرا ہاتھ بٹاؤ راستی سے ہٹ جاؤں۔ تو مجھے ٹھیک کردو سچائی امانت ہے اور جھوٹ خیانت ہے تمہارے نزدیک سوسائٹی میں جو کمزور ہے میرے نزدیک حق لینے کی خاطر وہ قوی ہے۔ اور تمہارے نزدیک جو توانا ہے میرے نزدیک حق کے معاملے میں وہ کمزور ہے۔ (یعنی سوسائٹی میں جو قوت کے گھمنڈ پر حق دبائے گا وہ میرے نزدیک کمزور ہے۔ میں اس سے حق ضرور لوں گا۔ اور جو سوسائٹی میں جرم ضعیفی کا شکار ہے۔ وہ میرے نزدیک حق لینے کے لئے قوی ہے قوی کو قوت کے زور سے کچھ نہیں دیا جائے گا اور ضعیف کو ضعف کی وجہ سے پامال نہ کیا جائے گا۔ تمہیں دین کی خاطر سرفروشی کو کسی حال میں نہ

چھوڑنا چاہیئے۔ یاد رکھو جو قوم سرفروشی کے میدان سے ہٹ جاتی ہے ذلتوں کا شکار ہوتی ہے۔

لوگو خوب سمجھ لو جب تک میں خدا اور اس کے رسول کا دامانِ اطاعت ہاتھ میں تھامے رہوں تو تم بھی میری اطاعت کرو۔ اور جہاں جس مرحلے پر میں خدا کی نافرمانی کروں تو نہ میری اطاعت ہے اور نہ کوئی ڈسپلن"۔

یہ اسلام کا پہلا امام ہے اور پہلے امام کا یہ پہلا خطبہ ہے۔ یہ گویا حکومت اسلامی کا دستور اساسی ہے اس میں کھول کر حکومت کے خط وخال بتا دیئے گئے ہیں۔ بنیادی باتیں یہ ہیں۔

الف:۔ صدر حکومت کی حیثیت عام شہری کی ہو گی اور صدر حکومت کو اپنے اعمال میں کوئی برتری نہ ہوگی۔

ب:۔ ہر شہری کا فرض ہوگا۔ کہ نیکی کی حد تک صدر حکومت کی مدد کرے۔ غلطی دیکھے تو روک دے اور ٹوک دے۔

ج:۔ زبردستوں کو زیر دستوں پر ظلم کی اجازت نہ ہوگی۔

د:۔ ڈسپلن اس حد تک قائم رکھا جائے گا۔ جب تک صدر حکومت خدا اور رسول کا فرماں بردار رہے۔

ہ:۔ کسی ایسے قانون اور حکم کو ہرگز نہ مانا جائے گا۔ جس سے خدا کی نافرمانی کی بو آتی ہو۔

یہ پانچ دفعات پر مشتمل منشور ہے۔ اور شاید زندگی کی زلفوں کی کوئی بھی پیچیدگی نہیں جو نہ کھل گئی ہو۔ اس دستور میں قانون سازی کی بنیاد، عدالت کا دائرہ عمل، صدر ریاست کی حیثیت شہری زندگی کی آزادی اور حکومت کی داخلی اور خارجی پالیسی کو صاف صاف بیان کر دیا گیا ہے۔

Marfat.com

کہتے ہیں کہ امریکہ کا وہ مشہور آئین جو ۱۷۸۷ء میں بنایا گیا تھا۔ سات دفعات پر مشتمل تھا۔ ابھی ابوبکر صدیقؓ کی حکومت قائم ہوئی تھی۔ کہ اسلامی زندگی کے تکمیلی نمونے کو ختم کرنے کے لئے عرب میں نبوت کا فتنہ کھڑا ہو گیا۔ قبیلہ غطفان میں طلیحہ بنو حنیفہ میں مسیلمہ، یمن میں اسود اور بنی تمیم میں مشہور عورت سجاح نے نبوت کا دعویٰ کر دیا گویا منظم سازش یہ تھی۔ کہ سرکار مدینہ کے نقوش نبوت کو نبوت ہی کے ذریعے پامال کر دیا جائے۔ اور اس طرح زندگی کے اس تکمیلی نمونے کو تار تار کر دیا جائے۔ جسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے نام سے پیش کیا تھا۔ یہ مقام کی بڑی ہی نزاکت ہے کہ ایک طبقہ نہ توحید اسلامی سے اختلاف رکھتا ہے نہ رسالت محمدیہ کا منکر ہے۔ بلکہ ان دونوں باتوں کے اقرار میں وہ دوسرے مسلمانوں کا شریک ہے۔ اس کا صرف یہ مطالبہ ہے کہ نبوت محمدیہ کے زیر اثر ایک نئی نبوت کو بھی تسلیم کر لیا جائے۔ حتیٰ کہ بعض اصحاب سیر نے لکھا ہے۔ کہ مسیلمہ کی مسجد کا مؤذن اذان میں توحید و رسالت کی شہادت اسی طرح دیتا تھا۔ جس طرح مسلمانوں کی مسجد کا مؤذن دیتا ہے۔

حالات یہ ہیں کہ دشمن باہر چاروں طرف سے تاک لگائے بیٹھا ہے۔ سیاسی شعور والے ایسے وقت میں مصلحت اور پالیسی کے پابند ہوتے ہیں۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود حضرت صدیق اکبرؓ نے باہر کے عظیم الشان فتنوں کو دیکھتے ہوتے اور یہ جانتے ہوئے کہ یہ لوگ کلمہ گو اور پابند صوم و صلوٰۃ ہیں۔ مسلمانوں کا ذبیحہ کھاتے ہیں۔ ان کو دائرہ اسلام سے نکال کر مرتد قرار دے کر پورے جوش سے جو بات فرمائی تھی وہ سننے کے قابل ہے۔

تم الدین وانقطع الوحی — دین پورا ہو چکا ہے وحی بند ہو

اینقص وانا حی — گئی کیا میری موجودگی میں دین کے اندر کمی ہوگی؟

Marfat.com

کیا اس کا اس کے سوا اور کوئی مطلب ہو سکتا ہے کہ اسلامی زندگی کا تکمیلی نمونہ جو سرکار مدینہ نے پیش کر دیا ہے۔ اس کے لئے متبادل نمونہ تو بڑی چیز ہے بلکہ اس میں کوئی جزدی ترمیم بھی منظور نہیں کی جا سکتی۔ آپ نے دیکھا کہ حضرت صدیق اکبرؓ کو زندگی کے ہر پہلو میں اس نمونے کے قائم کرنے پر کتنا اصرار ہے۔ کیا اس واقعہ میں ان لوگوں کے لئے کوئی عبرت نہیں ہے جو آئے دن مسلمانوں میں نبوت کے نام پر نئے نئے چراغ روشن کرتے رہتے ہیں۔ کیا صدیق اکبرؓ نے اپنے عمل سے یہ نہیں بتایا کہ ملک کے سیاسی تقاضے خواہ کچھ ہوں حالات کیسے ہی ناموافق ہوں مسلمانوں کا شمارہ کم ہونے کا کیسا ہی اندیشہ ہو۔ دشمن خواہ کیسا ہی تاک رہا ہو۔ لیکن زندگی کے اس نمونے کا ایک تار بھی ہاتھ سے نہ چھوڑا جائے گا جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش فرمایا ہے گویا مسلمان گھٹتے ہیں تو گھٹ جائیں مگر اسلام کو نہ گھٹنے دیا جائے گا اور بھی سنئے۔ یہ سارے مسلمان جدید نبوت کے ماننے والے نہ تھے۔ کچھ ایسے بھی تھے جو نبوت تو سرکار مدینہ کی مانتے تھے مگر اپنے مالیاتی مسائل کی حد تک اسلام میں جزدی ترمیم چاہتے تھے کہنا یہ چاہتے تھے کہ پرائیویٹ لائف کی حد تک ہم اسلام کے پابند ہیں۔ مگر سیاسی زندگی میں ہم پر اسلامی زندگی کی پابندی ضروری نہیں اور اس سارے مضمون کا عنوان زکوٰۃ کی عدم ادائیگی تھی۔

غور فرمایئے کہ اگر آپ کے یہاں کوئی بستی مالیہ اور ٹیکس کی ادائیگی بند کر دے تو اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہوتا ہے کہ ہم تمہاری سیاسی بالا دستی تسلیم نہیں کرتے۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے اپنے عمل سے مسلمانوں کو بتا دیا کہ جو لوگ اپنی سیاسی زندگی میں اسلام سے آزادی کے خواہاں ہیں اور اپنی سیاسی خواہشات کو اسلام کے تابع کرنا نہیں چاہتے۔ ان کے مقابلہ میں ہر قسم کی مصلحت اندیشوں سے بے پرواہ ہو کر ان کی نماز اور ان کے روزوں سے بے نیاز ہو کر

Marfat.com

آستینیں چڑھا کر سر بکف میدان میں کود جانا چاہیئے۔ بلاذری نے جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ

لقد قمنا بعد رسول اللہ	ہم حضور انورؐ کے بعد ایسے مقام پر
مقاماً کدنا نھلک فیہ	پہنچ گئے کہ قریب تھا کہ ہمارا کام
لولا ان اللہ من علینا	تمام ہو جائے اگر اللہ نے ہم پر ابوبکر کے
بابی بکر۔	ذریعے احسان نہ کیا ہوتا۔

تو یہ کوئی مبالغہ نہیں بلکہ واقعہ ہے۔ کہنے والوں نے کہا تھا کہ سیاسی زندگی میں اسلامی زندگی پر اصرار ضروری نہیں ہے بہر حال مسلمان تو ہیں ——— سیاسیات میں اسلام کو مانیں یا نہ مانیں۔ مناسب نہیں کہ صرف زکوٰۃ کی عدم ادائیگی پر قتال کیا جائے ہمیں خدا کو یاد کرنا چاہیئے ان شورشوں میں حصہ نہ لینا چاہیئے۔ فتوح میں حضرت عبداللہ رضؓ کے حوالے سے لکھا ہے کہ

اجتمع راینا جمیعا علی ان	ہم سب کی رائے یہی ہوئی کہ اونٹ کے
لا نقاتل علی بنت مخاض	بچے اور عربی دیہات کے پیچھے ہم نہ پڑیں
وان تاکل قری عربیۃ و	ہمیں تو موت تک اللہ کی عبادت
نعبد اللہ حتی یاتینا	کرنی چاہیئے۔
الیقین	

لیکن اللہ نے صدیق اکبرؓ کو امامت ہی اس لیئے دی تھی کہ سیاسی زندگی میں بہر حال اسلامی زندگی نور کھا جائے اور اس پر اصرار کی حد یہ تھی کہ کوئی بات کوئی حادثہ اور کوئی مصلحت ان کو بال برابر بھی اس سے نہ ہٹا سکی۔

سن رہے ہیں کہ اجتمع راینا علی ان لا نقاتل یعنی رائے یہی تھی کہ خدا کی بندگی کی جائے اور یہ لوگ اسلام کو جس حد تک مانتے ہیں اسی پر قناعت

Marfat.com

کر لی جائے۔ حضرت عمرؓ نے صاف صاف لفظوں میں کہا تھا کہ کیا آپ اس آبادی
سے جنگ کریں گے جو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ پڑھتی ہے۔ فتنہ کی ہمہ گیری کا یہ حال تھا کہ
حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ

ارتدت العرب کافۃ	سارا کا سارا عرب ارتداد کی گود میں جا بیٹھا

اور دور اندیش نگاہیں اس بحران سے پریشان تھیں حتی کہ حضرت عمرؓ نے صدیق
اکبر رضی اللہ عنہ سے پوچھ لیا کہ:۔

یا ابا بکر تقاتل العرب کافۃ	اے ابو بکر کیا تم سارے عرب سے لڑو گے؟

حضرت ایک نہیں سارے عرب میں آگ لگی ہوئی ہے۔ لیکن صدیق اکبرؓ عزیمت الٰہی

عزم اللہ لابی بکر علی	اللہ نے ابو بکر میں ان سے ٹکر لینے پر
قتالھم	عزیمت پیدا فرما دی۔

کی روح سے سرشار تھے فرمایا

وَاللہ لو منعونی عقالا مما	بخدا اگر معمول کے خلاف ایک رسی میں
کانوا یعطون فی زمن رسول	بھی رکاوٹ ہو گی تو اس کے لئے بھی میں
اللہ لقاتلتھم علیہ۔	ان سے لڑوں گا۔

کہنا یہی چاہتے ہیں کہ متبادل تجویز تو بڑی بات ہے میں تو سیاسی زندگی میں
اسلام قائم کرنے میں ادنیٰ سے ادنیٰ کمی بھی برداشت نہ کروں گا اور بتانے والوں
نے یہ بھی بتایا ہے کہ حضرت عمرؓ ہی کو مخاطب کر کے صدیق اکبرؓ نے وہ بات بھی
کہی تھی جو پہلے سن آئے ہو کہ

تم الدین وانقطع الوحی	دین پورا ہو چکا ہے اور وحی بند ہو
اینقص وانا حی:	چکی کیا میری موجودگی ہی میں دین میں
	کمی کی جائے گی؟

Marfat.com

اسلامی زندگی کا تکمیلی نمونہ موجود ہے وحی کا دروازہ بند ہے یہ ناممکن ہے کہ ابوبکر بقید حیات ہو اور اس تکمیلی نمونہ کی کسی شاخ میں کوئی کمی کر دی جائے — عبرت کا مقام ہے کیا کسی نصب العین کے قائم کرنے پر اتنا بڑا اصرار اور اس کے حصول کی اتنی بڑی کوشش کوئی کر سکتا ہے جتنی حضرت ابوبکرؓ نے کی ہے۔ کیا اس میں یہ نہیں بتا دیا گیا ہے کہ جسم اسلام پر جدید نبوت کا داغ اور ترمیم و تخفیف اور تحریف کا نشان جب بھی اور جہاں بھی نظر آئے اسے دور کر دینا اور مٹا دینا اسلامی زندگی کا اولین فریضہ ہے۔

قانونی اور فقہی نقطہ نظر سے اسی کو الامر بالمعروف اور النہی عن المنکر کہتے ہیں۔ یعنی لوگوں کو زندگی کی ہر شاخ میں اسلام پر قائم رکھنا قرآن کے نزدیک اسلامی حکومت کے واجبات میں سے ہے

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ	یعنی وہ لوگ جن کو اگر ہم زمین میں
اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ	فرمانروائی دیں گے تو نماز قائم کریں گے
وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ	زکوٰۃ دیں گے معروف کا حکم دیں گے
نَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ۔	منکر سے روکیں گے۔

یہاں اسی پر زور دیا گیا ہے کہ کسی حکومت کے دراصل اسلامی ہونے کا معیار ہی یہ ہے کہ وہ اقامت صلوٰۃ اور ایتاء زکوٰۃ کے ساتھ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض انجام دے رہی ہو — جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں کہ اس فرض کو قرآن نے بے قید رکھا ہے اور اس فرض کی ادائیگی میں حاکم و محکوم یکساں۔ اسی بناء پر مسلم کی ابو سعید خدریؓ والی روایت نے اس فرض کے مدارج مقرر کیے ہیں۔ ارشاد ہے۔

من رأی منکم منکراً فلیغیرہ	جو شخص تم میں سے کسی برائی کو دیکھے
بیدہ فان لم یستطع	اسے چاہئے کہ ہاتھ سے ہٹا دے

Marfat.com

فبلسانہ فان لم یستطع — اگر ہاتھ میں ہٹانا بس میں نہ ہو تو زبان
فبقلبہ و ذٰلک اضعف — سے اگر یہ بھی بس میں نہ ہو تو دل سے
الایمان۔ — برا سمجھے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے

حضرت صدیق اکبرؓ نے پہلی صورت پر عمل کیا اور ثابت کر دیا کہ صدیقیؓ کی حکومت آمر بالمعروف اور ناہی عن المنکر ہے۔ شاید کچھ لوگوں کو انہی مدارج کی وجہ سے خیال پیدا ہو کہ جب برائی دور کرنے اور لوگوں کو اسلامی زندگی پر قائم رکھنے کے درجات ہیں تو کیوں یہ کام زبان سے نہ کر لیا جائے یا صرف دل سے برا سمجھ لے۔ ایسا سوچنے والوں کے لئے قرآن کی یہ مشہور آیت بھی شاید سہارا بن جاتی ہو یا بن گئی ہو

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْکُمْ — اے ایمان والو چمٹ جاؤ اپنے سے
اَنْفُسَکُمْ لَا یَضُرُّکُمْ مَّنْ ضَلَّ — نہ ضرر دے گا وہ شخص جو گمراہ ہے اگر
اِذَا اھْتَدَیْتُمْ — تم ہدایت پر ہو گئے

جس کا حاصل یہی ہے کہ لوگوں کو اپنی ذمہ داریوں ہی کا خیال کرنا چاہئے۔ یوں بھی کہتے سنا گیا ہے کہ ظالم ظلم کرے یا ہو خاموش رہنا چاہئے استدلال کرنے والوں نے اسی آیت سے استدلال کیا ہے

شاید ابن ماجہ اور ترمذی کی وہ روایت اسی عقدہ کا حل ہے جس میں اسی آیت کے متعلق حضرت ابوبکرؓ کا ایک بیان نقل کیا گیا ہے

لوگو! تم یہ آیت پڑھتے ہو یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ الخ
میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ
سوسائٹی میں جب منکر رونما ہو اور اس کے سر کچلنے کا کوئی سامان نہ ہو
تو اندیشہ ہے کہ اس کے نتیجے میں جو الٰہی گرفت آئے وہ سب کو لپیٹ لے

(ابن ماجہ، ترمذی)

Marfat.com

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اس بیان نے ایک بڑی مشکل کو حل کر دیا ورنہ شاید سمجھنے والے آیت سے یہی سمجھتے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی فرضیت منسوخ ہے۔ ابوبکر الجصاص نے حضرت صدیق اکبرؓ کا بیان نقل کرنے کے بعد جو قانونی اور فقہی نتیجہ اس سے نکالا ہے کہ

فاخبر ابوبکر ان ھٰذِہٖ	حضرت ابوبکرؓ نے بتایا کہ اس آیت میں
الْاٰیَۃ لا رخصۃ فیھا فی	امر بالمعروف اور نہی عن المنکر چھوڑنے
تَرْكِ الْاَمْرِ بالمعروف والنھی	کی رخصت نہیں ہے اور اس آیت میں یہ
عَنِ الْمُنْکَرِ وانہ لا یضرہٗ	بھی ہے کہ گمراہ کی گمراہی ایمان والے
ضلال من ضل اذا اھتدی	کو اس وقت نقصان نہیں دیتی جب
ھُوَ بِالْقِیَامِ بِفَرْضِ اللّٰہِ	کہ وہ فرض الٰہی امر بالمعروف اور
مِنَ الْاَمْرِ بِالْمَعْرُوْفِ وَ	نہی عن المنکر ادا کر رہا ہو۔
النھی عن الْمُنْکَرِ	

اس کا اس کے سوا اور کیا مطلب ہے کہ یہی آیت جسے اس فرض کی ادائیگی میں رخصت کا ہتھیار سمجھا جاتا ہے صدیق اکبرؓ کی دور رس بصیرت نے اسی آیت سے اس فرض کی ذمہ داری کو اور بوجھل بنا دیا۔ صدیق اکبرؓ نے اذا اھتدیتم کے زور سے یہ سمجھایا ہے کہ اگر ایک مسلمان غیر اسلامی ماحول میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرض کو ادا کر رہا ہے تو اسے دنیا کی کوئی گمراہی نقصان نہیں پہنچا سکتی اور ایمان کی اصلی حفاظت یہی ہے اور اسی وقت یہ کہنا درست ہو سکتا ہے کہ

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ	اے ایمان والو لازم پکڑو اپنے آپ کو

ایمان والوں سے خطاب ہے اور عَلَیْکُمْ کا مورد الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ہے مطلب یہ ہے

Marfat.com

کہ ایمان والو اپنی ایمانی زندگی کی خود نگرانی کرو۔ اگر تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دیتے رہو گے تو کوئی ضلالت تمہاری ایمانی زندگی کا خاتمہ نہیں کر سکتی۔

میں کہہ یہ رہا تھا کہ کسی حکومت کے اسلامی ہونے کی علامت یہ ہے کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض انجام دے رہی ہو۔ حضرت صدیق اکبرؓ کی حکومت اس اعتبار سے پوری پوری قرآن کی کسوٹی پر اتری تھی۔ دراصل قرآن عزیز نے جو کام نبوت کے سپرد کیا تھا یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر۔ جسے انجام دینے کے لئے اللہ کا پیغمبر آیا تھا اور قرآن نے یَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ کہہ کر پیغمبر کا یہی کام بتایا بھی ہے تو اب اصولاً جو اقتدار دنیا میں اقامت صلوٰۃ اور ایتاء زکوٰۃ کے ساتھ اس فرض کو انجام دے گا وہ ہی اسلامی زندگی کے نمونہ والا اقتدار ہوگا۔ یعنی اس کے اقتدار کو خلافت کہیں گے اور جس سوسائٹی میں اس فرض کو انجام دینے والے عناصر موجود ہوں گے وہ خیر امت کہلائے گی۔

عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ کی آیت سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ سے سبکدوشی کی راہ سوچنا دراصل کار نبوت سے فرار کی راہ سوچنے کے مترادف ہے اور درحقیقت اس تصور سے خود اپنی امت کے خیر امت ہونے کی نفی کرنا ہے شاید خدا نے ابوبکر کو اسی راہ کی مشکلات کو دور کرنے کے لئے منتخب کیا تھا۔ رسالت مآب کا ارتحالی حادثہ صحابہ کے لئے کیسا ہوش رُبا حادثہ تھا۔ بڑوں بڑوں کے چھکے چھوٹ گئے مگر اللہ اکبر! آنسو ڈبڈبا رہے ہیں آواز بھرائی ہوئی ہے حضرت ابوبکرؓ منبر پر تشریف لے جاتے ہیں۔

مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَإِنَّ	جو شخص تم میں سے آنحضرتؐ کی پوجا
مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ	کرتا تھا تو آنحضرتؐ کا وصال ہوگیا اور
يَعْبُدُ اللّٰهَ فَإِنَّ اللّٰهَ حَيٌّ	جو شخص تم میں سے اللہ سبحانہ کی پوجا کرتا ہے

Marfat.com

لَا یَمُوْتُ۔ تو اللہ کی ذات زندہ جاوید ہے۔

یہ کہا اور قرآن کی یہ ہدایت عزیب سنادی۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ — اور نہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم مگر رسول۔

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ — آپ سے پہلے بھی رسول گذر چکے ہیں

اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ — کیا پس اگر مر جائیں یا شہید ہو جائیں تو

عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ۔ — تم پلٹ جاؤ گے۔

یہ پہلا موقعہ تھا جب صدیق اکبرؓ نے امت کو بتایا کہ شخصِ رسالت بے شک ہم میں موجود نہیں ہے مگر کارِ رسالت کو ہمیں انجام دینا ہے۔ جو کام پیغمبر کرتے تھے وہ ہی کام اب امت کو کرنا ہے اسی لئے یہ امت خیرامت ہے۔ میں کہہ رہا تھا کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے سب خدشوں سے بے پرواہ ہو کر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا طریقہ کار بانک لگادیا

شاید آپ سوچیں کہ فتنہ ارتداد ختم ہونے کے بعد حضرت ابو بکرؓ آرام سے بیٹھ گئے اور اب اسلامی زندگی کو کوئی خطرہ نہیں رہا۔ واقعی اسلامی زندگی کے لئے اب وہ خدشہ نہیں رہا جو عبداللہ بن مسعودؓ کے لفظوں میں کدنا نهلك ذینہ کا خدشہ ہو۔ مگر جنہوں نے طے کر لیا ہے یا جنہیں بتا دیا گیا ہے کہ تم خیر امت ہو، لوگوں کی نفع رسانی کے لئے تم منصہ وجود میں آئے ہو، تمہارا کام یہ ہے کہ اسلامی زندگی کے جہاں خلاف کانٹا ہو روکو اور ٹوکو۔ بھلا ان کو چین کہاں ہوتا ہے۔

عرب جہاں اسلام کی نمونے کی زندگی کا تماشا دکھایا جا رہا ہے۔ یوجاپاٹ اسلامی، انتظام اسلامی، تعلیم اسلامی، عدالت اسلامی، معیشت اسلامی، معاش اسلامی، معاشرت اسلامی، مالیات اسلامی، فوج اور تنظیم و نسق اسلامی، اور بازار اسلامی، قائم ہیں۔ مشرق میں فارس کی حکمرانی اور شمال میں رومن امپائر موجود ہے دونوں طاقتیں دنیا کی سب سے بڑی طاقتیں ہیں۔ دو نوروں میں نام پیغمبر اسلام کے

خط جا چکے ہیں۔ فارسی حکومت درفش کاویانی کے سایہ میں نہ صرف ایران پر قابض تھی۔ بلکہ ایک طرف ہندوستان تک اور دوسری طرف عراق وعجم کے آگے پاؤں پھیلائے بیٹھی تھی۔ فارس کی حکومت کا دبدبہ ایشیا اور یورپ دونوں پر قائم تھا۔ عرب کے اکثر اہم حصے بحرین، عمان، یمن اس کے زیرنگیں تھے۔ جس طرح حکومت کا اقتدار تھا اسی طرح کجکلاہ ایران خسرو پرویز کے زمانے میں دربار کی شان بھی بڑھی ہوئی تھی۔ آداب شاہی، درباری لباس اور شاہی باڈی گارڈ کی ہیبت وسجاوٹ دیکھ کر اچھے اچھے انسانوں کے چھکے چھوٹتے تھے۔

ؔسنہ ۶ھ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن حذیفہ رضؓ کو خط دے کر بحرین روانہ کیا اور ہدایت کی کہ حاکم بحرین کی وساطت سے خسرو پرویز حاکم فارس تک خط پہنچا دیں۔ خط کا مضمون یہ تھا۔

اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَی النَّاسِ	میں اللہ کا سب انسانوں کی طرف رسول
کَافَّۃً لِیُنْذِرَ مَنْ کَانَ	ہوں۔ رسول اس لیے آتا ہے کہ آگاہ
حَیًّا اَسْلِمْ تَسْلَمْ فَاِنْ	کرے زندوں کو۔ مسلمان ہو جا بچ
اَبَیْتَ فَعَلَیْکَ اِثْمُ الْمَجُوْسِ	جائے گا۔ اگر تو نے انکار کیا تو مجوسیوں
(الطبقات)	کا بوجھ بھی تجھ پر ہو گا۔

خط پہنچا اور پڑھا گیا۔ امام بخاری نے حضرت عبداللہ بن عباس کے حوالہ سے بتایا ہے کہ خسرو پرویز نے نامہ مبارک کو پرزے پرزے کر دیا۔

فَلَمَّا قَرَأَہٗ کِسْرٰی مَزَّقَہٗ ۔ کسریٰ نے خط پڑھا اور پرزے پرزے کر دیا

حضرت عبداللہ بن حذیفہ رضؓ نے دربار نبوت میں حاضر ہو کر واقعہ بیان کیا۔ ابن عباس رضؓ کہتے ہیں۔

فَدَعَا عَلَیْہِمْ رَسُوْلُ اللّٰہِ ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کیلئے بددعا فرمائی

ان یمزقوا کل ممزق   ہونے کی بد دعا فرمائی۔

علامہ سویل نے الروض الانف میں واقعہ کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ خسرو پرویز نامہ مبارک پر چین بجبین ہوا۔۔۔ تو حضرت حذیفہؓ نے دربار میں کھڑے ہو کر درباریوں کے اور بادشاہ کے سامنے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض اس طرح انجام دیا۔۔۔ بولے

اے اہل فارس عرصہ دراز سے تمہاری زندگی نادانی میں بسر ہو رہی ہے۔ تمہاری زندگیاں الف سے یا تک کتاب اور ہدایات نبوت سے ناآشنا ہیں جس اقتدار پر تم کو ناز ہے وہ بہت ہی تھوڑی سی زمین کا اقتدار ہے زمین پر اس سے بڑی بڑی حکومتیں رہ چکی ہیں۔ اے فارس کے فرمانروا تجھ سے پہلے بہت سے بادشاہ گزر چکے ہیں ان میں سے جس نے معاد کو منزل مقصود سمجھا وہ اس دنیا سے کامیاب گیا اور جس کی تگ و دو اور پیش نہاد صرف یہ دنیا رہی اس نے آخرت کو ضائع کر دیا۔ اس دنیا کی دوڑ دھوپ میں ہر شخص مختلف الخیال ہے لیکن آخرت کا انصاف سب کے لئے یکساں ہے۔ افسوس میں جس پیغام کو لے کر تیرے پاس آیا۔ تو نے اسے حقارت سے دیکھا حالانکہ تجھے معلوم ہے کہ یہ پیغام ایسی جگہ سے آیا ہے جس سے خود تیرا دل کانپ رہا ہے۔ یاد رکھ حق کا یہ آوازہ تیری تحقیر سے دب نہیں سکتا اور تیری تکذیب تجھے حق کی زد سے بچا نہیں سکتی۔ واقعہ ذی قار اس کا گواہ ہے۔"

کہتے ہیں کہ خسرو پرویز کا پارہ حرارت چڑھ گیا اور اس نے حضرت عبداللہؓ سے کہا کہ ایران ہے شام نہیں ہے۔

صدیق اکبرؓ نے اپنے زمانہ میں یکم محرم الحرام ۱۲ھ میں اس ہم کو پھر شروع کیا اور اس مقصد کے لئے حضرت خالد بن ولید فوج لے کر مدینہ سے روانہ ہوئے

Marfat.com

دوسری طرف شام میں رومی حکومت تھی جس کے زیر اثر نہ صرف یورپ
تھا۔ بلکہ تمام شام اور عرب و عجم کے بعض حصے تھی۔ قوانین و ضوابط اور نظم
حکومت کے لحاظ سے روم کو وہ مقام حاصل تھا کہ یورپ کی موجودہ حکومتیں
آج تک رومن لاء کا راگ الاپتی ہیں۔ اس زمانے میں روم کی حدود یہ تھیں
شمال مشرق میں ترکستان اور روس۔ جنوب میں شام و مصر۔ مغرب میں
روم اور اندلس، تخت حکومت پر ہرقل براجمان تھا۔ اور قیصر کے لفظ سے پکارا
تھا۔ عملی طور پر ہرقل کی شخصیت عہد جدید و قدیم میں خاص امتیاز رکھتی تھی۔
ہرقل کا کوکبۂ شاہی روم سے ایک منت پوری کرنے کی خاطر فلسطین جا رہا تھا
ادھر دربار رسالت سے حضرت دحیہؓ کو امر بالمعروف کا فرض انجام دینے کے
خط دے کر ہرقل کی طرف روانہ کیا جا رہا ہے۔ دحیہ کو ہدایت تھی کہ بصری کے حاکم
کی وساطت سے خط کو ہرقل تک پہنچانا۔ حضرت دحیہؓ کو راستہ ہی میں معلوم ہوا کہ
حاکم بصری۔ بصری میں نہیں بلکہ حمص میں ہے دحیہؓ نے ادھر کا رخ کر لیا۔ حافظ
عسقلانیؒ نے مشہور محدث ابن السکن کے حوالہ سے یہ بھی انکشاف کیا ہے کہ دربار
رسالت سے دحیہؓ کے بعد فوراً ہی حضرت عدی بن حاتم کو بھی حضرت دحیہؓ کی
اعانت کے لئے روانہ کیا گیا حضرت دحیہ نے حمص میں یہ مکرم والا نامہ حارث غسانی
کو دیا۔ حارث نے خط اور قاصد دونوں کو شاہی دربار میں بھیج دیا پہنچے خط دیا
ہرقل کو جب خط ملا تو اس نے حکم دیا کہ عرب کا کوئی شخص یہاں مقیم ہو تو لے آؤ
قریش کا ایک تجارتی قافلہ قریب ہی غزہ میں ٹھہرا ہوا تھا۔ امیر قافلہ ابو سفیان تھے
جو ابھی مسلمان نہ ہوئے تھے۔ اس دعوتی وفد کے ساتھ کیا ہوا اس کی تفصیلات مشہور
ہیں۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۹ھ میں اس دعوت کی تکمیل کے لئے تیاری
کی۔ وفات والے سال اسامہؓ کی قیادت میں ایک دستہ روانہ کرنے والے تھے

Marfat.com

وفات ہو گئی۔ صدیق اکبرؓ نے حضرت اسامہ کو روانہ کیا۔ اسامہ کو روانہ کرتے وقت ایک عجیب خلفشار ہو گیا۔ اسامہ عمر میں چھوٹے تھے صحابہ کا کہنا تھا کہ کسی عمر رسیدہ کو قیادت دیجئے۔ بولے:۔

یولیہا رسُولُ اللّٰہِ ویعزلہا	اللہ کا پیغمبر اسے حاکم بنائے اور
ابو بکر۔	ابو بکر معزول کرے۔

دیکھا آپ نے زندگی کا جو نمونہ رسالت مآب چھوڑ کر جا چکے تھے۔ ابو بکر اس میں اتنی ترمیم بھی گوارا نہ کرتے تھے۔ بلکہ لکھنے والوں نے یہاں تک لکھا ہے کہ اس مدد اسی میں حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے درمیان اس درجہ ترش کلامی ہو گئی حضرت عمرؓ ان انصار کے ساتھ رائے دے رہے تھے جن کا خیال تھا کہ اسامہ عمر میں چھوٹے ہیں کسی بڑے کو روانہ کیا جائے۔ کیسی معمولی سی بات ہے۔ لیکن صدیق اکبرؓ کھڑے ہو گئے حضرت عمرؓ کی ڈاڑھی پکڑ لی۔ اور بولے:۔

عدمتکَ اُمّکَ یا ابن	تو بے ماں رہ جائے اے خطاب کے فرزند
الخطاب اِستعملہٗ رَسُولُ	حضورِ انورؐ نے اسے مقرر کیا اور تو مجھے
اللّٰہِ وَتامُرُنِی اَن انزعہ۔	اس کے ہٹا دینے کا حکم دیتا ہے۔

دیکھا آپ نے کہ حضرت صدیق اکبرؓ کو اس نمونہ کے قائم کرنے اور رکھنے پر کتنا اصرار ہے۔ کہ معمولی سی تبدیلی بھی گوارا نہیں کرتے۔ اسی دستہ میں جانے والوں میں رسالت مآبؐ نے حضرت عمرؓ کا نام بھی رکھا تھا۔ صدیق اکبرؓ عمرؓ کو روکنا چاہتے تھے مگر اختیار ناطق کو استعمال نہیں کیا نہایت لجاجت سے اسامہؓ کو کہتے ہیں:۔

انی رَأیبت ان تعیننی بعمر	میرا خیال ہے کہ عمرؓ کو چھوڑ کر اگر تم میری
فافعل۔	مدد کر سکتے ہو تو کرو۔

حضرت اسامہؓ نے حضرت عمرؓ کو مدینہ ٹھہرنے کی اجازت دیدی۔ اللہ اکبر!

اس نمونہ سے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو کتنا پیار ہے۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش فرمایا تھا کہ کسی درجہ میں کوئی ترمیم بھی منظور نہیں۔ نہ جانے لوگ کس کس طرح سوچتے ہیں مگر میں تو سمجھتا ہوں کہ حضرت ابو بکرؓ کو رسالت کی اسلامی نمونے کی زندگی کو قائم رکھنے پر اتنا اصرار تھا کہ خواہ کچھ بھی ہو جائے مگر زندگی کا صرف عبادات ہی میں نہیں بلکہ سیاسیات میں جو نمونہ چھوڑ گئے اسے ہی قائم رکھا جائے اس راہ میں ادنیٰ سی چشم پوشی اور مصالحت بھی گوارا نہ تھی۔ اسامہؓ کی سرگرمی ایک جزوی سرگرمی ہے اس کے بعد صدیق اکبرؓ نے اس فرض کی تکمیل کے لئے ایک بہت بڑی مہم چھیڑ دی۔ ابو عبیدہ، عمرو بن العاص، شرحبیل، یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم کی کمان میں فوجوں کو روانہ کیا۔ یرموک کا مشہور معرکہ یادگار ہے۔ صدیق اکبرؓ ۸ جمادی الآخر ۱۳ھ کو دنیا سے رخصت ہو گئے۔

زمام قیادت حضرت عمر فاروقؓ کے ہاتھ میں آئی ــــ حضرت عمرؓ کا دور بھی وہ تابناک دعوتی دور ہے جس میں نظم وامر قرآن کے مطابق الآمر بالمعروف اور النھی عن المنکر کو اسلام کے مزاج کے مطابق سر انجام دیا جا رہا ہے۔ سرکار رسالتؐ نے فاروقؓ سے فرمایا تھا اور جو کچھ فرمایا تھا حرف بحرف مستقبل نے تصدیق کر دی۔ فرمایا:-

ما لقیک الشیطان سالکا	نہیں ملے گا چلتے ہوئے کسی بھی راستہ میں
فجًا قط الا سلک فجًا غیر	تجھ سے شیطان مگر وہ راستہ چھوڑ کر دوسرا راستہ
فجک۔	شیطان چلے گا یعنی تو اور شیطان کسی ایک
	راستہ پر نہ ہوں گے

دنیا والوں نے دیکھ لیا کہ ایسا ہی ہوا۔ عمرؓ نے نہ صرف یہ کہ بلا امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فرض انجام دیا بلکہ خود سوسائٹی کو ہی اس کا پیامبر بنا دیا

Marfat.com

دستور یہی تھا کہ امام امامت کی کرسی پر بیٹھتے ہی لوگوں کے سامنے تقریر کرے۔ جیسا کہ پہلے بھی کہہ چکا ہوں۔ کہ یہ تقریر درحقیقت مستقبل میں حکومت کی پالیسی کا منشور ہوتی تھی۔ عمر فاروق رضؓ نے زمام قیادت ہاتھ میں لیتے ہی جو تقریر کی وہ الفاظ کی سطح کی حد تک اگرچہ بہت ہی مختصر ہے۔ لیکن معانی کا سمندر اس میں پنہاں ہے۔ الفاظ نہ پڑھیئے معانی پر غور کیجیے :-

انما مثل العرب مثل الجمل	عرب اس سدھائے ہوئے اونٹ کی طرح
الا نف اتبع قائلہ فلینظر	ہیں جس کا ہانکنے والا پیچھے آرہا ہوں۔
قائدہ این یقودہ اما انا	یہ ہانکنے والے کو دیکھنا چاہیئے کہ ہانک
فورب الکعبۃ لاحملنکم	کر کہاں لے جا رہا ہے۔ میں بخدا اس
علی الطریق۔	مقرر اور معین راہ پر ڈالوں گا اور لیجاؤنگا

اس تقریر پر چلتی نظر ڈالیئے تو معلوم ہوگا کہ اس میں صاف صاف بتا دیا گیا ہے

الف :- اصلاح کی حدود میں ذمہ داری عوام پر نہیں قیادت پر ہے۔

ب :- امیر ریاست، ریاست میں عوامی اصلاح کا ذمہ دار ہے۔

ج :- الطریق یعنی وہ راستہ جو اسلامی زندگی میں جانا اور پہچانا ہوا ہے لوگوں کو اس پر چلانا امیر ریاست کا کام ہے۔

د :- شہری زندگی میں امیر یہ ضرور دیکھے گا کہ عوامی زندگی کہاں جا رہی ہے۔

اس منشور کا لب و لہجہ آنے والی زندگی میں خط و خال کی نشان دہی کر رہا ہے ـــ چونکہ خلافت کے واجبات میں سے اسلامی زندگی کے اس نمونے کو تمام دور اندیشیوں اور مصلحت کیشیوں سے بالا ہو کر بہر حال قائم رکھنا تھا جسے سرآمد رسالت دنیا میں چھوڑ گئے تھے ۔ اس لئے منشور میں صاف طور پر عمر فاروق رضؓ نے کہا کہ لاحملنکم علی الطریق ـ یہ الطریق وہی زندگی ہے ـــــ

Marfat.com

دنیا نے دیکھ لیا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ کام کس خوبی سے سرانجام دیا۔ اپنوں کو جانے دیجئے غیر بھی اقرار کر گئے۔

انما ھی خلافۃ دینیۃ	یہی دینی خلافت ہے۔ کچھ نادرۃ الوجود
توقفت الی رجال یندر	لوگوں کے اجتماع کے سہارے قائم
اجتماعھم فی عصر۔	ہوئی تھی۔

(التمدن الاسلامی)

اور یہاں تک کہہ گئے:

ھٰذا ھو العصر الاسلامی	یہی اسلام کا سنہرا زمانہ ہے۔ عدل
الذھبی عصر العدل والتقوٰی	اور تقویٰ کا زمانہ۔

(التمدن الاسلامی)

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ؛

بنام: جناب حکیم جمیل احمد صاحب۔ پرنسپل طبیہ کالج لاہور

Marfat.com

ڈسٹرکٹ جیل سیالکوٹ

۱۰ اکتوبر ۱۹۵۳ء

مصائب میں نبوت کی جانب سے روحانی دست گیری۔ عقل خود بین ہے اور ایمان خدا پرستی کا نام ہے۔ مقام رسالت کے بارے میں ایمان کی تین شرطیں ایمان میں اصل چیز محبت ہے اور محبت کی نشانی اتباع ہے۔ اتباع اور اطاعت میں بنیادی فرق، قانون سازی میں خلافت راشدہ کا مقام نبوت سے نیچے اور اجتہاد سے اوپر ہے، ماں کی گود سے لے کر قبر تک زندگی کا خاکہ، اتباع کی ضد میں ہماری سرد مہری۔

حبی فی اللہ وفقنا اللہ وایاکم لما یحبہ و یرضاہ السلام علیکم!

سنائیے جو کچھ آنکھوں نے دیکھا۔ اور کانوں نے سنا ٹھیک ہوا کہ نہیں خواب میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ کا میرا ہاتھ پکڑنا پیش پا افتادہ مصائب کی نشاندہی تھی اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی دستگیری ہے کہ ان مصائب کو راحتوں اور دل کی لذتوں میں تبدیل کر دیا۔ میرا ہاتھ پکڑنے سے میری کمزوریوں کی طرف اشارہ تھا اور ساتھ ہی ان کمزوریوں کا مداوا بھی۔ الحمد للہ۔

میں نے اسی روز اہلیہ سے کہہ دیا تھا کہ اگرچہ مصائب آرہے ہیں مگر مطمئن ہوں کہ جناب رسالت مآبؐ نے ہاتھ پکڑ لیا ہے۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ جب تاریخ کے اس حادثہ سے دوچار ہونے والے تھے جسے مسئلہ خلق قرآن کہتے ہیں، تو امام شافعیؒ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ فرما رہے ہیں "احمد بن حنبلؒ کو ہمارا سلام کہہ دو۔" صبح ہوئی امام شافعیؒ نے مجلس میں خواب بیان کیا اور پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پیغام امام احمد بن حنبلؒ تک کون پہنچائے گا۔ تو امام ابو حنیفہؒ کے مشہور شاگرد ابن سماعہ نے آگے بڑھ کر کہا کہ بندہ حاضر ہے۔ ابن سماعہ

پیغام لے کر پہنچے اور امام احمدؒ کو سنایا۔ کہتے ہیں کہ امام احمدؒ رو پڑے اور فرمایا کہ

قَدْ رَأَى رَسُوْلُ اللّٰہِ فِیَّ ضُعْفًا۔ — حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ میں کوئی کمزوری دیکھی ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذود رس نگاہ نے مجھ میں کوئی کمزوری کی دیکھی ہے اور سلام سے اس کا علاج کیا ہے۔ اللہ اکبر کیا کہنے ہیں اس تعلق کے کہ غلاموں کی کس کس انداز سے مدد فرماتے ہیں۔

أَلَا يَا رَسُوْلَ اللّٰہِ كُنْتَ رَجَاءَنَا — وَكُنْتَ بِنَا بَرًّا وَلَمْ تَكُ جَافِيًا

اے اللہ کے پیغمبر! آپ ہی ہمارا آسرا ہیں — آپ ہمارے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے والے تھے نہ کہ برا

فِدًى لِرَسُوْلِ اللّٰہِ أُمِّيْ وَخَالَتِيْ — وَعَمِّيْ وَخَالِيْ ثُمَّ نَفْسِيْ وَمَالِيَا

اللہ کے رسول پر میری ماں، خالہ — چچا، ماموں، میری ذات اور میرا مال قربان ہو

یہ نتیجہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا اور ان کے دین کی خاطر تکلیفیں برداشت کرنے کا۔ لیکن آہ میں

چو بید بر سر ایمان خویش مے لرزم

ہر وقت، ہر آن، ہر لحظہ، ہر لمحہ، ہر پل، اور ہر گھڑی گناہوں کے انبار لگا رہا ہوں، اور زندگی کی کوئی کل بھی نافرمانی سے خالی نہیں۔ محبت کا حق تو یہ ہے کہ اتباع کامل ہو، اور زندگی کے کسی گوشے میں بھی سر مو انحراف نہ ہو کیونکہ

الْمُحِبُّ لِمَنْ يُحِبُّ مُطِيْعٌ — عاشق اپنے محبوب کا فرمانبردار ہوتا ہے

اقبال نے کیا خوب کہا ہے۔

عشق مے گوید کہ اے محکوم غیر — سینہ تو از بتاں مانند دیر

تا نداری از محمد رنگ و بو — از درود خود میالا نام او

عقل کہتی ہے کہ اسلام وہ ہے جو اسے بھلا معلوم ہو۔ ایمان کہتا ہے کہ یہ خدا بتاتا

Marfat.com

نہیں بلکہ خود پرستی ہے۔ اسلام اتباع و اطاعت ہے۔ اطاعت میں اپنی عقل چلانا سرکشی اور تمرد ہے۔ یہ درست ہے کہ دانا حاکم کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ مگر محکوم اور غلام کا کام یہ ہے کہ عقل پر نہیں بلکہ حکم حاکم پر اعتماد کرے یہی بات قرآن میں مقامِ رسالت کے بارے میں فرمائی ہے۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ	قسم ہے تیرے پروردگار کی ایمان
حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ	والے نہ ہوں گے تاآنکہ حاکم نہ بنا
بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا	لیں تم کو اپنے باہم جھگڑوں میں اور
فِىٓ أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا	پھر اپنے اندر آپ کے فیصلہ کے خلاف
قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا	کوئی تنگی نہ محسوس کریں اور اپنے کو
تَسْلِيمًا۔	پورا پورا سپرد کر دیں۔

دیکھئے اس آیت میں مقامِ رسالت پر ایمان کو تین شرطوں سے مقید کیا ہے

الف:۔ زندگی کی تمام آویزشوں میں نبوت کی حکمرانی ہو۔

ب:۔ نبوت جو بھی فیصلہ کرے اس کے خلاف دل گرفتگی نہ ہو۔

ج:۔ نبوت کے سامنے زندگی ساری کی ساری تسلیم و رضا کی ہو نہ کہ جبر و قہر کی۔

یاد پڑتا ہے کہ بخاری میں بحوالہ ہشام روایت آئی ہے کہ ایک روز جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عمرؓ مسجد میں ٹہل رہے تھے۔ حضرت عمرؓ کا ہاتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں تھا کہ زبان نبوت سے یہ ارشاد ہوا

وَالذی نفس محمد بیدہٖ	قسم ہے تم میں سے کوئی اس
لایؤمن احدکم حتیٰ	وقت تک مومن کامل نہ ہوگا۔
اکون احب الیہ من	جب تک میری ذات اس کے
نفسہٖ وولدہٖ والناس	لئے خود اس کی ذات، اولاد اور ساری

Marfat.com

أَجْمَعِيْن۔ (اوکما قال) انسانیت سے زیادہ محبوب نہ ہو جائے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ٹھہر گئے اور بولے یا رسول اللہ ذرا مجھے اپنا محاسبہ کرنے دیجئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ چھوڑ دیا۔ حضرت عمر بولے

اِلَّا نَفْسِیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مگر میری ذات اے اللہ کے پیغمبر

آپ نے پھر وہی بات ارشاد فرمائی۔ حضرت عمر نے کہا۔

اَلْآنَ اَنْتَ احب اِلَیَّ من نفسی یا رسول اللّٰہ اب آپ مجھے اپنی ذات سے زیادہ محبوب ہیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

اَلْآنَ تَمَّ اِیْمَانُکَ یَا عُمَرُ اب تیرا ایمان پورا ہو گیا۔

اصل چیز آپ کی محبت ہے اور محبت کی محسوس نشانی آپ کی پوری پوری ایسی سرفروشانہ اور والہانہ اطاعت کہ دنیا دیکھ کر مجنوں کہے۔ یہ آپ ہی کی اطاعت ہے جس سے ایک مسلمان کو درجہ محبوبیت ملتا ہے قرآن میں ہے۔

اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ اگر تم اللہ سے پیار کرتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تم سے پیار کرے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے قرآن نے بیک وقت دو باتیں کہی ہیں اطاعت اور اتباع۔ اطاعت کے معنے ہیں کہا ماننا۔ مگر اتباع اس سے آگے ہے اس کا تعلق سرتاسر محبت ذات سے ہے۔ اس کے معنے ہیں کسی کے پیچھے پیچھے تاگے بانٹنا، ہوبہو وہ کچھ کرنا جو کہا اور کیا جا رہا ہے۔ وظیفہ بندگی کی بجا آوری اور اللہ جل شانہ کی طرف ہمہ وقت متوجہ رہنے کا حق صرف اسی وقت ادا ہو سکتا ہے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی ظاہراً و باطناً ہر طرح سے پوری پوری اتباع کی جائے۔ اخروی نجات اور ابدی فلاح صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

کی اتباع سے وابستہ ہے

رشتہ در گردنم افگندہ دوست ہر جا کہ مے برد خاطر خواہ اوست

لوگ سمجھتے ہیں کہ نواہی سے بچنا اور اوامر پر چلنا ہی اتباع ہے حالانکہ یہ صرف اطاعت ہے۔ اتباع جس سے مقام محبوبیت حاصل ہوتا ہے۔ اس سے کہیں آگے ہے۔ اوامر پر عمل پیرا ہونے والا اور نواہی سے بچکر چلنے والا مطیع تو ضرور ہے مگر متبع نہیں ہے۔ اتباع یہ ہے کہ زندگی کے ہر پہلو کو اس سانچے میں ڈھال دے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کے سامنے چھوڑا ہے عمل کا یہی سانچہ قرآن کی اصطلاحی زبان میں اسوۂ حسنہ کہلاتا ہے قرآن میں ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ — رسول اللہ تمہارے لئے بہترین نمونہ ہیں۔

اسی معنے کے لحاظ سے خداوند ذوالجلال نے قرآن اور آپ کی ذات گرامی دونوں کے لئے نور استعمال کیا ہے

وَأَنزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُّبِينًا۔ — یعنی ہم نے ہی تمہاری طرف واضح ہونے والی روشنی اتاری ہے۔

اور

قَدْ جَاءَكُم مِّنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُّبِينٌ — تمہارے پاس اللہ کی جانب سے روشنی اور واضح کتاب آئی ہے

پہلی آیت میں نور سے قرآن حکیم اور دوسری میں نور سے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی مراد ہے، اور کیوں نہ ہو جب کہ دونوں میں فعل و انفعال کا تعلق ہے اسی لئے حضرت عائشہؓ نے اس شخص کے جواب میں جس نے آپ سے رسالتمآب کے اخلاق کریمانہ کے بارے میں پوچھا تھا فرمایا

Marfat.com

اَمَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ — کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا؟

جواب دیا کہ ہاں! آپ نے فرمایا

فَذٰلِكَ خُلُقُ رَسُوْلِ اللّٰهِ — یہی تو رسول اللہ کا خلق ہے۔

شاید لوگ تو روائتی نقطہ نظر سے اس واقعہ کی صحت کو شک کی نگاہوں سے دیکھتے ہوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خوارج کے اس مطالبے پر کہ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ كِتَابُ اللّٰهِ یہ دعویٰ کردیا تھا کہ

انا القرآن الناطق — میں ہی بولتا قرآن ہوں۔

مگر میں کہتا ہوں کہ اگر حضرت علی کی زندگی کے سارے گوشے براہ راست رسالت کے اسوۂ حسنہ سے منور تھے اور یقیناً منور تھے تو یہ دعویٰ کوئی بڑا دعویٰ نہیں تھا۔ اور بالکل صحیح تھا چاہے اس کی روائتی حیثیت کچھ ہو یہی وجہ ہے کہ حکومت اور فرماں روائی کے بارے میں ہر حاکم کی اطاعت کا جب تک وہ معصیت کا آمر نہ ہو حکم دیا ہے۔ برخلاف خلافت راشدہ کے کہ اس کی اطاعت کے ساتھ اتباع کا بھی حکم ہے۔ اسی وجہ سے ان کے کردار کو سنت قرار دیا ہے۔

عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ مِنْ بَعْدِيْ — میری سنت اور باہدایت خلفائے راشدین کی سنت سے چمٹ جاؤ۔

اوروں کا پتہ نہیں لیکن اسلام کے مشہور مفکر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی زندہ بیان سے متاثر ہو کر ازالۃ الخفاء میں قانون سازی کے مخارج بیان کرتے ہوئے خلفائے راشدین کا منصب ما دون التشریع اور ما فوق الاجتہاد قرار دیا ہے اور اس کو بے شمار

مثالوں سے ثابت کیا ہے۔ بہر حال اتباع کا مقام اطاعت سے بہت اونچا ہے اور اتباع کا دائرہ صرف انفرادی زندگی یعنی تزکیۂ نفس، اصلاح اخلاق اور درستی اعمال تک نہیں بلکہ اجتماعی اور سیاسی زندگی میں بھی اس کا مطالبہ ہے ۔۔۔ آپ نے کبھی غور کیا کہ حضرت علی نے خود مسلمانوں کے خلاف تلوار کیوں اٹھائی تھی؟ اوروں کا پتہ نہیں میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ اجتماعی اور سیاسی زندگی کا جو نمونہ سرکارِ مدینہ نے چھوڑا تھا۔ وہ اس میں بال برابر تبدیلی کے بھی مخالف تھے نہیں چاہتے تھے کہ اذا ھلک کسریٰ فلا کسریٰ بعدہٗ کے ماننے والے نبوت کی روحانی سادگی سے ہٹ کر کسروی مادیت کو اپنا لیں اور حکیم سنائیؒ کی زبان سے وقت کو پکارنا پڑے۔

مسلماناں مسلماناں مسلمانی ۔۔۔ آئین بیدیناں پشیمانی پشیمانی

یہی جذبہ امام حسین کو کربلا میں لایا

سر داد و نہ داد دست در دستِ یزید

حقا کہ بنائے لا الٰہ است حسین

اتباع زندگی کے سارے گوشوں میں ہونی چاہیئے ۔۔۔ اور جب تک نہیں ہوتی اس کے لئے جانے، دامے، قدمے، اور قلمے جدوجہد جاری رکھنی چاہیئے لیکن انفرادی زندگی کے وہ حدود جن پر خود ہماری حکومت ہے۔ پہلے ہمیں اسے اسوۂ حسنہ کے سانچوں میں ڈھالنا چاہیئے۔ اجتماعیات میں ہماری اس وقت تک کامیابی نہ ہو گی جب تک ہماری انفرادی زندگی اتباع کی آئینہ دار نہ ہو گی۔ آئے دن اسلام کے نام پر اٹھی ہوئی تحریکوں کی ناکامی کا اصل باعث یہی ہے کہ اجتماعی اور سیاسی زندگی کے لئے جس چیز کے ہم مدعی بن کر کھڑے ہوتے ہیں خود اس کا نام و نشان تک ہماری انفرادی زندگی میں موجود

Marfat.com

نہیں ہوتا۔ ماں کی گود سے لیکر قبر کی آغوش تک ساری زندگی خلاف سنت چل رہی ہے گھر کا کوئی کام، غمی کی کوئی رسم، شادی کا کوئی معاملہ بھی منہاج نبوت پر نہیں ہے۔ کسی بات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی نہیں ہے، سونے، سو کر اٹھنے، کھانا کھانے، گھر میں جانے اور آنے، کپڑے پہننے، بیت الخلاء جانے مسجد میں جانے اور آنے میں اتباع سنت کا خیال تک نہیں آتا۔

عادات کو چھوڑ کر عبادات ہی پر ذرا ایک چلتی نظر ڈال لو اول تو مساجد ہی اپنی بربادی اور مشاہد کی آبادکاری کو دیکھ کر سینہ چاک ہیں۔ اور اگر ان میں کچھ آبادکاری ہے تو ان اعمال پر سینہ کوب ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت مساجد میں رسول اللہ کا نام لیکر کر رہی ہے۔ حالانکہ ان میں سے کوئی عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کے لئے ورثہ میں نہیں چھوڑا ہے۔ من گھڑت اوراد وظائف، احزاب اور اشغال کے وہ سارے ہنگامے جو ہم اپنی پسند کے دباؤ سے کرتے ہیں میزان اتباع میں پرکاہ کے برابر بھی وزن نہیں رکھتے اور اس باب میں آج ہماری سرد مہری کا یہ حال ہے کہ ہم اپنے مولوی سے یہ بھی پوچھنا گوارا نہیں کرتے کہ آیا اس کا بتایا ہوا یہ عمل رسول اللہ نے کیا یا نہیں ــــ بازار سے وظیفوں کی جو کتاب ہاتھ لگ جائے اس پر عمل شروع کر دیتے ہیں۔ وظیفوں کی کتنی کتابیں آج بازاروں میں تاجروں نے خدا سے بے خوف ہو کر صرف تجارتی نقطۂ نظر سے پھیلا رکھی ہیں۔ فانا للہ والی اللہ المشتکی

بہرحال کہنا یہ چاہتا ہوں کہ ضرورت ایسے انقلابی عمل کی ہے جس سے اتباع کی شادابیاں منظرِ عام پر آجائیں۔ انفرادی سے لیکر اجتماعی اور سیاسی زندگی تک۔

اچھا اب رخصت ہوتا ہوں۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ

بنام جناب ڈاکٹر فیروز الدین صاحب۔ سیالکوٹ

Marfat.com

ڈسٹرکٹ جیل سیالکوٹ
۱۲ اکتوبر ۱۹۵۳ء

موضوع تراویح پر روایت ابن عباس کی تحقیق، روایت کے مخارج، حدیث کے ضعیف ہونے کی وجہ ابو شیبہ ابراہیم بن عثمان کا جرح و تعدیل کے راویوں کی ثقاہت، امام شعبہ کی تکذیب کی کہانی، صرف راوی کا ضعیف ہونا روایت کے ضعیف ہونے کا معیار نہیں ہے، حدیث کا صحیح ہونا اور ہے مقبول ہونا اور ہے، حدیث مقبول کی حقیقت، تلقی بالقبول کی وضاحت اور اسکی قسمیں صحیح نہ ہونے کے باوجود مقبول ہیں۔ سائب بن یزید کی ۲۰ تراویح کی روایت روائتی نقطہ نظر سے بخاری کی روایت کے لگ بھگ ہے، حدیث مقبول تواتر کا مقام حاصل کر لیتی ہے۔

محبی فی اللہ   وفقنا اللہ وایاکم لما یحبہ ویرضاہ
السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ نے موضوع تراویح پر حدیث ابن عباس کے متعلق جو بات پوچھی ہے اس سے ذہنی افتاد کا پتہ چلتا ہے۔ مسرت ہے کہ آپ میں حق کے لئے طلب و جستجو ہے۔ دراصل کچھ غلط فہمیاں ہیں اگر وہ درمیان سے ہٹ جائیں تو پھر کوئی الجھن نہیں ہے۔

پہلے پوری روایت سن لیجئے۔

۱۔ بیہقی نے السنن الکبریٰ میں یہ روایت اس طرح درج کی ہے۔

حدثنا ابو احمد ابن عدی الحافظ ثنا عبد اللہ بن محمد

Marfat.com

ابن عبد العزیز ثنا منصور بن ابی مزاحم ثنا ابو شیبۃ عن الحکم عن مقسم عن ابن عباسؓ کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فی شہر رمضان فی غیر جماعۃ بعشرین رکعۃ والوتر۔

ابن عباس کہتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں بغیر جماعت کے ۲۰ رکعت اور وتر پڑھتے تھے۔

۲۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں یہ روایت اس طرح ہے۔

حدثنا یزید انبأنا ابراھیم بن عثمان عن الحکم عن مقسم عن ابن عباس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ والوتر

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں ۲۰ رکعت اور وتر پڑھتے تھے۔

۳۔ مسند عبد بن حمید میں یہ روایت یوں ہے۔

حدثنا ابو نعیم حدثنا ابو شیبۃ عن الحکم عن مقسم عن ابن عباس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ والوتر۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں ۲۰ رکعت اور وتر پڑھتے تھے۔

۴۔ طبرانی میں اس طرح ہے۔

حدثنا البغوی حدثنا منصور بن ابی مزاحم حدثنا ابو شیبۃ عن الحکم عن مقسم عن ابن ان رسول اللہ

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ والوتر
حضور انورؐ رمضان میں ۲۰ رکعت اور
وتر پڑھتے تھے۔

۵۔ حافظ ذہبی نے معجم بغوی کے حوالہ سے اس طرح درج کی ہے
انبأنا منصور بن ابی مزاحم انبأنا ابو شیبۃ عن الحکم
عن مقسم عن ابن عباس کان رسول اللہ صلی اللہ وسلم
یصلی فی رمضان فی غیر جماعۃ بعشرین رکعۃ والوتر۔
حضور انورؐ رمضان میں بغیر جماعت کے ۲۰ رکعت اور وتر پڑھتے تھے۔

آپ نے دیکھا کہ اس روایت کی تخریج کرنے والے یہ آئمہ حدیث ہیں۔
امام ابوبکر احمد بن الحسین المتوفی ۴۵۸ھ۔ ابوبکر عبداللہ بن محمد ابن ابی شیبہ
المتوفی ۲۳۵ھ۔ عبد بن حمید المتوفی ۲۴۹ھ۔ ابوالقاسم سلیمان بن احمد بن ایوب
الطبرانی المتوفی ۳۸۰ھ اور ابو محمد الحسین بن مسعود البغوی ۵۱۰ھ۔

حفاظ حدیث کا فیصلہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ حافظ جلال الدین
سیوطی فرماتے ہیں یہ حدیث ضعیف ہے اس میں دلیل بننے کی صلاحیت نہیں
ہے۔ ص ۲۱ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں اس کی سند ضعیف ہے۔ ص ۲۱۷ ج ۸ فتح الباری
علامہ زیلعی فرماتے ہیں حدیث معلول ہے۔ نصب الرایہ ص ۱۵۳ ج ۲

علماء نے اس حدیث کے ضعیف ہونے کی وجہ یہ بتائی ہے کہ ان میں
ایک راوی نامی ابراہیم بن عثمان کوفی ہے۔ امام احمد، ابن معین، بخاری
نسائی، ابوحاتم الرازی، ابن عدی، ابوداؤد، اور احوص نے اس کو ضعیف
بتایا ہے۔ امام ترمذی نے منکر الحدیث اور جوزجانی نے ساقط کہا ہے۔ ابو علی
نیشاپوری کا فتویٰ ہے کہ قوی نہیں ہے۔ نسائی اور دولابی نے متروک الحدیث

Marfat.com

بتایا ہے۔یحییٰ بن معین نے یزید بن ہارون کی طرف نسبت کر کے یہ انکشاف
بھی کیا ہے کہ ابراہیم سے زیادہ اپنے زمانہ میں عادل کوئی نہ تھا۔یزید کو
خود پاس سے دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے۔حافظ عسقلانی فرماتے ہیں کہ یزید
ابراہیم کے اس وقت منشی رہے ہیں۔جبکہ واسط کے محکمہ قضا میں مقرر تھے
ابن عدی کہتے ہیں کہ ان کی حدیثیں اچھی ہیں۔تہذیب ص۱۴۴۔اور یہ ابراہیم
بن ابی حیہ سے بہتر ہیں ج۱ ص۱۴۵ —— یہ شاگرد ہیں اپنے ماموں حکم بن عتیبہ
ابواسحاق السبیعی ولید بن مسلم، زید بن الحباب، یزید بن ہارون اور علی بن
الجعد کے ۲۷۵ھ ان کی تاریخ وفات ہے۔

ائمہ نقد درجال نے ان کو خواہ کچھ کہا ہو مگر یہ واقعہ ہے کہ ہیں یہ ابن
ماجہ اور ترمذی کے راویوں میں سے شاید اسی بنا پر حافظ عسقلانی نے ان کا
تذکرہ لسان المیزان میں نہیں کیا خود فرماتے ہیں۔

فرأیت ان احذف منہ اسماء من اخرج لہ الائمۃ الستۃ

میری رائے ہوئی کہ کتاب سے ان لوگوں کے نام ہٹا
دوں جن سے ائمہ ستہ نے روایات لی ہیں۔

بلکہ ان کا ذکر تہذیب التہذیب ۲۵۷ نمبر پر کیا ہے اور خود حافظ عسقلانی
کا دعویٰ ہے کہ تہذیب میں جن لوگوں کا تذکرہ ہے وہ

اما ائمۃ موثوقون واما ثقات مقبولون واما قوم
ساء حفظھم ولم یطرحوا واما قوم ترکوا وجرحوا

قابل اعتماد امام ہیں، یا اچھے مقبول ہیں یا پھر
وہ ہیں جن کے حافظہ پر حرف گیری ہوئی ہے۔مگر ان کو نظر
انداز نہیں کیا گیا یا وہ ہیں جو متروک اور مجروح ہیں۔ ص۲ لسان

حافظ صاحب نے ان کو تقریب میں متروک الحدیث کہہ کر طبقہ سابعہ میں شمار کیا ہے اور معلوم ہے کہ متروک حافظ صاحب اسے کہتے ہیں

من لم یوثق البتۃ وضعف مع ذلک بقادح ص۳

اس سے معلوم ہوا کہ ابراہیم بن عثمان حافظ عسقلانی کے نزدیک اسں لئے ضعیف نہیں ہیں کہ ان پر جھوٹ کی تہمت ہے اور یا ان کو جھوٹا قرار دیا گیا ہے اسی بنا پر شاہ عبدالعزیز فرماتے ہیں

ابوشیبہ جد ابوبکر بن ابی شیبہ	ابوشیبہ اتنا ضعیف نہیں
آں قدر ضعف ندارد روائت	ہے کہ اسکی روایت کو پھینک
اورا مطروح مطلق ساختہ شود	دیا جائے

ص۱۲۶

شاید آپ کو شبہ ہوا کہ المصابیح میں حافظ جلال الدین سیوطی کا دعوٰی ہے

ومن یکذب بہ مثل شعبۃ فلا یلتفت الی حدیثہ ص۴۲

جس کو شعبہ جھوٹا کہے اسکی حدیث قابل التفات نہیں ہے

ٹھیک ہے مگر امام شعبہ کی تکذیب کی کہانی بڑی عجیب ہے اور شاید نقد و رجال کے سارے دفتر میں کسی کو جھوٹا کہنے کی اس سے زیادہ مزیدار کہانی کوئی نہ ہو۔ یہ دعوے کہ ابراہیم کو شعبہ نے جھوٹا قرار دیا۔ آئیے ذرا اس کا پوسٹ مارٹم کر لیجئے۔ تہذیب میں حافظ عسقلانی نے لکھا ہے۔

کذب بہ شعبۃ فی قصتۃ ص۱۴۵

ایک واقعہ میں شعبہ نے ان کی تکذیب کی ہے۔

یعنی مطلق روایت حدیث میں دروغ گو نہیں ہیں۔

بلکہ امام شعبہ نے ان کو ایک واقعہ میں جھوٹا کہا ہے ۔ وہ واقعہ کیا ہے۔ کیا

Marfat.com

کوئی ایسا واقعہ ہے جس میں خود ابراہیم موجود تھے اور انہوں نے اسے جانتے پہچانتے غلط بیانی سے کام لیا ہے۔ نہیں ایسا کوئی واقعہ نہیں ہے۔ اسکی کہانی حافظ ذہبی کی زبانی سنیئے۔

حافظ صاحب میزان الاعتدال میں فرماتے ہیں کہ ابراہیم بن عثمان نے بحوالہ حکم عن ابن ابی لیلیٰ یہ تاریخی انکشاف کیا ہے کہ صفین کی جنگ جو حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان [illegible] ہوئی اس میں شرکت کرنے والوں میں ستر اہل بدر تھے۔

شھد صفین من اھل بدر سبعون ص۲۳

امام شعبہ فرماتے ہیں کہ ابراہیم کا یہ کہنا غلط ہے اور جھوٹ ہے کیونکہ میں خود ابراہیم کے استاد حکم سے ملا ہوں میں نے اس موضوع پر مذاکرہ کیا ہے میرے سے انہوں نے خود بتایا کہ صفین میں بدر والوں میں سے سوائے حضرت خزیمہ کے کوئی نہ تھا۔ سن لیا آپ نے کہ امام شعبہ نے ابراہیم کو کس واقعہ میں جھوٹا کہا ہے صرف اس میں کہ صفین میں ستر بدری شریک ہے یہ جھوٹ ہے۔ سچ کیا ہے کہ حضرت خزیمہ کے سوا کوئی نہ تھا حافظ ذہبی فرماتے ہیں سبحان اللہ! یعنی دوسرے کو جھوٹا کہہ کر خود کیا عجیب انکشاف فرمایا کیا یہ سچ ہے کہ حضرت خزیمہ کے سوا جنگ صفین میں کوئی بدری نہ تھا۔ کیا حضرت علی بدری نہیں ہیں؟ عمار بن یاسر بدری نہیں ہیں؟ ذہبی لکھتے ہیں:

اما شھد علی اما شھد ھا — کیا حضرت علی موجود نہ تھے

عمار؟ — کیا حضرت عمار نہ تھے؟

انصاف فرمائیے اگر جھوٹا ہونے کا معیار یہی ہے تو یہ دھبہ تو بقول امام ذہبی خود شعبہ کے دامن پر بھی لگا ہوا ہے۔ اس بنیاد پر اگر ابراہیم کو جھوٹا قرار دیتے تو شعبہ خود بھی نہیں بچتے۔ اس لئے ابراہیم کے جھوٹا ہونے کی کہانی صرف ایک افسانہ ہے جس کی تاریخ کے بازار میں کوئی قیمت نہیں ہے۔ یہ بات اپنی جگہ با

درست ہے کہ ابراہیم کے متعلق علماء رجال کا فیصلہ ہے ھو متفق علی ضعفہ اس کے ضعف پر سب ہی متفق ہیں۔ نصب الرایہ ص ۱۰۳ امام بیہقی فرماتے ہیں تفرد بہ ابوشیبۃ وھو ضعیف ج ۲ ص ۴۹۶ اس حدیث کا بیان کرنے والا صرف ابوشیبہ ہے اور وہ ضعیف ہے نووی فرماتے ہیں متفق علی ضعفہ ج ۱ ص ۸۷

لیکن سوال یہ ہے کہ کیا حدیث کی صحت کی رواۃ سے الگ ہو کر کوئی بیرونی ضمانت نہیں ہے کیا یہ واقعہ ہے کہ ہر ایسی حدیث جس کے راوی پر نقد و رجال کے ائمہ نے بالاتفاق ضعیف ہونیکی مہر لگادی ہو ضعیف ہے؟ اگر یہ واقعہ ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ حسن بن عمارہ کے حوالہ سے خود بخاری کی کتاب المناقب میں حدیث موجود ہے۔ حالانکہ بتانے والوں نے بتایا ہے کہ اطبقوا علیٰ ترکہ ان کے متروک ہونے پر علماء کا اتفاق ہے یعنی صرف متروک الحدیث نہیں ہیں بلکہ اس پر آئمہ کا اتفاق ہے ایک اور راوی اسید بن الجمال ہیں ان سے امام بخاری نے کتاب الرقاق میں ایک حدیث روایت کی ہے مگر ان کا حال یہ ہے نسائی متروک کہتے ہیں۔ ابن معین نے جھوٹی حدیثیں گھڑنے کا ان پر الزام لگایا ہے ابن حبان کا دعویٰ ہے کہ یہ نہ صرف مناکیر لاتا ہے بلکہ احادیث کی چوری بھی کرتا ہے۔ حتیٰ کہ مقدمہ میں حافظ عسقلانی نے صاف لکھ دیا کہ لم ار لاحد فیہ توثیقا میرے علم میں اسے کسی نے نہیں سراہا معلوم ہوا کہ ارباب فن کے یہاں صرف راوی کا ضعیف ہونا ہی روایت کے ضعیف ہونے کا معیار نہیں ہے۔ روایت کا سند کے لحاظ سے صحیح ہونا اور بات ہے اور مقبول ہونا اور چیز ہے بخاری کی روائتیں اپنے راویوں پہ جرح کی وجہ سے خواہ کیسی ضعیف ہوں مگر مقبول ہیں کیونکہ ان کی پشت پر تلقی امت بالقبول کی مہر ہے۔ حافظ جلال الدین سیوطی نے نظم الدرر میں ہمیں مقبول کی تعریف

یہ بتائی ہے

المقبول ما تلقاہ العلماء بالقبول وان لم یکن لہ اسناد صحیح
او اشتھر عند ائمۃ الحدیث بغیر نکیر منھم او وافق
آیۃ من القرآن او بعض اصول الشریعۃ حیث لم یکن
فی سندہ کذاب۔ (التحفۃ المرضیہ ص۲۴۴)

ت: مقبول وہ ہے جسے علماء نے اپنا لیا ہو چاہے اس کی سند
صحیح نہ ہو یا بلا نکیر ائمہ حدیث کے یہاں مشہور ہو گئی۔ کسی قرآنی آیت
یا اصول شریعت کے موافق ہو بشرطیکہ سند میں کذاب نہ ہو۔
علامہ سخاوی شرح الایضہ میں فرماتے ہیں۔
اذا تلقت الائمۃ الضعیف بالقبول یعمل لہ علی الصحیح (التحفہ ص۲۴۵)
جب امام ضعیف کو اپنا لیں تو اس پر عمل کیا جائے گا۔
علامہ الشبرخیتی مالکی نے الاربعین النوویۃ کی شرح میں لکھا ہے۔
ومحل کونہ لا یعمل بالضعیف فی الاحکام ما لم یکن تلقتہ
الناس بالقبول (شرح الاربعین)
ضعیف پر احکام میں عمل نہ کرنے کا محل اس وقت ہے جب
کہ اسے تلقی بالقبول کا مقام حاصل نہ ہو۔
الافصاح علی نکت ابن الصلاح میں لکھا ہے۔
ومن جملۃ صفات القبول التی لم یتعرض شیخنا الحافظ العراقی
ان یتفق العلماء علی العمل بمدلول حدیث فانہ یقبل
حتی یجب العمل بہ وقد صرح بہ جماعۃ من ائمۃ
الاصول (ص۴۷)

Marfat.com

مقبول کی ان تمام صفتوں میں سے جن کا حافظ عراقی نے ذکر نہیں کیا ہے ایک یہ ہے کہ کسی حدیث کے عمل پر علماء متفق ہو جائیں یہ ہی مقبول ہے اس پر عمل واجب ہے۔ اس کی ائمہ اصول نے تصریح کی ہے۔

جو اصول کسی بھی حدیث کے مقبول ہونے کا محدثین نے بتایا ہے اس کی بنیاد پر بے شمار حدیثوں کو خود محدثین نے باوجود سند ضعیف ہونے کے مقبول بتایا ہے۔ میں چند مثالیں عرض کرتا ہوں۔

ابو داؤد، بیہقی اور مسند احمد میں ہے

لا زکوٰۃ فی مال حتی یحول علیہ الحول

حولان حول کے بغیر زکوٰۃ نہیں ہے

تلخیص میں حافظ صاحب فرماتے ہیں اس میں حسان بن حسان راوی ضعیف ہے یمانی التحفۃ المرضیہ میں لکھتے ہیں۔

من ھٰذا الباب ای من الضعیف المتلقی بالقبول حدیث لا زکوٰۃ فی مال الخ (ص۲۶۵)

ان ضعیف حدیثوں میں سے جن کو درجہ قبول حاصل ہے یہ حدیث لا زکوٰۃ الخ ہے۔

مشہور حدیث ہے۔

لا وصیۃ لوارث وارث کیلئے کوئی وصیت نہیں ہے

فتح الباری میں حافظ عسقلانی کہتے ہیں لا یخلوا سناد کل منھا من مقال اس کی ہر سند میں کلام ہے علامہ یمانی فرماتے ہیں لیس لہ اسناد ثابت ص۲۶۵ اس کی کوئی سند ثابت ہی نہیں ہے مگر امام شافعی فرماتے ہیں۔

Marfat.com

حدیث لا وصیۃ لوارث لا یثبتہ اہل العلم بالحدیث
ولکن العامۃ تلقتہ بالقبول وعملوا بہ۔

یہ حدیث اہل علم کے یہاں ثابت نہیں لیکن عوام میں
اسے درجہ قبول حاصل ہے۔

دار قطنی میں حدیث ہے۔

الماء لا ینجسہ شیئ الا ما غلب علی ریحہ او طعمہ او لونہ

اس کی سند میں رشدین سعد متروک ہے نووی کہتے ہیں اتفق
المحدثون علی تضعیفہ محدثین کا اس کے ضعیف ہونے پر اتفاق ہے لیکن
قاضی شوکانی مضیہ میں فرماتے ہیں

قد صارت مما اجمع علی معناھا و تلقی بالقبول ص۲۶۷

یہ وہ حدیث ہے جس کے معنے صحیح ہیں اور اسے شرف
قبول حاصل ہے۔

فتح میں حافظ صاحب نے بخاری کی تاریخ کبیر کے حوالہ سے ابو ہریرہ کی
یہ حدیث لکھی ہے

من ذرعہ القیئ وھو صائم فلیس علیہ القضاء وان استقاء
فلیقض

روزے کی حالت میں اگر قے آجائے قضا نہیں ہے اور
اگر قے کرے تو قضا ہے۔

امام بخاری فرماتے ہیں حدیث صحیح نہیں ہے عبد اللہ قطعاً ضعیف ہے ابوداؤد
و امام احمد کے حوالہ سے کہتے ہیں قطعاً کچھ نہیں ہے ترمذی کہتے ہیں ہمیں پتہ نہیں
ہے لیکن حافظ عسقلانی اس کے باوجود فرماتے ہیں لکن العمل علیہ عند

ھل العلم۔ اس پر اہل علم کا اتفاق ہے۔ وعلیہ العمل عند اھل العلم

ترمذی میں حدیث ہے سراقہ کہتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقید الاب من ابنہ ولا یقید الابن من ابیہ۔

حضور انور بیٹے سے باپ کا قصاص لیتے تھے مگر باپ سے بیٹے کا نہیں لیتے تھے۔

امام ترمذی لکھتے ہیں۔ لیس اسنادہ بصحیح مگر اس کے باوجود العمل علے ھذا عند اکثر اھل العلم

یہ اور اس قسم کی اور بھی مثالیں ہیں جہاں خود محدثین اور ائمہ نقد و رجال نے جو سند ضعیف ہونے کے حدیث کے مقبول ہونے کا فتوٰے دیا ہے۔ اب انصاف سے کام لیجئے۔ وہ حدیث ضعیف جسے علماء اپنا لیں ائمہ قبول ہیں ▪ہ تو حدیث مقبول ہو جائے۔ مگر جسے وہ قبول کر لیں جن کا عمل بھی ہنا میں حجت ہے اور جن کی خاطر پوری آبادی کے عمل کو قابل دلیل قرار دیا گیا ہے۔ یعنی خلفاء راشدین زاد المعاد میں حافظ ابن القیم فرماتے ہیں۔

وعمل اھل المدینۃ الذی یحتج بہ ما کان فی زمن الخلفاء الراشدین ص۱۸ ج۲

اہل مدینہ کا عمل زمانہ خلافت راشدہ والا حجت ہے۔

وہ مقبول نہ ہو — فانا للہ والی اللہ المشتکی۔ کیونکہ زمانۂ حضرت عمر میں بیس تراویح کا ہونا تو سب ہی مانتے ہیں دوسری روایات کے علاوہ حافظ عسقلانی نے فتح الباری میں جو بحوالہ امام مالک یہ روایت لکھی ہے۔

روی مالک من طریق یزید بن خصیفۃ عن السائب بن

Marfat.com

يزيد عشرين ركعة

امام مالک نے بحوالہ یزید بن خصیفہ بیس رکعت روایت کی ہیں۔

اس کی تاریخی حیثیت تو بالکل بخاری کی روایات کی ہے۔ خود امام بخاری اپنے استاد عبد اللہ بن یوسف کے حوالہ سے اپنی صحیح میں باب اقتناء الکلب میں اسی سند پر مشتمل حدیث لائے ہیں۔ حدیث یہ ہے۔

اخبرنا مالک عن یزید بن خصیفة ان السائب بن یزید حدثه انه سمع سفیان بن ابی زھیر رجلا من ازدشنوءة وکان من اصحاب النبی صلی اللہ علیه وسلم الخ ص۴۵ ج۲

امام بیہقی نے السنن الکبریٰ میں جو روایت درج فرمائی ہے وہ بھی اسی کے لگ بھگ ہے جسے حافظ سیوطی نے بھی المصابیح میں باسناد صحیح کہا ہے۔ حافظ محمد بن نصر مروزی نے قیام رمضان میں بحوالہ امام اعمش سلیمان بن مہران عن زید بن وہب کوفہ کے گورنر عبد اللہ بن مسعود کے متعلق بھی یہ انکشاف کیا ہے۔

کان یصلی عشرین رکعة ویوتر بثلاث ص۹۱

تراویح بیس رکعت اور وتر تین رکعت پڑھتے تھے۔

تہذیب صفحہ ۴۲۱ میں حافظ عسقلانی نے محمد بن کعب القرظی کے بارے میں یہ انکشاف کیا ہے کہ یہ حضرت علی کے زمانہ خلافت میں پیدا ہوئے تھے اور تھے بھی اپنے وقت میں قرآن کی تفسیر کے بڑے عالم۔ حافظ محمد بن نصر مروزی نے ان کا بیان لکھا ہے کہ:

کان الناس یصلون فی زمان عمر بن الخطاب فی رمضان

Marfat.com

عشرین رکعۃ ص۹۱

لوگ زمانہ عمر میں رمضان میں بیس تراویح پڑھتے تھے۔

روایت اگرچہ مرسل ہے اور مرسلات کے بارے میں اگرچہ امام ابوحنیفہ مالک اور احمد کا مسلک قبول کر لینا ہے مگر امام شافعی کے متعلق الآمدی نے نقل کیا ہے کہ ایسے مرسلات - ان یکون المرسل قد عرف من حالہ انہ لا یرسل عمن فیہ علۃ من جہالۃ او غیرھا کمراسیل ابن المسیب فھو مقبول - احکام ص۱۷۸/ج۲

جن بزرگوں کی عدالت مسلّم ہو یقیناً ان سے غلط انتساب کی توقع نہیں ہو سکتی یہ کھلا ہوا ایک عقلی قانون ہے۔ الآمدی لکھتے ہیں۔ والمختار قبول مراسیل العدل مطلقاً ص۱۷۸

یہ تاریخی شواہد کہہ رہے ہیں کہ ابن عباس کی روایت کو سب سے پہلے تلقی الخلفاء بالقبول کی قوت حاصل ہے۔ اسی تلقی کو امام ترمذی نے اپنی سنن میں اس طرح بیان کیا ہے۔

واکثر اھل العلم علی ما روی عن علی وعمر وغیرھما من اصحاب النبی صلے اللہ علیہ وسلم عشرین رکعۃ ص۹۹/ج۱

اہل علم کی اکثریت بیس ہی پر ہے جو حضرت علی، حضرت عمر اور دیگر اصحاب نبی صلعم سے ثابت ہے۔

یہ تو تلقی الخلفاء بالقبول ہے۔ اصول میں بتایا گیا ہے کہ ایسی حدیث ضعیف جس کے مدلول کو

ائمہ نے اپنا لیا ہو	تلقتہ الائمۃ بالقبول
علماء نے اپنا لیا ہو	تلقتہ العلماء بالقبول

Marfat.com

امت نے اپنا لیا ہو تلقتہ الامۃ بالقبول

حدیث مقبول کا درجہ حاصل کرلیتی ہے بلکہ حافظ سخاوی تو یہاں تک فرما گئے

انہ ینزل منزلۃ المتواتر

اور امام شافعی اسے نقل عامہ عن عامہ کے نام سے پکارتے ہیں اور اس کے متعلق ان کا دعویٰ ہے۔

کان اقوی فی بعض الامر من نقل واحد عن واحد وکذالک

وجدنا اھل العلم علیہ مجتمعین (ص ۲۲ رسالہ)

جسے امام شافعی نقل عامہ عن عامہ فرماتے ہیں اسی کا نام تواتر عملی اور توارث ہے۔ بلکہ حافظ ابن حزم ظاہری کے حوالہ سے علامہ طاہر جزائری نے یہاں تک لکھ دیا کہ کبھی خبر مرسل کی پشت پر نقل کی اجماعی طاقت ہونے کی وجہ سے سند کی حاجت ہی نہیں رہتی۔ اور اس بنا پر حدیث مرسل پر عمل کرنا متواتر کی طرح واجب ہو جاتا ہے۔ آخر مصنفین صحاح سے ہم جو ان کی کتابیں روایت کرتے ہیں۔ یہ بھی تو مراسیل ہی ہیں۔ جیسا کہ حافظ ابراہیم الوزیر نے الروض الباسم کے اندر لکھا ہے۔ کیونکہ جس معیار کی سندیں خود ان کتابوں میں موجود ہیں۔ بلاریب ہماری سندیں جن کے ذریعے ہم ان کتابوں کے مصنفین تک پہنچتے ہیں۔ اس قسم کی نہیں ہیں۔ مگر اس کے باوجود محدثین نے ان مرسلات کو اقوی مراسیل قرار دے کر قابل پذیرائی بتایا ہے

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

مولانا عبدالرحمن صاحب فاضل دیوبند مولوی فاضل استاذ العربیہ گورنمنٹ ہائی اسکول سیالکوٹ کیمپ

Marfat.com

ڈسٹرکٹ جیل سیالکوٹ

۱۴ اکتوبر ۱۹۵۳ء

اللہ کی صفت اور اس کی قسمیں، مسلک تاویل یا تفویض، کلام کی اور علم کلام کی بیچارگی، صاحب روح المعانی کی کلام نفسی پر تقریر، شاہ ولی اللہ کا استعجاب اور الجوینی کی حیرت، معتقدات میں اطمینان کی راہ کلام نہیں بلکہ قرآن ہے علم کلام اپنوں کے لئے نہیں بلکہ غیروں سے مقابلہ کے لئے ہے، امام غزالی کا اعتراف قرآن میں غیبی حقائق کے ماننے کا مطالبہ نہ کہ جاننے کا، قرآن میں حقائق کی طرح مطالب وحی کی بھی دو قسمیں ہیں۔ وحی عقل کی درماندگیوں کو دور کرنے کیلئے ہے۔ عقل سے آگے نبوت ہے، مجدد الف ثانی، علامہ ابن خلدون کے تاثرات انسان کی فکری گمراہی کی داستان، فلاسفہ کے انکار کا حافظ ابن تیمیہ نے تجزیہ کیا ہے، شیخ اکبر کا امام رازی کے نام خط۔ الجام العوام میں امام غزالی کا اقرار۔

مکرم! السلام علیکم

دوسرے مسائل کی طرح کلام بھی متکلمین کی دیرینہ دلچسپیوں کا سامان ہے۔ جو لوگ تنزیہہ کے بہانے تاویل کرنے کے خوگر ہیں ان کا کہنا ہے کہ کلام خدا کی صفتِ فعلی ہے صفت ذاتی نہیں۔ اشاعرہ نے ذرا فراخ حوصلگی سے کام لیا ہے اور گویا بخیالِ خویش عقل و نقل میں تطبیق کی مفید اور کارآمد تدبیر یہی ہے کہتے ہیں کلام کی دو قسمیں ہیں۔ نفسی اور لفظی۔ نفسی صرف مدلولِ لفظ اور لفظی حروف و صورت کے مرکب کو کہتے ہیں۔ نفسی خدا کی صفت ذاتی ہے لفظی صفت نہیں ہے۔ نفسی مخلوق نہیں لفظی مخلوق ہے۔ قرآن کی صورت میں جو کچھ موجود ہے کلام نفسی نہیں بلکہ کلام لفظی ہے مگر قرآن مخلوق نہیں کیونکہ یہ اللہ کا کلام ہے بایں معنے کہ یہ خدا کی صفت کلام کے لئے نشانِ راہ ہے نشانِ راہ کو مخلوق

کہنے سے گریز ناگزیر ہے۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی مخلوق کہتے کہتے خدا کے اس کلام کو جو اس کے لئے صفت قدیم ہے مخلوق کہہ دے۔ بالفاظ دیگر ہے تو مخلوق مگر سداً للذریعہ نہ کہنا چاہیئے کیسا غلط اور کس قدر لوچ خیال ہے۔ دنیا جانتی ہے کہ قرآن میں خود قرآن کے لئے جہاں کلام اللہ بولا گیا ہے اس سے قطعاً اور یقیناً کلام لفظی مراد ہے نہ کہ نفسی۔

قد کان فریق منھم یسمعون	ایک فریق ان میں سے اللہ کا کلام
کلام اللہ	سنتا ہے

میں خدا کی صفت قدیم کو سننے کا ذکر ہو رہا ہے اور کہا۔

یریدون ان یبدلوا کلام اللہ	یہ لوگ اللہ کے کلام کو بدلنا چاہتے ہیں

میں یہودی خدا کی صفت قدیم کو بدلنا چاہتے تھے۔ بات چونکہ بڑے لوگوں کے منہ سے نکل رہی ہے اس لئے ملتے ہیں ورنہ جہاں تک عقل کا تقاضا ہے بات سمجھ میں نہیں آتی۔ یہی وجہ ہے کہ جن اشخاص سے شخصیتوں کی گرفت ڈھیلی ہوئی ہے اور قدرت نے جن کو آزاد ماحول میں سوچنے کی نعمت ارزاں فرمائی ہے انہوں نے تنزیہہ کی بنیادوں پر بنائے ہوئے تاویل کے اس گھروندے کو ڈھا کر تفویض کے محل میں پناہ لی۔

تین مسئلے صفات الٰہی، فوقیت اور کلام ان کو کلامی نقطہ نگاہ سے سمجھنے کی ۔ میں نے جس قدر بھی کدوکاوش کی اسی قدر سکون کی جگہ اضطراب اور اطمینان کی جگہ بے قراری کا نشانہ بنا۔ صفات میں تاویل ہو یا توقف ان کو بلا تاویل مانا جائے یا تشبیہہ اور تمثیل کے تیشے سے ان کی مرمت کی جائے۔ خدا کی کتاب اور اس کے رسول کی تشریحات تو کھلم کھلا صفات کو حقائق کے درجے میں پیش کرتی ہیں۔ لیکن متکلمین کو اصرار ہے کہ کلام کو واقعہ اور حقیقت کے

Marfat.com

طور پر نہیں بلکہ صرف ایک نظریہ کے درجے میں مانا جائے اور نظریاتی طور پر ماننا بھی تاویل و توجیہ کا ماننا ہو۔ مثلاً وہ کہتے ہیں کہ کلام اللہ کا مفہوم معنی قائم بالذات بلا حرف و صوت کے سوا کچھ نہیں ۔۔ آخری دور میں علامہ محمود آلوسی ان لوگوں میں سے ہیں جن کی علمیت کی شہرت ہے اور نہ صرف یہ کہ انہوں نے اپنی تفسیر میں ان مسائل کو سلجھانے کی کوشش کی ہے بلکہ خود ان کو اپنے بارے میں دعویٰ ہے۔

اوردھا فی ھذا الکتاب	میں ان مسائل کو ایسے انوکھے طریق پر
باسلوب عجیب وتحقیق غریب	بیان کروں گا کہ اس انداز پر تم نے کبھی
	نہ سنا ہوگا۔

لیکن مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ بات سُلجھنے کی جگہ اور اُلجھ گئی۔ پہلے کلام کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے دو گرہوں کو کھولنا پڑتا تھا اور اب دو کی جگہ چھ کو کھولنا پڑتا ہے۔

بیچارے متکلمین نے بڑی رد و کد، تگ و دو اور کوشش کے بعد یہ راہ نکالی تھی کہ کلام کو دو قسموں نفسی اور لفظی میں تقسیم کیا۔ مؤخر الذکر کو اوّل الذکر کے لئے نشان بتایا۔ نفسی کو صفت قدیم اور لفظی کو حادث اور اس کا وجود خدا کے ساتھ ممتنع بتایا۔ شرح عقائد میں ہے۔

ویمتنع قیام اللفظی	کلام نفسی حادث کا اللہ کی ذات کے
بذاتہ تعالیٰ فیتعین النفسی	ساتھ قیام ناممکن ہے صرف کلام نفسی
القدیم	قدیم ہے اور یہی اللہ سبحانہٗ کی صفت ہے۔

لیکن بے چارے نہ بتا سکے اور انگلی رکھ کر یہ متعین نہ کر سکے کہ نفسی کیا ہے۔ اس کا کوئی وجود بھی ہے یا نہیں۔ علامہ محمود آلوسی نے یہ کہہ کر اسے اور

Marfat.com

چیستان بنا دیا کہ:-

کلام نفسی حق تعالیٰ شانہٗ کی صفت قدیم ہے اور لفظی کے خدا کے لئے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کلمات غیبیہ جن میں کسی طرح کا مادہ نہ ہو نہ حسی نہ خیالی اور نہ روحانی اور یہ کلمات ازلیہ ہوں قرآن اسی معنے کے لحاظ سے کلام اللہ ہے کہ وہ کلماتِ غیبیہ ہیں جو مجرد عن المواد ہیں قرآن کے نزول کا مطلب یہ ہے کہ کلماتِ غیبیہ نے روحانی، خیالی اور حسی مواد میں صوتوں کا لباس پہن لیا ہے۔

یہ ہے تحقیق۔ فرمائیے آپ کیا سمجھے۔ کسی کا پتہ نہیں میں تو اپنی کہتا ہوں کہ میں کچھ نہیں سمجھا۔ شائد میری کوتاہ علمی اس میں حائل ہو مگر جو اپنے تئیں سمجھا ہوا سمجھتے ہیں وہ بھی حیران ہیں اور ہیں بھی فن کے امام شاہ ولی اللہ حکیم الامت ہیں اور اس قسم کے مسائل میں ان کی ژرف نگاہی بھی مشہور ہے۔ فرماتے ہیں۔

لا ادری ما الذی یسمونہ کلاماً نفسیاً	مجھے پتہ نہیں کہ وہ کس چیز کو کلام نفسی کہتے ہیں

امام ابو محمد عبداللہ الجوینی امام الحرمین کے والد کہتے ہیں:-

انی کنت برھۃ من الدھر	میں ایک زمانے تک تین مسئلوں
متحیرا فی ثلاث مسائل	میں حیران رہا۔ مسئلہ صفات مسئلہ
مسئلۃ الصفات مسئلۃ الفوقیۃ	فوقیت اور مسئلہ حرف و
ومسئلۃ الحرف والصوت	صوت۔

آگے سنیئے:-

وکنت متحیرا فی الاقوال	اور میں کتابوں میں موجود مختلف
المختلفۃ الموجودۃ	باتوں پر حیران تھا۔

Marfat.com

فی کتب اھل العصر

یہ واقعہ ہے کہ اس چیستان کے سہارے کم از کم کلام اللہ کی حقیقت کو سمجھنا ناممکن ہے۔

سوال یہ ہے کہ اگر دین اور دینی حقائق کے بارے میں خود مطمئن ہونے اور دوسروں کو مطمئن کرنے کے لئے طبعی راہ وہی ہے جو قرآن نے پیش کی ہے تو پھر علم کلام کا کیا فائدہ ہے۔ آپ مانیں یا نہ مانیں میں تو وہی کچھ کہوں گا جو الجام میں امام غزالی، اور نصیحۃ المسلمین میں امام ابو محمد جوینی نے کہدیا ہے۔

قرآن کے دلائل غذا کے درجے میں ہیں، ہر انسان ان سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ کلامی موشگافیاں دوا کی حیثیت میں ہیں کچھ کے لئے سودمند ہیں مگر بہتوں کو اس کے استعمال سے نقصان ہو رہا ہے۔ قرآنی تصریحات پانی کی طرح ہیں دودھ پیتا بچہ بھی پی سکتا ہے لیکن کلامی کچن کے روغنی کھانے صرف طاقت ور ہی کھا سکتے ہیں اور وہ بھی زیادہ استعمال سے گاہ گاہ بیمار ہو جاتے ہیں۔

کلامی بازاروں میں شور مچا ہوا ہے کہ صحابہ اور تابعین کے زمانے میں بدعتوں کا ہجوم نہ تھا، عقلیت کا فریب نہ تھا۔ آنے والے دور نے کروٹ لی اس لئے متاخرین کو بدعت اور عقلیت کے مریضوں کا علاج علم کلام کی راہ سے کرنا پڑا۔

علم الکلام راجع الی علم معالجۃ المرضی بالبدع	علم کلام کا مقصد مریضان بدعت کا علاج کرنا ہے۔

الجام ہی میں امام غزالی نے اس کا جواب دیا ہے اور خوب دیا ہے۔

صحابہ اور تابعین کو اپنی دینی زندگی کے لئے یہود و نصاریٰ سے مقابلہ کرنا پڑا۔ رسالت کے اثبات اور قیامت کے وجود پر ان سے بحث و مباحثے ہوئے

Marfat.com

لیکن اس کے باوجود عہد رسالت، صحابہ اور تابعین میں ان دلائل سے ہٹ کر جو قرآن نے پیش کر دیئے تھے کبھی بھی کسی دوسرے میگزین سے امداد کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔ ان کو یقین کامل تھا۔

من لا یقنعہ ادلۃ القرآن — جسے قرآنی دلائل سے اطمینان نہیں ہوتا

لا یقمعہ الا السیف والسنان — اسکا منہ بند کرنیوالی چیز تلوار کے سوا اور کیا

فما بعد بیان اللہ بیان — ہے اللہ کے بیان کے بعد کوئی بیان نہیں ہے

واقعہ یہ ہے کہ کلامی بازاروں میں ادلۃ القرآن وا لسنتہ سے ہٹ کر جو دلائل بھی پیش کئے گئے اس سے صحت کی جگہ بیماری پیدا ہوئی۔ سکون کی جگہ اضطراب اور پریشانی نے لے لی۔

میں سمجھتا ہوں کہ علم الکلام کا اساسی مقصد اسلامی سوسائٹی کے لئے عقائد کی فراہمی کا کوئی خاص عقلی نہج پر سلیبس تیار کرنا نہ تھا بلکہ اس کی اصلی غایت یہ اور صرف یہ تھی کہ جن لوگوں کی طبیعتوں نے کفر کی گود میں رہنے کا فیصلہ کر لیا تھا اور وہ اپنے اسی فیصلے پر رہتے ہوئے اسلام پر حملہ آور ہو رہے تھے اور اسلام پر حملہ کے لئے یونانی فلسفہ کے میگزین سے ہتھیار لے کر آئے تھے اور چاہتے تھے کہ اس طرح اسلام کی عمارت گرا دیں۔ اصول جنگ کے مطابق یہ تو سب ہی کرتے ہیں کہ اپنے ہتھیاروں سے دوسروں کا مقابلہ کریں۔ اپنی قوت دوسروں کے مقابلہ پر صرف کریں صحیح ہے کہ مدمقابل کی طاقت کم ہو تو شکست کھا جاتا ہے مگر خود اپنا بھی کچھ نکل جاتا ہے۔ اسے وقت کی سیاسی مہارت سمجھیئے کہ گھر سے نکلے ہیں مقابلہ کے لئے مگر خالی ہاتھ ہیں ارادہ ہے کہ اپنی دولت اور اپنے سرمائے کو آنچ نہ آئے دوسروں کے سرمائے سے کھیلیں۔ ایسا ہی ہوا۔ قرآنی دلائل اپنی جگہ رہے، سنت کی پکار اپنے مقام پر رہی۔ انہیں کے میگزین سے دلائل کا اسلحہ لے کر ان سے مقابلہ کیا مسعودی

Marfat.com

نے المہدی کے بارے میں جو یہ لکھا ہے۔

کان المہدی اول من امر الجد لیین من اہل البحث من المتکلمین بتصنیف الکتاب علی الملحدین	مہدی نے ملاحدہ کے خلاف متکلمین میں سے اہل جدل کو کتاب لکھنے کا حکم دیا۔

تو اس کا مطلب اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ خود ملاحدہ ہی کی مرمت ملاحدہ ہی کے اسلحہ خانے سے کی جائے۔ کہتے ہیں کہ سندھ کے راجہ نے ہارون الرشید سے ایک خط میں یہ مطالبہ کیا تھا کہ اگر اسلام تلوار کے زور سے نہیں بلکہ دلائل و براہین کی قوت سے پھیلا ہے تو میرے پاس ایک عالم کو بھیجئے۔ اگر وہ دلائل سے مجھے سمجھا دے گا تو میں اسلام قبول کر لوں گا۔ ہارون نے ایک عالم کو بھیجا۔ درباریوں میں سے ایک شخص مناظرہ کیلئے سامنے آیا اور بولا آپ کا خدا قادر ہے یا نہیں عالم بولے کہ ہاں قادر ہے۔ اس نے کہا اپنے جیسا پیدا کر سکتا ہے یا نہیں عالم نے کہا کہ اس قسم کی لایعنی باتیں کلام سے تعلق رکھتی ہیں میں اسے اچھا نہیں سمجھتا۔ راجہ نے ہارون کو لکھ دیا کہ پہلے میرا صرف خیال ہی خیال تھا۔ اب یقین ہو گیا کہ اسلام دلائل سے نہیں بلکہ تلوار سے پھیلا ہے۔ ہارون نے متکلمین کو بلایا۔ متکلمین دربار میں آئے تو ان میں سے ایک لڑکے نے اس شبہ کو حل کر دیا کہ یہ ایسا سوال ہے جیسے کوئی کہے کہ خدا جاہل بننے پر قادر ہے یا نہیں۔ خدا ایسی شے پیدا کر سکتا ہے جو حادث اور ممکن نہ ہو۔ ہارون نے اس واقعہ کے بعد معمر بن عباد کو راجہ کے پاس بھیجا۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ علم کلام کا مقصد یہ اور صرف یہ تھا کہ جن راہوں سے اسلام پر حملہ کیا جائے۔ انہیں راہوں سے مخاطبوں کو جواب دیکر چپ کرا دیا جائے۔ امام غزالیؒ نے المنقذ من الضلال میں بڑی صفائی سے یہ بتایا کہ۔

ثم القی الشیطن فی وساوس	پھر شیطان نے مبتدعہ کے وسوسوں میں
المبتدعۃ امورًا مخالفۃ	مخالف سنت باتوں کا اور اضافہ کر دیا
للسنۃ فلجُوبِہا وکادوا	مبتدعہ اسی کے ہو رہے اور اسی کو
یشوّشون عقیدۃ الحق علٰی	عقیدہ بنا کر اہل حق کے خلاف نبرد آزما
اھلھا فانشأ اللہ طائفۃ	ہو گئے۔ اللہ نے ان کے لئے متکلمین
المتکلمین فمنہ نشأ علم الکلام	پیدا فرمائے۔ بس یہی علم کلام اور متکلمین
واھلہ	کی نشأۃ اولیٰ ہے۔

متکلمین کی مدافعت کا ذکر کرتے ہوئے جو یہ طریق مدافعت

ولکنھم اعتمدوا فی ذٰلک	مگر انہوں نے ان ہی کے مسلمات
علٰی ما تسلموھا من خصومھم	پر اعتماد کر لیا۔

اور

وکان اکثر خوضھم فی استخراج	ان کے غور و فکر کی جولانگاہ مخالفین
متناقضات الخصوم ومواخذتھم	کی تردید اور ان کے مسلمات پر گرفت
للوازم مسلماتھم	بنی۔

کا تذکرہ کیا ہے تو اس سے مقصود یہی جتانا ہے کہ علم الکلام کا مقصد اصلی اپنوں کو مطمئن کرنا نہیں بلکہ دوسروں کو چپ کرنا ہے کسی نے کیسی اچھی بات کہی ہے۔

مذہب کی مخالفت میں جو کچھ کہا جاتا ہے علم کلام کا طالب علم اپنے اندر یہ ڈر محسوس کرتا ہے کہ مذہب کی تائید میں اس سے زیادہ بڑھ چڑھ کر کیا کہا جا سکتا ہے۔

میرا مقصد علم کلام کی وقعت کو گرانا نہیں ہے بلکہ کہنا یہ چاہتا ہوں کہ

فن بڑا اچھا ہے اور بہت ہی لطیف ۔ مگر اس لئے نہیں کہ اس راہ سے ایمان ہاتھ آتا ہے اور انسانی فطرت اس کے آگے جھکتی ہے بلکہ اس لئے کہ بوالہوسوں کا ایسا غوغا کہ مذہبی ہونا، دیندار ہونا احمق و بیوقوف ہونے کے ہم معنی ہے ۔ ہارون کی طرح اس علم کے ذریعے تردید کی جائے اور ایمان تو صرف پیغمبر کی شخصیت پر اعتماد کر لینا اور اعتماد کے ساتھ جو کچھ کہا جاتا ہے اسے بغیر دلیل کے ماننے کا نام ہے جیسا کہ پہلے کہہ آیا ہوں کہ علم الکلام مسافر کو عقل کی روشنی اور مشعل دکھا کر ایمان کا راستہ دکھانا چاہتا ہے حالانکہ ایمان کی بستی عقل سے آگے ہے کیونکہ ایمان نام ہے ماننے کا اور حق کوائف، احوال، اشیاء کے ماننے کا ہم سے مطالبہ ہے قرآن و سنت نے بتایا ہے کہ ہم ان کی حقیقت کا اس دنیا میں تصور بھی نہیں کر سکتے ۔

فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین

ایک حدیث میں خود نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اسی حقیقت کو واضح فرمایا ہے ۔

لا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر (مسلم)

قرآن میں علم کی نفی تھی حدیث میں علمی ذرائع کی نفی ہے ۔ انسان کے پاس علم کے تین ہی ذریعے ہیں آنکھ، کان اور عقل ۔

ان السمع والبصر والفواد کل اولئک کان عنہ مسئولا ۔

یعنی وہاں کی باتیں ہمارے محسوسات اور ادراک کی گرفت میں نہیں آسکتیں اس بارے میں ہماری عقل و کاوش کچھ معلوم نہیں کر سکتی کیونکہ ہم مادی زندگی کے احساسات کی زنجیروں میں کچھ اس طرح جکڑے ہوئے ہیں کہ ان سے آزاد ہو کر حقیقت حال کا تصور بھی نہیں کر سکتے ۔ لہذا اس کے سوا چارہ ہی نہیں کہ اس عالم کو مانیں

Marfat.com

اور یقین کرلیں اور جو کچھ نہیں پا سکتے اس کی کاوش میں سرگرداں نہ ہوں۔ اگر سرگرداں ہونگے تو حقیقت کا سراغ تو نہیں ملے گا۔ البتہ نئے نئے وہموں اور گمانوں میں مبتلا ہو جائیں گے۔ اسی بنا پر قرآن نے جس طرح حقائق کی دو قسمیں کردی ہیں ٹھیک اسی طرح اس نے مطالب وحی کی دو قسمیں بتائی ہیں۔ محکمات اور متشابہات۔ وہ حقائق جو عالم غیب سے تعلق رکھتے ہیں وہ متشابہات ہیں ان کی نسبت فرمایا ہے۔

لا یعلم تاویلہ الا اللہ

یہ بات کہ جب ان مسائل پر عقل کچھ سوچ نہیں سکتی تو پھر اس راہ کی معلومات بہم پہنچانے کا ذریعہ کیا ہے۔ اس راہ کی معلومات اور اس عالم کے حقائق معلوم کرنے کا ہمارے پاس صرف ایک ذریعہ ہے اور یہی عالم غیب کے کوائف معلوم کرنے کی ایک واقعی اور فطری راہ ہے۔ علم کے اس ذریعہ کا نام "وحی و نبوت" ہے۔

ہم اس ذریعہ پر کیوں یقین کریں۔ اس لئے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک بچہ پیدا ہوتے ہی غذا کے لئے رونے لگتا ہے۔ اور پھر بغیر اس کے کہ اسے باہر سے کوئی رہنمائی ملے ماں کی چھاتی منہ میں لیتے ہی اسے چوستا اور اپنی غذا حاصل کرتا ہے۔ یہ وجدان کی پکار ہے جو طلب وسعی کا جوش پیدا کرتی ہے۔ لیکن ہمارے وجود سے باہر جو کچھ ہے اس کا ادراک نہیں کرسکتی ہے۔ اس مرحلہ پر وجدان کے لئے حواس کی دستگیری نمایاں ہوتی ہے۔ آنکھ دیکھتی ہے۔ کان سنتا ہے زبان چکھتی ہے ہاتھ چھوتا ہے ناک سونگھتی ہے اور اس طرح اپنے وجود سے باہر کی تمام محسوس اشیاء کا ادراک حاصل کرلیتے ہیں۔ لیکن حواس کی دستگیری خاص خاص حدود میں کام دے سکتی ہے اس سے آگے نہیں بڑھ سکتی حواس صرف اتنا ہی کرسکتے ہیں کہ اشیاء کا احساس پیدا کردیں لیکن صرف احساس ناکافی ہے۔ زندگی کو یہاں

Marfat.com

استنباط کی ضرورت ہے۔ احکام کی ضرورت سے کلیات کی ضرورت ہے یہ کام عقل کرتی ہے۔ وہ ان تمام مدرکات کو جو حواس کے ذریعے حاصل ہوتے ہیں ترتیب دیتی ہے اور ان سے احکام و کلیات کا استخراج کرتی ہے۔

جس طرح وجدان کی نگرانی کے لئے حواس کی ضرورت تھی۔ اسی طرح حواس کی تصحیح کے لئے عقل کی ضرورت ہوئی وہ حواس کی درماندگیوں میں رہنمائی کرتی ہے وہ تبلاتی ہے کہ سورج ایک عظیم الشان کرہ ہے۔ اگرچہ آنکھ اسے ایک سنہری تھال سے زیادہ محسوس نہیں کرتی لیکن جس طرح وجدان کی حواس نے دستگیری کی کیونکہ وجدان ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ اور جس طرح حواس کی راہنمائی کے لئے عقل نمودار ہوئی کیونکہ حواس کی ہدایت بھی ایک خاص دائرے سے آگے نہ بڑھتی تھی ٹھیک اسی طرح عقل کی درماندگیوں میں بھی ایک دستگیر کی ضرورت ہے کیوں کہ عقل بھی ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھ سکتی عقل کی فرمانروائی جو کچھ اور جتنی کچھ اور جیسی کچھ بھی ہے وہ محسوسات کے دائرے میں محدود ہے یعنی وہ صرف اسی حد تک کام دیتی ہے جس حد تک ہمارے حواس خمسہ معلومات بہم پہنچاتے رہتے ہیں۔ لیکن محسوسات کی سرحد سے آگے کیا ہے اس پردے کے پیچھے کیا ہے۔ یہاں پہنچکر عقل درماندہ ہو جاتی ہے۔ عقل کی انہی درماندگیوں کو دور کرنے کے لئے جو ہدایت اور دستگیری نمایاں ہوئی اسی کا نام وحی و نبوت ہے۔

حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ نے اس علمی ذریعہ یا اسی ہدایت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

چنانچہ طور عقل ورائے طور حس است کہ آنچہ بحس مدرک نمی شود عقل ادراک آں مے نماید۔ ہم چنیں طور نبوت ورائے طور عقل است آنچہ

Marfat.com

بعقل مدرک نشود و بتوسل نبوت درک ے آید و ہرکہ ورائے طور عقل طریقے از برائے معرفت اثبات نمی نماید فی الحقیقت منکر نبوت است ص ۴۰/۴۷

علامہ ابن خلدون مجدد صاحب کے پورے پورے ہم زبان ہیں۔ مجدد صاحب سے ذرا زیادہ تشریح کے ساتھ اپنے مقدمہ تاریخ میں لکھتے ہیں۔

فاتھم ادراکک ومدرکاتک	اپنی دانش و بینش کو بالائے طاق کہ
فی الحصر واتبع ما امرک الشارع	اور شارعؑ کے حکم پر چل چاہے عقیدہ
من اعتقادک وعملک فھو	ہو یا عمل یاد رکھ ذات نبوت نہ صرف
احرص علی سعادتک واعلم	تیرے سعید ہونے کی حریص ہے بلکہ تیرے
بما ینفعک لانہ من طور فوق	منافع سے بھی باخبر ہے کیونکہ اس کا
ادراکک۔	علمی مقام تیرے علم سے بالا ہے۔

انسان کی ساری فکری گمراہیوں کی داستان یہ ہے کہ وہ یا تو عالم شہادت میں بھی عقل و دانش سے اس قدر کورا ہو جاتا ہے کہ ہر بات بے سمجھے بوجھے مانتا جاتا ہے اور ہر راہ میں آنکھیں بند کئے چلتا ہے یا پھر عقل و بینش کا اتنا غلط استعمال کرتا ہے کہ عالم غیب کی باتوں کو عقل کی ترازو میں تولتا ہے اور عقل سے اوپر کسی علمی ذریعہ کو تسلیم ہی نہیں کرتا اور جہاں کوئی حقیقت اس کی سمجھ سے بالاتر ہوئی اس نے فوراً رد کر دیا۔ بلاشبہ علم و انکشاف کے ہر عہد میں ایسی جلد باز طبیعتیں بھی ہوئیں جنہوں نے صرف عدم ادراک کی بنا پر عالم غیب کے مسائل کا انکار کر دیا۔ لیکن ان کے انکار سے حقیقت نہیں بدلی۔ النبوات میں حافظ ابن تیمیہ نے ان فلاسفہ کے بارے میں جو عالم غیب کی گرہوں کو عقل کے ناخنوں سے کھولنا چاہتے ہیں اور جب گرہیں کھلنے میں نہیں آتیں تو انکار کر دیتے ہیں کیسا

Marfat.com

اچھا فقرہ لکھا ہے:۔

بینکم ھم بعدم العلم لا للعلم بالعدم ص۲۲

معلومات کی بنیاد عقل و حواس کی جگہ جہاں اس ذریعے یعنی وحی و نبوت پر ہوئی اس کا اصطلاحی نام دین اور مذہب ہے اور جن شخصیتوں میں قدرت کی جانب سے اس خاص ذریعے سے معلومات حاصل کرنے کی صلاحیت و قوت فراہم کی جاتی ہے ان کو مذہبی زبان میں نبی اور رسول کہا جاتا ہے۔ پیغمبر کے سامنے یہ عالم عالم شہادت ہوتا ہے اور وہ براہ راست سب کچھ ہوتا ہوا آنکھوں سے دیکھتا ہے اور جانتا ہے۔

افتمارونہ علی مایری

ہم آنکھوں سے نہیں دیکھتے مگر پیغمبر کی زبان سے سن کر مانتے ہیں۔ اسی کا نام قرآن کی زبان میں ایمان بالغیب ہے۔ ہم اس موضوع پر جو کچھ، جیسی کچھ اور جتنی کچھ بھی باتیں پیش کریں گے ان کا براہِ راست ماخذ یہی ہوگا یعنی وحی و نبوت۔ معلومات ہی کی بنیاد جہاں عقل اور صرف عقل پر ہے یعنی محسوسات کی چار دیواری کو پھاند کر محسوس قوانین کے دائرے سے باہر نکل کر عقل سے ان امور کا بھی پتہ لگایا جاتا ہے جو احساسات کی گرفت سے باہر ہیں۔ وہ فلسفہ کا شعبہ الٰہیات اور مابعد الطبیعیات ہے۔ دین ہی کی باتوں کو جہاں عقل کی ترازو پر تولا جاتا ہے اور منہ زوری کے ساتھ اپنے مخاطب کو مطمئن نہیں بلکہ ساکت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اس کا نام علم الکلام ہے۔ بتانے والوں نے یہی بتایا ہے کہ یہ راہ یعنی غیبی امور کو عقل کی ترازو سے تول کر جاننے کی راہ ماننے کی راہ سے زیادہ خطرناک ہے۔ تجربہ کاروں کا کہنا ہے کہ ماننا آسان ہے اور جاننا مشکل ہے۔ جاننے والے حیرانی کا شکار ہوتے ہیں۔ حافظ ابن تیمیہ نے اپنی تصنیفات میں جگہ جگہ امام رازی کی متکلمین کے نام پر لکھی ہوئی جو کھلی چٹھی نقل کی ہے اسے دیکھ کر عبرت ہوتی ہے۔

Marfat.com

لقد تاملت الطرق الکلامیة والمناھج الفلسفیة فما رأیتہا تشفی علیلاً وتروی غلیلاً ووجدت اقرب الطرق طریقة القرآن۔

حالانکہ امام رازی کا علم الکلام کے متعلق سب سے بڑا کارنامہ ہی فلسفہ کا رد ہے سب سے پہلے امام صاحب ہی نے علم کلام فلسفہ کے انداز پر لکھا ہے۔ جس شخص نے امام موصوف کی بلند پایہ تصنیفات نہایتہ العقول، اربعین، محصل البیان اور تفسیر کبیر میں کلامی مباحث کا مطالعہ کیا ہے اسے امام رازی کے اس اقرار کو ماننے میں تامل ہوگا شاید شیخ اکبر کی نصیحت کا اثر ہو۔ کشکول میں شیخ اکبر کا ایک خط نقل کیا ہے۔ خط امام رازی کی جانب ہے۔ خط میں سب سے زیادہ نمایاں نصیحت یہ ہے۔

فاذن ینبغی للعاقل ان یتعرض لنفحات الجود ولا یبقی ما سورا فی قید نظرہ وکسبہ	عقل مند کا کام یہ ہے کہ فیضان الٰہی حاصل کرنے کے لئے تیار ہو اور فکر و نظر کا قیدی بن کر نہ رہے۔

اسی نصیحت کا اثر ہے جو امام رازی کی زبان پر یہ بات ہے۔

من جرب مثل تجربتی عرف مثل معرفتی	جو بھی میری طرح تجربہ کرے گا اسے میری طرح پتہ لگ جائے گا۔

امام غزالی نے ابتداء میں علم کلام میں اشاعرہ کی حمایت کی لیکن بالآخر ان کی رائے بدل گئی اور الجام العوام میں کلامی دلائل کو وہمی اور ظنی کہنا ہی پڑا۔
کتنی کھلی بات ہے کہ کلامی دلائل وہمی ہیں۔ انہیں لوگ مان رہے ہیں کہ علماء میں مشہور ہیں اور آج اس سے انکار معیوب سمجھا جاتا ہے۔ الجام میں اس عنوان سے ایک باب قائم کیا ہے۔

الباب الاول فی شرح اعتقادات السلف

اور پھر آغاز ہی میں یہ بات کہی ہے۔

Marfat.com

اعلمان الحق الصریح الذی	کھرا ادر صاف حق جس میں اہل بصیرت کو کوئی
لامراء فیہ عند اھل البصائر	شبہ نہیں وہ صرف مذہب سلف
ھو مذھب السلف اعنی مذھب	یعنی صحابہ اور تابعین کا مذہب
الصحابۃ والتابعین	ہے۔

صرف یہی نہیں بلکہ امام صاحب نے بتایا ہے کہ عوامی رائے غیب کے معاملات کے سامنے کس کس طرح جھک سکتی ہے اور اس راہ میں نبوت کی بتائی ہوئی باتوں کو کیسے مان سکتی ہے

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بشکریہ حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب میر مرحوم سیالکوٹی

ڈسٹرکٹ جیل سیالکوٹ

۲۲ راکتوبر ۱۹۵۳ء

حکیم الامت شاہ ولی اللہ کے نزدیک معاش کی حقیقت، اس کے عناصر، غربت میں انسان کا مقام، سوسائٹی میں درمیانہ درجہ، بہت بڑی سرمایہ داری اللہ کو ناپسند ہے، نمونہ کی معتدل زندگی۔ زمین کی اکتساب میں حیثیت، خداعت میں رفاہ عام کی خاطر اصلاحی اقدام، رفاہیت بالغہ، تجارتی فتنے، کنٹرول اور اسلام میں اس کا مقام ـــــ

تلمیذی العزیز! السلام علیکم

تم نے مجھ سے بار بار پوچھا ہے کہ میں شاہ صاحب کو کیسے پڑھتا ہوں۔ جی میں آیا کہ لاؤ تمہیں بتا دوں۔ مگر بتانے سے پہلے یہ بات واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میں جس موضوع پر شاہ صاحب کا تعارف کرانا چاہتا ہوں۔ میرا ذہن اس کے متعلق بیرونی معلومات سے خالی ہے۔ میں نہیں جانتا کہ سوشلزم اور کمیونزم کا واضح نقطہ نظر کیا ہے اور مجھے معلوم نہیں کہ جمہوری نظام کے مکتب فکر کے آدمی اس پر کیسے غور کرتے ہیں۔ اور نہ مجھے یہ پتہ ہے کہ ایک خاص شاہی مزاج انسان خواہ دستوری ہو یا غیر دستوری، اس موضوع پر اپنے مقام پر کیا دلائل رکھتا ہے۔ اس سے میں ضرور واقف ہوں کہ اس نقطہ پر ان میں باہم اختلاف ہے۔ لیکن اس اختلاف کے تفصیلی کوائف سے میں ناآشنا ہوں۔ اس لئے شاہ صاحب کے متعلق اس موضوع پر جو کچھ بھی پیش کروں گا وہ کسی اثر کا نتیجہ نہیں بلکہ بغیر کسی بیرونی تاثر کے شاہ صاحب کے متعلق یہ میری ذاتی معلومات ہیں اور بس۔

سب سے پہلے شاہ صاحب کی زبان سے یہ بتانا ضروری ہے کہ معاشیات کیا ہیں ـــــ البدور البازغہ میں ہے۔ معاشیات یہ ہیں کہ اخلاق فاضلہ، تجربی

Marfat.com

علوم، اور رائے کلی کے موافق تمہاری ضروریات کی تکمیل ہو۔ ضروریات کئی طرح کی ہیں مثلاً کھانا، پینا، صفائی، آرائش، لباس، مکان، رفتار، گفتار، خواب، ازدواجی زندگی بیماری اور تکلیف۔ یہ معاشیات کے میٹے موٹے اصول ہیں ــ

گویا بالفاظ دیگر شاہ صاحب کی اصطلاح میں حیوانی اور انسانی ضروریات کی پابجائی کا نام حکمت معاشی ہے۔ حجۃ اللہ البالغہ میں معظم مسائل معاش بتاتے ہوئے جو تفصیل دی ہے اسے دیکھ کر تو اندازہ ہوتاہے کہ زندگی میں پھیلی ہوئی وہ ساری ضروریات جن کا ہر شخص زندگی کے ہر موڑ پر ضرورت مند ہے معاشیات ہیں ــ معاشیات کی گاڑی چلنے کے لئے جس سڑک اور جس پٹرول کی قوت کی ضرورت ہے۔ شاہ صاحب کی اصطلاح میں اس کا نام اکتساب، تعاون تعامل ہے۔ شاہ صاحب کی زبان میں اکتساب کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص اپنی صلاحیت کے موافق عادی اسباب کی ہم نوائی میں کوئی کام کرے۔ (بدور)

تعامل یہ ہے کہ ان میں آزادانہ لینا دین اور تجارت ہو۔

تعاون یہ کہ ان میں باہم کفالت، مضاربت، شرکت و وکالت اور استیجار کی سپرٹ ہو (بدور بازغہ)

اکتساب کا دوسرا نام مکاسب ہے۔ حجۃ اللہ البالغہ میں اصول مکاسب کی تشریح کی ہے۔ فرماتے ہیں

زراعت، شبانی، معادن، نباتات اور حیوانات کی فراہمی، صناعت، نجاری، حدادی، حیاکت، تجارت اور ملازمت اصول مکاسب ہیں۔ حجۃ اللہ البالغہ میں یہ بھی بتایا ہے کہ

چونکہ انسان مدنی الطبع ہے۔ اس کی معاشی زندگی کی گاڑی باہمی تعاون کے بغیر چل نہیں سکتی۔ اس لئے باہمی تعاون واجب ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ کوئی ان

Marfat.com

ضروریات سے محروم نہ رہے جنکی مدنیت کیلئے ضرورت ہے (ص۱۳)

مکاسب کے موضوع پر اگرچہ تفصیلات بہت کچھ فراہم ہو سکتی ہیں مگر درحقیقت اصولی طور پر سارے مکاسب زراعت، تجارت، صناعت اور ملازمت میں سمٹے ہوئے ہیں۔

جب بھی اور جہاں بھی تمدن رونما ہوتا ہے۔ خواہ اس تمدن کو اپنانے والی برادری صرف ہزار ہو۔ شاہ صاحب کے خیال میں سیاست مدنیہ کا اولین کام یہ ہے کہ ان لوگوں کے مکاسب کو دیکھے۔ اس کے بعد تفصیلی گفتگو کی ہے۔ مکاسب خواہ کچھ ہوں مگر واقعہ یہ ہے کہ انہیں کی قوت سے انسانی معیشت میں طبقاتی بحران پیدا ہو جاتا ہے۔ امیر اور غریب کی آویزش اس کا ناگزیر نتیجہ ہے البدور البازغہ میں صاف لکھا ہے کہ

آدمی چند حصوں میں تقسیم ہیں۔ بہت زیادہ سرمایہ دار۔ درمیانے درجے والے اور بہت زیادہ غریب۔ غریبوں کے متعلق ان کا تاثر خود ان کی زبان ہی سے سن لیجئے۔ فرماتے ہیں:۔

لا یستوفی حوائجہ الا قریبًا	ان کی ضروریات زندگی صرف چوپایوں
من استیفاء البہائم	کی طرح پوری ہوتی ہیں۔

اللہ اکبر! انسانوں میں ایسے انسان بھی ہیں جن کی زندگی کی ضروریات کی تکمیل کا مقام انسانی نہیں بلکہ حیوانی ہے انا اللہ وانا الی اللہ المشتکی۔ بدور بازغہ میں سرمایہ دار اور غریب کا ذکر کرکے اپنا پیش نہادیہ بتایا ہے۔ ضروری اور واجب یہ ہے۔ کہ معاشی طور پر سوسائٹی میں صرف ماڈریٹ یعنی درمیانہ طبقہ ہو نہ بہت غریب اور نہ بڑے بڑے سرمایہ دار (ص۵۵)

حجۃ اللہ البالغہ میں جہاں سود کی حرمت کا ذکر ہے اس کی حکمت بیان کرتے

ہوئے لکھا ہے کہ بہت بڑی سرمایہ داری اللہ جل شانہٗ کو ناگوار ہے اور بتایا کہ مزاجوں اور عادات کے اختلاف کی وجہ سے زندگی میں تفاوتِ مراتب تو ناگزیر ہے اور یہ تفاوت قدرتی ہے۔ اس آیت میں اسی تفاوت کا ذکر ہے۔

نحن قسمنا بینھم معیشتھم	ہم نے بانٹ دی ہے ان میں روزی
فی الحیوۃ الدنیا ورفعنا بعضھم	ان کی دنیا کی زندگی میں اور بلند کر دیئے
فوق بعض درجات لیتخذ بعضھم	درجے بعض کے بعض پر کہ ٹھہرا تا ہے
بعضاً سخریا	ایک دوسرے کو خدمتگار

لیکن اس تفاوت کا حاصل اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایک چاول اور گیہوں کھا رہا ہے تو دوسرا جو اور مکی سے مزہ لے رہا ہے اور کچھ ان میں چاندی پہنتے ہیں اور بس۔ ایک دوسرا تفاوت اور زندگی میں وہ امتیاز کہ جو گیہوں اور چاول کی قسموں سے بنتا ہے اور سونے کی باریک صنعتوں کے ذریعے ترتیب پاتا ہے یہ مسرفین اور مترفین کی عادات سے متعلق ہے۔ اس میں غور و فکر دنیوی تعمقات ہیں اسے نشوونما نہ دینا چاہیئے۔ شاہ صاحب کا تاثر اس تفاوت مراتب کے متعلق یہ ہے۔

فالمصلحۃ حاکمۃ بسد	اجتماعی اور معاشی مصلحت یہی ہے کہ
ھذا الباب	اس دروازے کو بند کیا جائے۔

نظری طور پر شاہ صاحب نے بدور بازغہ میں سرمایہ داری پر بحث کی ہے۔ فرماتے ہیں:۔

سرمایہ داری کے موضوع پر دو نظریئے موجود ہیں اور دونوں باہم متعارض ہیں۔ ایک یہ کہ سرمایہ داری اچھی چیز ہے۔ اس سے قلب و دماغ اور مزاج میں صحت رہتی ہے۔ اخلاق و علوم درست ہوتے ہیں، غباوت اور بدخلقی سرمایہ سے نہیں بلکہ اس کے غلط استعمال سے پیدا ہوتی ہے

Marfat.com

ذکا اور حسن خلق سرمایہ سے نہیں بلکہ اس کے صحیح استعمال سے پیدا ہوتی ہے۔ دوسرا یہ کہ سرمایہ داری بری ہے کیونکہ اس کا ناگزیر نتیجہ منازعات مشاجرات، کدوتعب کے ساتھ اللہ کی ذات سے اعراض اور آخرت سے روگردانی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ سرمایہ داری بذات خود نہ اچھی ہے نہ بری۔ بلکہ بری ہے جب یہ برائیوں کا ذریعہ ہو۔ اور اچھی ہے جب برائیوں کی آمیزش کے بغیر صرف خوبیوں کا ذریعہ ہو۔ دونوں پہلوؤں میں جانبین کی رعایت صرف درمیانی حالت میں ہو سکتی ہے

(بدور بازغہ ص ۵۶)

اس سے شاہ صاحب کا نظریہ صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ سرمایہ داری اور غربت دونوں کے لئے سوسائٹی میں ایک ماڈریٹ اور درمیانی حالت شاہ صاحب کا پیش نہاد ہے۔ بدور بازغہ میں سرمایہ داری کے بارے میں نظریہ بیان کرنے کے بعد ایک شخص کی معاشی زندگی کا جو نمونہ پیش کیا ہے اور جسے خود انہوں نے انموذج من الحکمۃ المعاشیۃ بتایا ہے۔ انہوں نے اس نمونہ میں بھی درمیانی درجے ہی کی رعایت رکھی ہے۔ خوراک، لباس، نظافت، زیبائش، آرائش، رفتار گفتار، ازدواجی رفاقت اور ابتلائی حالت پر ایک مختصر سا نوٹ دیا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کس قسم کی معیشت کو درمیانی معیشت کہتے ہیں۔ سوسائٹی کے ہر فرد کو اس درمیانی معیشت میں کس طرح رہنا چاہیئے۔ یہ فرد گویا شاہ صاحب کی درمیانی معیشت کا نمونہ ہے۔

بدن اور کپڑے نے داغ اور صاف ہوں۔ میل کچیل نہ ہو بلکہ اجلے ہوں۔ پیشاب اور پاخانے کی حاجت کے وقت ڈھیلے سے استنجا کرنا ادنیٰ درجہ ہے پانی بھی استعمال کیا جائے تو بہت عمدہ ہے۔ بدن پر کسی قسم کا کوئی میل نہ ہو۔ ہر ہفتہ کم از کم بدن کو

مل کر ضرور صاف کرنا چاہیئے۔ مسواک کرنا، ناک صاف کرنا، بغل اور زیر ناف کے بال لینا، اور معنوی نجاستوں سے دامن آلودہ نہ ہو ــــ لباس ایسا ہو جس سے تمام بدن ڈھک جائے۔ ایسا نہ ہو جس سے طرب، خلاعت اور مجنوں ٹپکے۔ ایسا ہو کہ جس سے لوگوں میں باوقار اور شہامت محسوس ہو۔ کھانا کھانے کے لئے ہاتھ منہ دھو کر اطمینان سے بیٹھے۔ دستر خوان پر کھانا رکھا جائے نہ زمین پر نہ ٹیبل پر۔ کھانا اپنے آگے سے کھائے تیزی اور بے چینی نہ ہو، لقمہ بڑا نہ ہو، بھوک پیاس ہو تو کھائے پیئے۔ سب سے اچھا کھانا جس کا ملنا آسان ہو، ہضم پورا اور معدے میں ضرر رساں نہ ہو۔ نہ زمین پر کھانا رکھا جائے اور نہ سونے اور چاندی کے برتنوں میں بلکہ مٹی کے برتنوں میں کھانا رکھنا چاہیئے رہائشی مکان کے لئے ضروری ہے کہ سردی اور گرمی کی مضرتوں سے بچانے والا ہو، چور اور ڈاکو سے محفوظ اور مکین اور سامان کی اس ہی صحیح معنے میں حفاظت ہو سکے۔

نمونہ کی اس زندگی کو پیدا کرنے کیلئے کس قسم کی آمد درکار ہے اور زندگی کو اس طرز پر گذارنے کیلئے ایک شخص کو کیا کام کرنا چاہیئے اور وہ رفاہیت کس طرح کسب و اکتساب کے ذریعے ہاتھ آئے۔ جس کے بغیر زندگی پریشانیوں کا گہوارہ بن جاتی ہے زندگی سانسوں کی آمد و رفت کا نام نہیں ہے بلکہ زندگی دراصل نام ہے انسانی ضروریات کی تکمیل کا۔ اکتساب کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اکتساب یہ ہے کہ تم اپنی زندگی میں رفاہیت اور ظرافت کی رعایت سے کسی ایسے کام کو اپناؤ جس کے ذریعے زندگی کی گاڑی بہترین طریقے اور شاندار ڈھنگ پر چل سکے ـــ یہ جو اکتساب میں زندگی کی گاڑی کے لئے احسن وجہ اور ارفع وضع کی شرط لگائی ہے تو اس کا منشا اس کے سوا اور کیا ہے کہ شاہ صاحب عوامی زندگی کے ہر فرد کو احسن وجہ اور ارفع وضع میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ آخر وہ ہی تو بتا رہے ہیں کہ :-

Marfat.com

اگر ایسا نہ ہوگا تو تم مشقتوں اور محنتوں سے دوچار ہوگے۔ ضروریات کا تم پر ہجوم ہوگا اور تم رفاہیت کے طریق پر کسی بھی ضرورت کو پورا نہ کرسکو گے۔

(بدور)

سوسائٹی کو دیکھئے کہ کتنے گھرانے اور کس قدر خاندان ازدحام حاجات کا نشانہ ہیں محنتیں کر رہے ہیں، مشقتیں ہو رہی ہیں مگر حاجات کے ہجوم میں سب کا درجہ صفر کے برابر ہے۔ شادی ہونے کے بعد زندگی ایک نئے دور سے گزرتی ہے، اولاد ہوتی ہے۔ کون ہے جو اپنی اولاد کی تعلیم نہیں چاہتا۔ کون ہے جو بیمار ہو تو دوا نہیں چاہتا یہ تو انسان کے تقاضے ہیں۔ حیوانیت کے درجے میں آکر اپنے دل سے پوچھیں کہ کون زندہ کھانے کے لئے غذا، پہننے کے لئے کپڑا، رہنے کے لئے مکان، اور بقاء نسل کے لئے رفیقۂ حیات نہیں چاہتا۔ یہ حیوانی ضروریات ہیں۔ یہاں آبادیوں کی آبادیاں اس سے محروم ہیں۔ زندگی کے انسانی تقاضوں کا سوال بھی پیدا نہیں ہوتا۔ اس ماحول میں احسن وجہ اور ارفہ وضع کو دیا لے کر تلاش کرنا ایک بے محل بات ہے۔

بتانا تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ شاہ صاحب کی نگاہ ارفہ وضع اور احسن وجہ والی زندگی پر ہے۔ یہ زندگی اس وقت رونما ہو سکتی ہے جبکہ مکاسب کی راہیں ہر شخص کے لئے کھلی ہوں اور ہر شخص اپنی صلاحیتوں کے موافق اپنی پسند سے کام کا انتخاب کرے۔ اس راہ سے مزاحمتیں ختم ہو جائیں۔ مکاسب میں بنیادی چیز زراعت ہے۔ زراعت میں بنیادی چیز زمین ہے۔ زمین کے متعلق شاہ صاحب کا نظریہ یہ ہے:

الارض کلھا فی الحقیقۃ بمنزلۃ مسجد او رباط جعل وقفاً علی ابناء السبیل وھم شرکاء فیہ۔ (حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۰۳)

Marfat.com

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر زمین کی حیثیت واقعی بمنزلہ مسجد کی ہے تو اس میں ملکیت اور مالکیت کی حیثیت کیا ہے۔ مسجد تو ملکیت اور مالکیت دونوں سے برتر ہوتی ہے۔ زمین میں ملکیت کا مطلب بھی شاہ صاحب ہی کی زبان سے سن لیجئے۔ فرماتے ہیں:-

ومعنی الملك فی الحق الأدمی کونه احق بالانتفاع من غیرہ (حجۃ اللہ) — مالک ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اسے فائدہ اٹھانے کا حق ہے۔

میں تو اس سے یہی سمجھتا ہوں کہ رقبۃ الارض کی مالک رائے عامہ ہوتی ہے۔ افراد کی ملکیت اس میں صرف انتفاعی ہے اور شاہ صاحب نے زراعت کے متعلق یہ جو لکھا ہے کہ:-

ویشترط فی ذلك ان لا یضیق بعضهم علی بعض بحیث یفضی الی فساد التمدن (حجۃ اللہ)

تو اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ صورت حال ایسی نہ ہونے پائے جو عوامی زندگی کی پریشانیوں کا سامان بن جائے۔

ہم جسے مزارعت کہتے ہیں۔ عرب سوسائٹی میں یہ لفظ ان معنی میں استعمال نہیں ہوتا تھا۔ ہم تو زمین کی راہوں سے تلاش رزق کی مخصوص صورت کھیتی باڑی کو مزارعت بولتے ہیں اور عرب تمدن میں زراعت کو نہیں بلکہ اس کی ایک مخصوص معاملاتی صورت کو مزارعت کہتے تھے۔ زمین کی راہ سے رزق جیسے بھی آرہا ہے اس کی انکے یہاں متعدد معاملاتی صورتیں رائج تھیں۔ مثلاً ایک معاملاتی صورت یہ تھی کہ باغ لگا ہوا حمید کا ہے اس پر محنت رشید کی ہے۔ پھل دونوں میں تقسیم ہے۔ خواہ تقسیم کی کوئی صورت ہو اسے مساقات کہتے تھے۔ سفیدہ زمین اور بیج ایک کا ہے محنت اور جانور دوسرے کے ہیں اسے مزارعت کہتے تھے۔ سفیدہ ایک شخص کا ہے۔ بیج جانور

Marfat.com

اور محنت دوسرے کی ہے۔ اسے مخابرہ کہتے تھے۔ محنت ایک شخص کی ہے، سفینہ زمین
بیج اور جانور دوسرے شخص کا ہے اسے محاقلہ کہتے تھے۔ یہ سب صورتیں زمین کی پیداوار
سے متعلق تھیں۔ ایک صورت یہ کہ سب کچھ ایک شخص کا اور محنت دوسرے کی، مگر

اجرت بصورت نقدی مقرر۔ اسے اجارہ کہتے ہیں۔

مزارعت کے موضوع پر احادیث دو قسم کی ہیں:-

ایک طرف رافع کی وہ احادیث جن میں مزارعت کی نہی ہے۔ لیکن اس میں روایا
کا بہت بڑا اختلاف ہے۔ دوسری طرف جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خیبر والوں
سے بٹائی کا معاملہ ہے جو قطعاً مزارعت ہے۔ اور اس کے ساتھ سربرآوردہ تابعین
کا عمل ہے۔ نہی کی روایات میں چاہے کیسا ہی اختلاف ہو اور اختلاف بھی
چاہیے اختلاف فاحش ہو مگر یہ حقیقت ہے کہ نہی ہے اور خیبر کے معاملے میں
ایک گنجائش نکلتی ہے۔ گنجائش سے مراد وہ ہی ہے جو عام احناف نکالا کرتے
ہیں۔ جو کہتے ہیں اور یہ معاملہ کرتے ہیں۔ وہ تو اس کی اباحت کے قائل ہیں۔
شاہ صاحب نے بھی ھو باق علی الاباحتہ کہکر اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

یہ تو سب مانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزارعت سے منع فرمایا ہے
لیکن اس کے پس منظر میں مختلف ہیں۔ کچھ کہتے ہیں کہ ممانعت کا تعلق ان معاملہ
سے ہے جس میں زمیندار کی طرف سے قطعہ ارضی کی تعیین ہو جائے یا لوگوں پر
پیداوار سے معاملہ متعلق ہو۔ رافع کہتے ہیں کہ یہ معاملہ منع ہے۔ کچھ کہتے ہیں
کہ ممانعت صرف تنزیہہ و تادب کے درجے کی ہے۔ یہ ابن عباس کی رائے ہے
بعض کی رائے ہیں وقتی حالات کے ماتحت مزارعت میں منافات کے رونما ہونے
کی وجہ سے ممانعت ہے۔ یہ زید بن ثابت کی رائے ہے۔ گویا نہی پر سب ہی متفق
ہیں مگر اس کی نوعیت میں مختلف ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ بقول شاہ صاحب

Marfat.com

بڑھوتری کی خواہش اموال مباحہ کی امدادی قوتوں کے بل بوتے پر انسانی معیشت کا مایۂ خمیر ہے۔ یہ استغنا اور بڑھوتری جن جن راہوں سے ہوتی ہے ان میں زراعت بھی ہے۔ زراعت کا ایک مخصوص معاملاتی پیمانہ مزارعت ہے۔ اس کی اباحت کو صرف اس وقت ہی برقرار رکھا جانا چاہیئے جبکہ مزارعت یہ بنیادی شرط پوری کر رہی ہو۔

ویشترط فی ذالک ان لا یضیق	ضروری شرط یہ ہے کہ باہم ایک دوسرے
بعضھم علی بعض بحیث یفضی	کی تنگی کا سامان نہ ہو جو شہری زندگی
الی فساد التمدن (حجۃ اللہ)	کو بگاڑ کر رکھدے۔

مدنیت میں اس سے بڑا فساد اور کون سا ہوگا جو زراعت پیشہ لوگوں میں آج برپا ہو رہا ہے۔ نانِ شبینہ سے محتاج زندگی کی لذتوں اور امنگوں سے محروم انسانی ضروریات کی بجاآوری کے لئے بے چین ہیں۔ ان کی انسانی زندگی کے کسی رخ کو دیکھو اور معاشی حکمت کے ایک ایک باب کو ان میں ٹٹولو۔

سب سے پہلے ایک انسان کی حیثیت سے ان کے کھانے کو دیکھو۔ نہ ہاتھ دھلے نہ منہ دھلا ہے کھیتی کے کنارے بیٹھے ہیں۔ ایک موٹی سی باجرے کی روٹی ہاتھ میں لئے ہوئے فراغت سے بڑے بڑے نوالے منہ میں دے رہے ہیں۔ مرچوں کی چٹنی ہے یا پیاز۔ لقمہ سختی سے گلے کا ہار بنتا ہے تو چھاچھ کے ایک گھونٹ سے نوالہ نیچے اتارتے ہیں۔ نہ دسترخوان ہے نہ پلیٹ ہے نہ ہاتھ دھونے کی بالٹی ہے نہ پانی پینے کے لئے جگ اور گلاس ہے۔

ذرا اس کی نظافت کو دیکھئے میلے کچیلے کپڑے پہنے ہوتے ہیں۔ ناخنوں اور بدن کے دوسرے حصوں میں مٹی گھسی ہوتی ہے جس سے ایک مسکین اور مفلوک الحال نظر آتا ہے۔ اس کا مکان جانوروں کے پیشاب کی جھلوں سے اٹا ہوا ہے

Marfat.com

یہی پیشاب کا گیس ساری رات اس کے دماغ کا مکین بنا رہتا ہے۔ گھر کی ساری زندگی کوٹھے اور کرکٹ کی زندگی ہے۔ بیمار ہوتا ہے تو دوا نہیں ہے۔ بچے ہوتے ہیں تو تربیتی اور تعلیمی سامان نہیں۔ سفر کرتا ہے تو سواری کے لئے دام نہیں ہیں۔ گفتگو سنو تو وحشت۔ صورت دیکھو تو خوف۔ اس سے بڑا فسادِ تمدن اور کیا ہوگا۔ کیا تمدن کا فساد اسوقت ہوگا جب زمیندار کے مکان میں گارے کے لئے اس کا خون اور اینٹوں کے لئے اس کی ہڈیاں کام آئیں گی۔ آہ انسانیت پر یہ ظلم عظیم ہے۔

اللہ اکبر! کیا اس کے مقابلے میں زمیندار کی صورت میں جو انسان نما حیوان پھرتے ہیں، کیا وہ رفاہیت بالغہ کی تصویر نہیں ہیں۔ کیا وہاں معیشت کی تدقیقات اور تعمقات نہیں ہیں۔ اگر ہیں اور یقیناً ہیں تو کیا شاہ ولی اللہ کی روح ہم سے پکار کر یہ نہیں کہہ رہی کہ

المصلحۃ حاکمۃ بسدّ ھذا الباب (صٓ) — مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ اس دروازے کو بند کیا جائے

آخر شاہ صاحب ہی نے فسادِ تمدن کا ذکر کرتے ہوئے جو یہ لکھا ہے کہ

تمدن اور مدنیت کا فساد یہ ہی ہے کہ بڑے بڑے لوگ زیورات، پوشاک، مکانات، کھانوں اور نسوانی آرائش کی باریکیوں میں پڑ جائیں اور اس کے نتیجے میں لوگوں کی اکتسابی زندگی کا رخ انکی خواہشات کی بجاآوری کی طرف ہو جائے۔ کچھ گانے اور ناچ کیلئے لڑکیوں کو تعلیم دیں اور کپڑوں میں زنگار رنگ کے بیل بوٹے۔ حیوانوں اور درختوں کی تصویریں بنائیں۔ کچھ سونے اور چاندی کی باریک صنعتوں میں لگ جائیں کچھ بلند بلند عمارتی تراکیب کا کام کریں۔ جب پبلک میں ان کاموں کا رجحان بڑھے گا تو زراعت اور تجارت پامال ہو جائے گی اور ان

بڑے لوگوں کے اموال خرچ کرنے کا ناگزیر نتیجہ مصالح تمدن کی خرابی ہوگا بالآخر اکتسابی میدان تنگ سے تنگ تر ہو جائے گا ٹیکسوں کی بھرمار ہوگی۔ یہ ایک ایسا نقصان ہوگا جو تمام تمدن کے ایک ایک عضو میں پھیل کر مدنیت میں فساد پیدا کر دیگا (حجۃ اللہ البالغہ ص۱۰۶)

تو اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہے کہ تمدن میں فساد کو جن راہوں سے آنے کا موقعہ ملتا ہے ان میں بنیادی چیز ہی رفاہیت بالغہ ہے اور آج رفاہیت بالغہ ہماری زندگی میں جس انداز سے بلا ارادہ آرہی ہے، وہ صرف مزاحمت ہے۔ یہ تو شاہ صاحب کی زبان سے سن چکے ہو کہ

ان اللہ تعالیٰ میکرہ الرفاھیۃ البالغۃ (ص۱۰۶)	حد سے زیادہ سرمایہ داری اللہ کو ناپسند ہے

اور یہ بھی تم سن چکے ہو کہ

ان الواجب ان یجعل میزان الحکمۃ المعاشیۃ ذا المرتبۃ الوسطیٰ لا غیر۔ (البدور البازغہ ص۵۵)	معاشی میزانیہ کے لئے ضروری ہے کہ درمیانہ ہو۔

اصول مکاسب میں سے تجارت بھی ہے۔ اصولی طور پر تجارت شریف ترین پیشہ ہے۔ مدنیت میں اس کی اصل یہ ہے کہ انفرادی مکاسب کی موجودگی میں ہر کسب ہر شخص کی زندگی کی حاجت برآری نہیں کر سکتا کیونکہ زندگی خواہشات کے مختلف ہونے اور مزاجوں کے متنوع ہونے کی وجہ سے چند در چند حاجات کا گہوارہ ہے۔ انہیں حاجات کی بجا آوری مبادلہ سے کی جاتی ہے۔ اسی مبادلہ کا نام تجارت ہے۔ اور اسی کے زور پر سارے معاملات رونما ہوتے ہیں۔

تفہیمات الٰہیہ میں شاہ صاحب نے جہاں مختلف فتنوں کو بیان کیا ہے۔ ان میں

Marfat.com

اکتسابی فتنہ کا بھی ذکر کیا ہے۔ اسی تذکرے میں جو یہ بات لکھی ہے۔

وینسد الاکساب الشاقة	تمام اچھے کاموں کی راہیں لوگوں پر اس
لتوقفها علی التلقی من	لئے بند ہو جائیں گی کہ ان کی پا بجائی
السلطان۔	سرکاری ذرائع پر موقوف ہو گی۔

حالات کی کیسی اچھی تصویر ہے۔ جیسے آج تجارت کہتے ہیں کونسا شعبہ ہے جس میں لائسنس کے بغیر ہر شخص آزادانہ کام کر رہا ہے۔ کیا یہ لتوقفہا علی التلقی من السلطان نہیں اور پھر صرف اتنا نہیں کہ کام میں تلقی من السلطان ہو اور آگے چھٹی ہو۔ بلکہ تلقی من السلطان تک راہوں میں جس قدر دامنوں میں الجھنے والے کانٹے اور جس قدر آویزشیں ہیں اسے وہ لوگ جانتے ہیں جنہیں آج کی تجارت سے کوئی تعلق ہے۔ اگر شاہ صاحب نے اب سے ڈیڑھ صدی پہلے تمدن کی نقاب کشائی کرتے ہوئے تلقی من السلطان کے بعد حالات اور مدنیت کا ان لفظوں میں ماتم کیا ہے کہ:

ودون هذا التلقی مسابقات ومخاطفات واحتیالات

تو تعجب کا کون سا مقام ہے، آج بھی تو تاجروں کی زندگیاں مسابقات (بھاگ دوڑ)۔ مخاطفات (لوٹ کھسوٹ) اور احتیالات (مکر و فریب) کی چلتی پھرتی تصویریں ہیں۔ کن کن دفتروں میں دن رات مارے مارے پھرتے ہیں۔ سرمایہ اپنا، جان اپنی، محنت اپنی مگر حساب دوسروں کو دے رہے ہیں۔ قدم قدم پر ٹیکس ہے۔ بکری ٹیکس سے لے کر لوٹتے جائیے آپ تھک جائیں گے، بھول جائیں گے مگر ٹیکس ختم نہ ہونگے۔ شاہ ولی اللہ نے فساد مدنیت کے جو وجوہ حجۃ اللہ البالغہ میں لکھے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ

ضرب الضرائب الثقیلة علی	کسانوں، تاجروں اور کاریگروں پر
الزراع والتجار والمحترفة	بھاری بھرکم ٹیکس کا بوجھ ہوگا۔

Marfat.com

کوئی مانے یا نہ مانے وہ بتا تو گئے ہیں کہ

انما تصلح المدنیۃ بالجبایۃ السیرۃ	شہری زندگی تو غیر معمولی ٹیکس ہی سے ٹھیک رہتی ہے۔

مگر آج کی زندگی جبایت لسیرہ سے کیسے چلے۔ اگر ٹیکس نہ ہوں تو اوپر والوں کے مرافق معیشت کیسے چلیں۔ نگر شاہ صاحب کے لفظوں میں قصر شامخ، آبزن، حمام، بساتین، دواب فارہ، غلمانِ حسان، توسع مطاعم اور تجمل ملابس کے بغیر کام نہیں چلتا۔ شاہ صاحب تو اس زمانے کی بات کر رہے ہیں جب تمدن سواری کے لئے جانور رکھتا ہے۔ یہ جانوروں کا نہیں ہوائی جہاز کا زمانہ ہے۔ وہ بالادستی ہی کیا ہے جہاں رہنے کے لئے شاندار باغیچہ اور کوٹھی نہ ہو، خدمت کے لئے بیرے اور سواری کے لئے یو۔ ایس۔ اے کے کارخانوں سے نکلی ہوئی کار نہ ہو۔ یہ چیزیں آسمان سے نہیں برستی ہیں بلکہ

لم تکن تتحصل الا ببذل اموال خطیرۃ	بڑی سے بڑی رقم خرچ کئے بغیر حاصل نہیں ہوتی ہیں۔

اور اموال و دولت الٰہ دین کا چراغ نہیں ہیں۔ ان کے آنے کی راہ اس کے سوا اور کیا ہے۔

لا تحصل تلک الاموال الا بتضعیف الضرائب علی الفلاحین والتجار	اور یہ رقم خطیر کسانوں اور تاجروں پر ڈبل ٹیکسوں کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی

ٹیکسوں کو چھوڑ کر ذرا ایک قدم بڑھایئے۔ ایک اور چیز بھیانک شکل میں سامنے آتی ہے۔ یہ کنٹرول کا بت ہے۔ اس کا پس منظر جہاں تک میں سمجھتا ہوں کہ اوپر والوں کے مرافق معیشت کے غلط انداز اور ٹیکسوں کی ناروا بھرمار نے ہر شخص کو نفع اندوز بنا رکھا ہے۔ اسی نفع اندوزی کا شکار تاجر بھی ہے۔ ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے کہ عوام

کی خاطر ہو رہا ہے مگر ہوتا یہی ہے کہ جس چیز پر کنٹرول کی نظر عنایت ہوئی وہ یک دم بازار سے ختم ہوئی۔ سرمایہ داروں کو مایہ بنانے کا موقعہ مل جاتا ہے۔ غریب دانے دانے کو ترستا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا کہ قیمتیں چڑھ گئیں۔ قیمتوں کا کنٹرول فرما دیجئے۔ جواب میں جو بات ارشاد فرمائی وہی سنانا چاہتا ہوں۔ فرمایا۔

ان اللّٰہ ھو المسعر القابض	اللہ ہی نرخ مقرر کرنے والا، تنگ
الباسط الرازق وانی لارجوان	کرنے والا، کھولنے والا اور روزی
القی اللّٰہ ولیس احد یطلبنی	رساں ہے۔ میں امیدوار ہوں کہ
بمظلمۃ	اللہ سے ایسے حال میں ملوں کہ
	میرے ذمہ کسی حق کا مطالبہ نہ ہو

یعنی آپ نے کنٹرول کو اس لئے قائم نہیں کیا کہ اس سے آپ کو ظلم کی بو آتی تھی — یاد پڑتا ہے کہ حافظ ابن القیم نے الطرق الحکمیہ میں لکھا ہے کہ کنٹرول کی دو صورتیں ہیں۔ ایک صورت حرام اور ظلم ہے اور دوسری صورت جائز بلکہ کبھی کبھار واجب ہو جاتی ہے پہلی صورت یہ ہے کہ دکانداروں کو خواہ مخواہ کسی ناپسندیدہ قیمت پر فروخت کرنے کے لئے مجبور کیا جائے یہ صورت حرام اور ظلم ہے۔ دوسری یہ کہ کنٹرول کا مقصد لوگوں سے عدل و انصاف کرنا ہو مثلاً یہ کہ رائج الوقت قیمتوں پر فروخت کرنے کے لئے ان کو مجبور کیا جائے اور اس سے زائد قیمت پر بیچنا ان کے لئے ممنوع قرار دیا جائے۔ تو حکومت کی جانب سے یہ اقدام نہ صرف جائز بلکہ واجب ہے۔ پہلی صورت کے متعلق حضور کا یہ ارشاد ہے کہ ان اللّٰہ ھو المسعر الخ — ہاں اگر تاجر ذخیرہ اندوزی کر کے مصنوعی قحط کی صورت پیدا کر دیں اور عوامی مجبوریوں سے فائدہ اٹھا کر ضروریات زندگی کی قیمتیں چڑھانا شروع کر دیں تو عدل و انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ تسعیر کا قانون نافذ کر دیا جائے تاکہ ذخیرہ اندوز مرحجہ اور مناسب نرخوں

سے زیادہ نہ وصول کر سکیں۔

شاہ صاحبؒ نے بھی حجۃ اللہ البالغہ میں یہ فرما کر

فان ادی منھم جور ظاهر ۔۔۔ اگر کھلم کھلا ظلم معلوم ہو تو پھر
لا یشک فیہ جاز تغییرہ ۔۔۔ کنٹرول درست ہے۔

دوسری صورت کے جواز کا فتویٰ دیا ہے اور نہ صرف فتویٰ دیا ہے بلکہ اسے نہ کرنے کو مملکت میں فساد قرار دیا ہے۔ فانہ من الافساد فی الارض ۔ اور سوچنے کی بات ہے کہ ارشاد میں تسعیر سے حضورؐ کی کنارہ کشی کا منشا دراصل اندیشہ ظلم ہے اور اگر تسعیر نہ کرنے میں پورا معاشرہ ظلم کا یقینی طور پر شکار ہو رہا ہے تو پھر قواعد شرعیہ کی رُو سے اسے واجب ہونا چاہیئے۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

منجانب پروفیسر عبد الجبار صاحب ایم۔ اے۔ جناح اسلامیہ کالج سیالکوٹ

ڈسٹرکٹ جیل سیالکوٹ
۲۵ر اکتوبر ۱۹۵۲ء

اخلاق کا سرچشمہ، غضب اور شہوت کی نیرنگیاں، دونوں قوتوں کیلئے تمثیلی رہبانیت ان کا ازالہ چاہتی ہے۔ اسلام ان کا ازالہ نہیں امالہ چاہتا ہے۔ اخلاق کی کیفیات میں سے ایک کیفیت کا نام عبادت، عبادت کے موضوع پر ارباب مذاہب میں فکر و نظر کا اختلاف، عبادت کے عبادت ہونے کی شرطیں، اخلاص اور اتباع، عبادت کی فضیلت پر تبصرہ، منشاء عبادت کی تعیین، ارباب فکر کے چار اسکول، الہیت ایک صفت ہے جو خدا کے سوا کہیں نہیں پائی جاتی، عبادت اپنی نیازمندی اور منعم کی عظمت کا ایک معجون مرکب ہے۔ مدعیان محبت کیلئے محبت کی نشانی، ختم نبوت رائے نہیں بلکہ ایمان کی اساس ہے۔

عزی العزیز!

السلام علیکم ورحمتہ اللہ ـــــ بڑھ تو لیا مگر تم نے کبھی سوچا ہے کہ علم کا منشا کیا ہے؟ سنو!

انسانی طبیعت درحقیقت ایک معجون ہے اس میں مواد دو ہیں، غضب اور شہوت۔ اخلاق صفات کی جو نیرنگی اور جس قدر بو قلمونی بھی ہے وہ انہیں دونوں کی کرشمہ سازیاں ہیں۔ شہوت نام ہے جلب منافع والی قوت کا۔ اور غضب کہتے ہیں دفع مفاسد کی طاقت کو ـــــ اخلاق اچھے ہوں یا برے، سب کا سرچشمہ یہی ہیں جیسے ضروریات میں شہوت کے استعمال کا نام حرص ہے۔ ایسے ہی ذات سے دفع مضرت میں غضب کا استعمال عزت نفس ہے اگر دفع مضرت نہ ہو سکے

تو یہی حقد بنتا ہے اور شہوی قوت ضروریات کی پا بجائی میں ناکام ہو تو اس سے حسد رونما ہو جاتا ہے۔ بخل ہو یا ظلم۔ کبر ہو یا فخر۔ سب ان دو قوتوں کی اولاد ہیں۔

ایک مثال سمجھ لو۔ پہاڑوں سے نکلی ہوئی ندی پستی کی طرف آ رہی ہے۔ منہ پر مکانات بنے ہوئے ہیں اور مکان والوں کو پتہ ہے کہ سیلاب بہا کر لے جائیگا۔

قوت غضب اور شہوت نہریں ہیں طبیعت کی گوکوں سے ہو کر دل کی آبادیوں سے گذرتی ہیں۔ نہریں پانی ضرور آتا ہے اور سیلاب بن کر آتا ہے حفاظتی تدابیر ضروری ہیں۔ حفاظتی تدابیر میں اختلاف ہے۔

عقل والوں کی ایک جماعت اس کوشش میں ہے کہ خود رو نہر کو دہانے سے جا کر بند کر دیا جائے۔ یہ طبقہ اپنے مکانات اور اپنی آباد کھیتیوں سے ہٹ کر نہر کے بند کرنے کی فکر میں لگ گیا ہے۔

ایک دوسرا طبقہ نہر کے متعلق کچھ نہیں سوچتا بلکہ اپنی آبادیوں کی پختہ کاری میں مشغول ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ مکان اور اس کی بنیادیں اگر مضبوط ہوں تو نہر کا بہاؤ خواہ کیسا تیز ہو مکان محفوظ رہیں گے۔ نہر مکانوں کے پاس آئے گی مگر اس کا رخ دائیں اور بائیں ہوگا۔ یہ طبقہ نہر کا رخ بدلنے کا فکرمند ہے — دونوں میں فرق ہے اور فرق بھی بہت صاف — پہلا طبقہ ازالہ کا خواہاں ہے اور دوسرا امالہ چاہتا ہے۔

رہبانیت نے تمہاری یا خدا شناسی کے لئے دنیا کو ازالہ کی راہ بتائی ہے اور نبوت نے ازالہ کی نہیں بلکہ امالہ کی راہ بتائی ہے۔ قرآن کو غور سے پڑھو تو معلوم ہو جائے گا کہ طریق نبوت میں ہر جگہ امالہ کی روح کار فرما ہے۔ اسلام زندگی کے قدم روکنا نہیں چاہتا بلکہ قدموں کی رفتار باقی رکھتے ہوئے ان کا رخ بدلنا چاہتا ہے۔ لوگ اسلام کا نام سنتے ہیں تو بگڑ جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اسلام

Marfat.com

ہے بنے ہوئے کو توڑ دینے کا اور بس ۔۔۔ حالانکہ ۔۔

عالم آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ
ذرۂ ریگ کو دیا تو نے طلوع آفتاب

اخلاق جن جن کیفیات کا نام ہے ۔ ان میں ایک کیفیت وہ ہے جسے عبادت کہتے ہیں ۔ عبادت کا حاصل اس کے سوا کچھ نہیں کہ منعم سے محبت ہو اور ولی نعمت کے سامنے ضرورت مندانہ حالت میں عجز و بیچارگی کا مظاہرہ ہو ۔ قوموں کے صدہا اختلافوں کے باوجود اس مرکزی نقطہ پر اتفاق ہے ۔ اگر اختلاف ہے تو ولی نعمت کی تعیین اور اظہار محبت کے پیمانوں میں ہے طبیعین نعمتوں کا سرچشمہ عناصر کو سمجھتے ہیں ۔ صابئین کواکب کی حرکتوں سے اس کا جوڑ لگاتے ہیں اور مشرکانہ ذہن نعمتوں کے اس گرداب میں سب کو نہیں مگر کچھ کو اپنے من گھڑت اور خانہ ساز شریکوں کا اثر قرار دیتا ہے ۔ نبوت کا نظریہ یہاں بالکل صاف اور واضح ہے کہ ۔۔۔ ہستی کی گود میں جو کچھ ، جتنا کچھ اور جیسا کچھ بھی ہو رہا ہے وہ بلا شرکت غیرے اللہ جل شانہٗ کی کارفرمائی ہے ۔ موٹی سے موٹی بات یہ ہے ۔ کہ اللہ جل شانہٗ میں مخلوقی صفات کا یہ تو یا مخلوق میں واجبی اوصاف کی جھلک سمجھنا تمام برائیوں کی جڑ اور سارے غلط عقیدوں کا سرچشمہ ہے ۔ اور دل کا پتہ نہیں مگر اسلام کی حد تک جو کچھ میں جانتا ہوں وہ یہ ہے کہ اسلام میں عبادت کے عبادت ہونے کے لئے دو بنیادی شرطیں ہیں ۔ اول اخلاص ، دوم اتباع سنت ۔

اس وقت مسلمانوں کو غور سے دیکھو چار طبقوں میں تقسیم ہیں ۔ بقدر طبعی سے مقدار اور مٹھی بھر وہ لوگ ہیں جو عبادات میں مخلص بھی ہیں اور متبع بھی ۔ ورنہ کچھ مخلص تو ہیں مگر متبع نہیں اور کچھ متبع تو ہیں مگر مخلص نہیں ۔ اور سب سے زیادہ گرا ہوا وہ طبقہ ہے جو نہ مخلص ہے اور نہ متبع ۔۔۔ قرآن میں یہ دونوں شرطیں مذکور ہیں بلکہ انہی دونوں کو قرآن حکیم نے موت و حیات کی کشمکش کا پس منظر قرار دیا

ہے۔

الذی خلق الموت والحیاۃ لیبلوکم ایکم احسن عملاً۔

مشہور تابعی حضرت فضیل ابن عیاض سے احسن عملاً کی اخلص واصوب سے تفسیر منقول ہے جب ایک بار ان سے اخلص واصوب کی حقیقت دریافت کی گئی تو جواباً فرمایا کہ اگر عمل میں خلوص ہو مگر صواب نہ ہو تو ناقابل پذیرائی ہے اور ایسے ہی اگر صواب ہو اور خلوص نہ ہو ۔۔۔ مقبول صرف وہ عمل ہوتا ہے جس میں خلوص اور صواب دونوں ہوں۔ خلوص یہ کہ عمل نرا دھار صرف اللہ جل شانہٗ کے لئے ہو۔ اور صواب کہ طریق سنت کے موافق ہو۔ یہ بات کھلم کھلا علی رؤس الاشہاد واضح ہو چکی ہے

کل عمل لیس علیہ امرنا فھو ردٌ۔

بتاؤ اب کون سی بات ہے جو سمجھائی نہیں گئی۔ اے کاش مسلمان حقیقت شناسی سے کام لیتے مگر ؎

ہوئی نہ زاغ میں پیدا بلند پروازی
خراب کر گئی شاہیں بچے کو صحبت زاغ

عارف رومی نے کیا خوب کہا ہے ؎

ہر ہلاک امت پیشین کہ بود
زانکہ بر جندل گمان بردند عود

بات لمبی ہو جائے گی مگر ذرا ٹھہر جاؤ لگے ہاتھ احسن عملاً کے متعلق بھی سنتے جاؤ۔ یوں فرمایا کہ ایکم احسن عملاً یوں نہیں فرمایا کہ ایکم محسن عملاً۔ دونوں میں فرق ہے۔ احسن اسم تفضیل ہے یہ فاعل معنے میں زیادتی ہوتا ہے۔ معنے یہ ہیں اچھے سے اچھا عمل اور محسن کے معنے صرف اچھا

Marfat.com

عمل کرتا ہے، ہیں۔ احسن عملاً چاہتا ہے کہ پہلے عمل کا کوئی اچھا نمونہ موجود ہو۔ اور پھر اس کے مطابق کام ہو اس طرح حسن دوبالا ہوگا۔ اچھا نمونہ قرآن ہی کا بتایا ہوا یہ ہے کہ

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

افسوس کہ لوگ عبادت کے نام پر اعمال خود بخود کرنے لگے حالانکہ ان کو نمونہ کے مطابق کرنے کو کہا گیا تھا۔ جنید بغدادی نے کیا اچھی بات فرمائی ہے۔

الطرق کلہا مسدود ۃ علی الخلق الا من اقتفی اثر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم

خبر نہیں کہ یہ نظام عبادات میں من مانی کارروائیاں کرنے والے کس منہ سے کہتے ہیں کہ نبوت ختم ہے حالانکہ بالفعل اپنے کردار سے ان میں ہر شخص منصب نبوت پر چھاپہ مار رہا ہے۔ بتاؤ تو سہی جو کچھ یہ کر رہے ہیں نبوت اس کے سوا اور کیا کرتی ہے اگر عبادات کے پیمانے بنانے میں یہ آزاد ہیں تو پھر اور کیا باقی ہے۔

یہ تو ہوئی عبادت کی بنیادی شرطیں۔ اب یہ بھی معلوم کر لو کہ سب سے نافع اور افضل عبادت کون سی ہے۔ اس میں بھی چار رائیں ہیں۔

۱۔ ایک طبقے کے خیال کے مطابق عبادت میں جس قدر زیادہ صعوبت، مشقت اور تکلیف سے سامنا ہوگا۔ اسی قدر اس کا فائدہ زیادہ ہوگا۔ ان کا کہنا ہے کہ اجرت بقدر مشقت ملتی ہے۔

۲۔ دوسرے فریق کی رائے میں ترک دنیا، بے تعلقی، بے رغبتی، بے اعتنائی ہی سب سے اونچی عبادت ہے۔ یہ خیال رکھنے والے پھر دو حصوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ ایک عوام، ان کے تصور کے مطابق زندگی کا مقصد ہی ترک دنیا ہے۔ دوسرے خواص ان کے نزدیک مقصود تو اصل میں دل میں اللہ جل شانہ کی محبت، انابت

اور توکل ہے۔ مگر دنیا سے بے رغبتی اس مقصود تک پہنچنے کے لئے زینہ ہے۔ ان کی رائے میں افضل عبادت یہ ہے کہ ہر وقت، ہمہ آن قلب ولسان یاد الٰہی میں مشغول ہوں۔ اس کی خاطر مراقبات اور اشغال ہیں۔ ان کی بھی پھر دو قسمیں ہیں۔ کچھ وہ جو عرفائے متبعین ہیں کہ اوامر و نواہی کیلئے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں خواہ اس کی خاطر ان کو اپنی جمعیتوں اور مراقبوں سے دست کش ہونا پڑے۔ اور ایک طبقہ ان میں وہ ہے جو صرف قلبی جمعیتوں ہی میں مگن رہتا ہے۔ یہ دوسرا حصہ پھر دو حصوں میں تقسیم ہے۔ ان میں کچھ [redacted] ہیں جو ان قلبی جمعیتوں کے پیچھے فرائض و واجبات ہی کو چھوڑ بیٹھا ہے۔ اور ایک طبقہ فرائض و واجبات کی حد تک تو مطالبات کی پابجائی کرتا ہے مگر جمعیتِ قلبی کی خاطر سنن اور مستحبات کے چھوڑنے میں بے باک ہے۔

۳۔ تیسری جماعت کے عندیہ کے مطابق عبادت کی انفعیت کا دارومدار اس کے تعدیہ پر ہے مثلاً خدمتِ خلق، محتاجوں کی امداد، لوگوں کی ضروریات میں اشتغال ۔۔۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ عابد کا عمل اپنی ذات کیلئے ہے۔ اور نفع رسانی کا معاملہ دوسرے کے لئے ہے یہ بہر حال افضل ہے۔ اس لئے متعدی عبادات ہی کا درجہ اونچا ہے۔ اس موضوع پر وہ مختلف احادیث بھی پیش کرتے ہیں جن سے تعدیہ عمل کی بزرگی ثابت ہوتی ہے ۔۔۔ الغرض ان کی رائے میں قلبی جمعیتوں اور مراقبوں سے کہیں اونچا مقام تعدیہ عمل والے افعال کا ہے۔

۴۔ چوتھی جماعت یہ اعتقاد رکھتی ہے کہ ہر وقت حالات کے تقاضوں کے موافق رضائے الٰہی کو پیش نہاد بنا کر کام کرنا سب سے اونچی عبادت ہے۔ جہاد کے وقت میں جہاد سب سے بڑی عبادت ہے تہجد اور اذکار و اوراد کو چھوڑنا پڑے تو چھوڑ دے مہمان آجائے تو اوراد و اشغال اور سب نفلی کاموں سے اونچا عمل اس کی میزبانی ہے۔ بیوی بچے موجود ہوں تو نوافل و اذکار سے زیادہ ثواب ان کی معاشی الجھنوں کو دور کرنے میں

Marfat.com

ہے۔ صبح کو سحری کے وقت میں نماز، قرآن، ذکر، دعا اور استغفار سب سے افضل ہے۔ ان
کے لئے اور طالب علم کے لئے تعلیم کے وقت میں علمی مشاغل، اذان ہوتے وقت
اذان کی اجابت اور دوسرے اوراد و وظائف کا چھوڑ دینا نماز پنجگانہ کے اوقات میں نماز
پنجگانہ کے لئے سرگرمی اور اس کا اہتمام، محتاج اور ضرورت مند کے ہوتے ہوئے ان
کی امداد، مقام، منصب، مال، جان اس کی اعانت میں صرف کرنا اور اسے سب
جمعیتوں اور خلوتوں پر مقدم کرنا سب سے اونچا عمل ہے۔ قرآن پڑھتے وقت جمعیت
ہمت اس انداز سے پیدا کرنا گویا حق ذوالجلال کے سامنے موجود ہو۔ غزوات میں
ذکر، تضرع وزاری میں وقت لگانا، ایام عشرہ ذی الحجہ میں تکبیرات، تہلیلات، تحمید
کی بہتات، رمضان کے عشرہ میں خلوت گزینی اور مساجد میں اعتکاف بہترین عبادت
ہے۔ مسلمان بھائی بیمار ہو اس کی عیادت کرنا۔ مرگیا ہو تو جنازہ میں جانا، خلوت
اور جمعیت سے کہیں زیادہ اونچا ہے۔ لوگ مصائب میں مبتلا ہوں، تکلیفوں
شکار ہوں، ان سے الگ نہ ہونا، صبر کی پوری قوت کے ساتھ ان میں رہنا پیش
افتادہ تکلیفوں کو برداشت کرنا ہی برگزیدہ عمل ہے۔

ماحول میں نیکیاں ہوں تو جلوت اور برائیاں ہوں تو خلوت افضل ہے۔ ہر عمل
فضیلت اور بزرگی کا اصلی معیار وہ حالات ہیں جن میں وہ عمل ہو رہا ہے۔ اصل وا
وقت کو پورا کرنا ضروری ہے اور یہی اس وقت افضل ہے اور بس — دراصل یہ اختلا
مقصود عبادت پر غور نہ کرنے سے پیدا ہوا ہے۔ جب کسی کام کا مقصد معلوم نہ ہو
علت و مصلحت سمجھی نہ گئی ہو تو یہ اختلاف ناگزیر ہے — سمجھنے کی بات یہ ہے
عبادت کا منشا کیا ہے؟ افسوس کہ ارباب فکر منشاء عبادت متعین کرنے میں ہی
گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں۔

اول وہ گروہ ہے جس کے نزدیک عبادت کا کوئی منشا، مقصود اور غر

نہیں ہے۔ اور صرف امری درجہ ہی اس کا سبب ہے اور بس ــــ معاشی سعادت اور معادی نجات سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس غیر معقول "عقلیت" کا اظہار ان لوگوں کی جانب سے ہوتا ہے جو افعال الٰہیہ میں کسی حکمت و مصلحت کے قائل ہی نہیں ہیں گویا پھیلی ہوئی اس زندگی کا نہ کوئی مقصد ہے نہ علت ہے نہ کوئی غایت ہے اور نہ کوئی حکیمانہ حکمت ہے۔ نہ یہاں اسباب اور مسببات کا کوئی رشتہ ہے اور نہ مخلوقات میں قوت اور طبیعت ہے ــــ

حافظ ابن القیم نے مفتاح دار السعادۃ اور طریق الہجرتین میں اس نظریہ کی قباحت پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ اس طبقہ کا سرگروہ جعد بن درہم ہے حکیم الامت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے حجۃ اللہ کے مقدمہ میں اس نظریے کے پوتڑے زور پر بہت سے دیے کھولے ہیں۔ واقعی حکیم الامت نے سچ فرمایا ہے کہ :

هذا ظن فاسد تكذبه السنة واجماع القرون المشهود لها بالخير

بلکہ اس سے بھی ترقی کر کے صاف صاف کہدیا ہے کہ

من عجزان يعرف ــــ فانه لم يمسه من العلم الا كما يمس الابرة من الماء حين تغمس وتخرج

کیا اس فقرے میں شاہ صاحب نے یہ راز فاش نہیں کر دیا کہ اس طبقے کو علم کی ہوا بھی چھو کر نہیں گذری ہے اور بقول حضرت شاہ صاحب یہ فخر کی بات نہیں بلکہ

هو بان يبكى على نفسه احق من ان يعتد بقوله

گویا بریں عقل و دانش بباید گریست والا معاملہ ہے۔

دوسرا گروہ اس کی بالکل اپوزیشن ہے اور اس کے زورِ بیان کو دیکھکر کچھ لوگوں نے مان ہی لیا ہے کہ اس نظریہ کی بنیاد عقلیت پر ہے۔ اس کا کہنا

ہے کہ عبادات کا مقصود وہی ہے جو بازار میں خرید و فروخت اور لین دین میں سکہ کا ہوتا ہے۔ گویا عبادات ان اجور، ثواب اور نعمتوں کی قیمتیں ہیں جو بارگاہِ حی وقیوم سے بندوں کو ارزانی ہو رہی ہیں اور ہوں گی۔ اس نظریہ کی بنیاد پر اللہ اور اس کی مخلوقات کے باہمی تعلقات بائع اور مشتری کے اور مستاجر و اجیر کے بنتے ہیں۔

یہ دونوں گروہ اپنے نظریات میں ایک دوسرے کے مدمقابل ہیں اور دونوں میں حد درجہ تباین ہے۔ پہلا طبقہ اعمال اور اس کی جزائیں اگر سرے سے ہر تعلق کی نفی کرتا ہے اور یہ جائز قرار دیتا ہے کہ اللہ جل شانہ' اس کو بھی عذاب و تکلیف کی آماجگاہ بنا دے گا جس کی ساری عمر خدا کی طاعت میں ختم ہو گئی ہو اور اس کو نعمتوں سے مالا مال کر دے گا جسنے عمر بھر میں کوئی سانس بھی خداوند ذوالجلال کی بغاوت کے بغیر نہ لیا ہو، دونوں کا مقام ایک ہے۔ تو دوسرا گروہ اعمال ہی کو اصل قرار دیتا ہے اور اللہ جل شانہ' کے فضل و رحمت اور قدرت کو اعمال کی زنجیروں میں جکڑ کر اصلح کا ڈھنڈورا پیٹتا ہے۔ درحقیقت دونوں ہی صراطِ مستقیم سے ہٹے ہوئے ہیں۔ پہلا اس لئے کہ اعمال ثواب و عقاب کے لئے اسباب ہیں۔ یہ بھی اپنے مقتضیات سے ایسا ہی تعلق رکھتے ہیں جیسے دنیا کے سارے اسباب مسببات سے۔ دوسرا اس لئے کہ اعمال صالحہ کا رشتہ وجود اللہ جل شانہ' کی توفیق اور فضل و رحمت سے ملا ہوا ہے۔ اس لئے اعمال بذاتِ خود قیمت نہیں ہیں۔ ارشادِ نبوت لن یدخل احد منکم الجنۃ بعملہ میں باء عوض اور مقابلہ کے لئے ہے اور اس میں زبان نبوت اس گروہ کی تردید فرما رہی ہے جو عبادات کو نعمتہائے الٰہیہ کی قیمتیں بتلاتے ہیں۔ اور زبان وحی ادخلوا الجنۃ بما کنتم تعملون میں باء سببیت کے لئے ہے اور اس گروہ کی صاف اور کھلی تردید ہے جو جزا اور اعمال کے درمیان

Marfat.com

کسی ربط باہمی کا قائل نہیں ہے۔ گویا دونوں افراط و تفریط کا شکار ہیں۔ راہِ اعتدال اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اعمال نعمت ہائے الٰہیہ کے لئے سبب ہیں مگر عوض اور قیمت نہیں ہیں یہی مسلکِ حق ہے۔ تیسرا گروہ بھی ہے۔ اس کے خیال میں عبادت کی غرض بس اور صرف یہ ہے کہ ریاضت اور مجاہدہ کے ذریعے نفوسِ انسانی میں فیضانِ علوم کی صلاحیت رونما ہوجائے اور نفس اپنی بہیمی اور سبعی قوتوں سے الگ تھلگ ہوجائے۔ اس گروہ میں دو طبقے ہیں۔ ایک وہ فلاسفہ جو قدم عالم وغیرہ کے قائل ہیں۔ دوسرے فلاسفہ صوفیائے اسلام دونوں عبادات کو ریاضیات کے درجہ کی بات سمجھتے ہیں۔

چوتھا گروہ محمدی اور ابراہیمی ذہن رکھتا ہے۔ عبادت اور اس کے پس منظر، غایت اور غرض کو ایک تحقیقی نظر سے دیکھتا ہے اور یہ نظریہ ٹھیٹھ فطری اور عقلی بنیادوں پر قائم ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ عبادت کا کوئی پس منظر الٰہیت کی حقیقت سے الگ ہو کر نہ مقرر ہو سکتا ہے اور نہ ہی تصور میں آسکتا ہے۔ الٰہیت بھی خدا کی دوسری صفات کی طرح ایک صفت ہے اور یہ صفت اللہ جل شانہٗ کے سوا کہیں نہیں پائی جاتی نہ حقیقتاً نہ مجازاً — خداوند ذوالجلال کی الوہیت ہی عبادت کا اصلی سبب، اثر اور تقاضا ہے۔ اللہ اور عبادت میں باہم ایسا ہی تعلق ہے جیسے متعلقاتِ صفت کو صفت کے ساتھ ہوتا ہے۔ کیا معلومات بغیر علم کے اور مقدورات بغیر قدرت کے کوئی وجود رکھتی ہیں؟ اگر نہیں رکھتی ہیں اور یقیناً نہیں رکھتی ہیں تو پھر عبادت کا بغیر الاہیت کے وجود کیوں اور کیسے ہو سکتا ہے؟ الٰہیت خود عبادت چاہتی ہے اسی طرح جیسے بھوک روٹی اور پیاس پانی چاہتی ہے۔

جیسا پہلے بتا آیا ہوں کہ عبادت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ منعم کے

انعامات کی بے پایاں بارش دیکھ کر خواہ مخواہ آدمی تو آدمی حیوانات میں بھی وجدانی طور پر ایسی محبت پیدا ہوتی ہے جس میں اپنی نیازمندی اور منعم کی عظمت کی آمیزش ہوتی ہے باہمی تعظیم و تذلل کے امتزاجی پیمانہ محبت سے عبادات کی قسمیں بنتی ہیں۔ اس لئے اصل عبادت اللہ جل شانہٗ کی محبت ہے۔ نہ صرف محبت بلکہ بلا شرکت غیرے محبت اللہ جل شانہٗ کی عبادت ہے۔ اس کے ساتھ کسی سے بھی محبت نہیں ہو سکتی ہے۔ محبت اگر کسی سے ہو سکتی ہے تو صرف اس کی خاطر ہو سکتی ہے۔ انبیاء و اولیاء سے اسی لئے تو محبت ہوتی ہے کہ وہ اللہ والے ہوتے ہیں۔ چونکہ عبادت کی حقیقت، غایت محبت ہے اور محبت کا کوئی مرحلہ بغیر اوامر کے اتباع اور نواہی سے اجتناب کے پورا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے نبوت کی اتباع ہی کو مدعیان محبت کے لئے محبت کی نشانی قرار دیا ہے۔ قرآن میں ہے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ

اللہ سے محبت کی لازمی شرط اتباع رسول بتائی گئی ہے چونکہ مشروط کا شرط کے بغیر پایا جانا محال ہے اس لئے اتباع نہ ہونے کی صورت میں محبت ناممکن ہے کوئی شخص ولی نہیں ہو سکتا اتباع چھوڑ کر ــــ اور یہ بھی سمجھنے کی بات ہے کہ پیغمبر کی اتباع کو شرط محبت قرار دیا گیا ہے صرف اطاعت کو نہیں۔ اتباع اور اطاعت میں بہت بڑا فرق ہے ـ اطاعت وہ ہی ہے جسے ہم اردو میں کہا ماننا کہتے ہیں اور اتباع کہتے ہیں کسی محسوس اور مرئی نمونہ کے مطابق کرنے کو اور بات ماننے کو۔ اسی لئے سارے قرآن میں یہ کہیں نہیں آیا کہ اللہ جل شانہٗ کی اتباع کرو، یہ ضرور آیا ہے کہ اطاعت کرو۔ اور اسی لئے اطاعت کا مطالبہ زبان نبوت نے سیاسیات میں سب کے لئے کیا ہے۔ فرمایا

اطیعوا ولو عبدا حبشیا

مگر اتباع کا دائرہ صرف خلفاء راشدین تک محدود رکھا ہے۔ کیونکہ ان کے تمام اعمال براہ راست سراج رسالت سے ماخوذ تھے۔ شرطِ محبت چونکہ اتباع ہے۔ اس لئے نصر آبادی کہا کرتے تھے

ادعیتم حب رسول اللہ وترکتم سنتہ

آمدم برسرِ مطلب۔ عزیز من! علم کا منشاء اور صرف یہ ہے کہ محبت کے لئے جس کی اتباع کو شرط قرار دیا گیا ہے اس کی زندگی کی مختلف حالتیں، اعمال، احوال سامنے آجائیں تاکہ ایک انسان مسلمان ہونے کے بعد شرطِ محبت کو پورا کر سکے۔

شاید تم اسے فرزانگی کہو مگر میں تو اپنے اس عمل کو جو ختم نبوت کے سلسلے میں مجھے قید و بند تک لے آیا دیوانگی اور صرف دیوانگی سمجھتا ہوں۔ فرزانوں کو تو تم سمجھا سکتے ہو، بہلا سکتے ہو مگر دیوانے دیوانے ہوتے ہیں یہاں افہام و تفہیم کام نہیں دیتا۔

عشق مے گوید کہ اے محکومِ غیر | سینۂ تو از بتاں مانندِ دیر
تانہ داری از محمد رنگ و بو | از درودِ خود میالا نام او

اس موضوع پر اپنی ذات کی حد تک صرف اتنا جانتا ہوں کہ چالیس سال کی عمر کا تقریباً آدھا حصہ مطالعہ و تحقیق اور فکر و غور میں بیت گیا ہے۔ اس بیس سال کی مدت میں پڑھ کر سن کر، سوچ کر، سمجھ کر اور مشاہدہ تجربہ کر کے اس بارے میں میری معلومات کا ایک نامس سانچہ بن چکا ہے۔ میں ایک یقین رکھتا ہوں جس کی پشت پر برسوں کے مطالعہ سے فراہم کئے ہوئے دلائل ہیں میں نے جس چیز کو حق پایا ہے۔ اس پر پورے قلبی اطمینان اور دماغی سکون کے ساتھ ایمان لایا ہوں۔ میری یہ معلومات میری ذات تک محدود نہیں رہی ہیں بلکہ میں پوری بیس سال سے ان کی تبلیغ کر رہا ہوں۔ اب اگر کسی نے یہ سمجھ لیا ہے کہ میری معلومات، میری تحقیقات اور میرے عقائد کو صرف طاقت اور جیل کی دھمکی سے بدلا جا سکے گا۔ تو میں اس کے متعلق اس کے سوا کیا کہوں

کہ ایسے شخص کا مقام ایوان حکومت نہیں بلکہ کچھ اور ہے اور اگر وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس دباؤ میں آکر میں اپنا ایمان اس کے پاس رکھ دوں گا اور آئندہ واشن کئے ہوئے خیالات ہی ظاہر کروں گا تو میں اس کو آگاہ کرتا ہوں کہ اس نے مجھے اپنی ترازو میں تولنے میں غلطی کی ہے میرا دل صداقت کے لئے تو ہمہ وقت کھلا ہوا ہے اور میری رائے کو علمی اور عقلی دلائل سے بدلا جا سکتا ہے۔ لیکن حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت میری رائے نہیں بلکہ میرا ایمان ہے اور ایمان قابل بیع و رہن چیز نہیں ہے۔ تین ماہ کی قید کے بعد جب میں باہر گیا تو میرا درس، جمعہ کی تقریر اور عیدگاہ کا خطاب گواہ ہے کہ میرا پہلا بول وہی تھا جس کی پاداش میں تین ماہ اندر رہ کر جا چکا تھا۔ میں محسوس کرتا تھا کہ یہ ایمان ہے اور اس کا اظہار میرا پیدائشی حق ہے۔ اسے دبانے کی پہلے بھی جس نے کوشش کی ہے ناکام ہوا ہے اور آئندہ بھی جو کرے گا انشاء اللہ ناکام رہے گا۔

یہ کیسے ممکن ہے کہ ذاتِ نبوت سے عشق ہو اور چھپ جائے۔ یہاں شرطِ محبت ہی اتباع ہے اور بس۔ تم نے اگر اس وقت وقت کا مطالبہ پورا نہیں کیا تو یہ رونے کا مقام ہے۔ قرآن نے تبوک میں پیچھے رہنے والوں سے کہا تھا۔

فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَّلْيَبْكُوا كَثِيرًا

خدا سے اس گناہ کے لئے مغفرت کی دعا مانگو۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ

بنام مولانا عطاء الرحمٰن عتیق مولوی فاضل بی۔ اے۔ بی۔ ٹی۔ محلہ دھاروال سیالکوٹ

Marfat.com

ڈسٹرکٹ جیل سیالکوٹ

۳۰ر اکتوبر ۱۹۵۳ء

اسلامی نظامِ حیات کی برتری کی تمنا، رائے عامہ اور جمہوریت، رائے عامہ کے جائزہ لینے کا طریق، باطل کی ہواؤں سے حقائق کے چراغ نہیں بجھتے۔ جو کچھ مل جائے غنیمت ہے۔ سب کی فکر میں سب کچھ نہ چھوڑنا دانش مندی ہے، زعامت اور قیادت کا فرق —

عزیز من! السلام علیکم

دھیرے دھیرے حالات کو بدلتے ہوئے پڑھ پڑھ کر کڑھ رہا ہوں۔ اپنے لئے نہیں۔ اپنا تو ہے ہی کیا۔ آخری سانس ہیں۔ خدا کرے ایمان کے ساتھ دنیا سے روانگی ہو۔ زندگی تو اپنے ملک کے عوام کی وجہ سے کڑھن ہو رہی ہے۔ کیا ہوگا۔ کیا واقعی ایسا وقت آئے گا کہ اس ملک کی عوامی زندگی راحت کا سانس لے گی اور ان زمین پر لیٹنے والوں، بھیک مانگنے والوں، دواؤں سے محتاج ایڑیاں رگڑ رگڑ کر جان دینے والوں کو رہنے کیلئے اچھا مکان، سواری کے لئے کار، کھانے کے لئے عمدہ عمدہ اور لذیذ کھانے اور بیماری کے لئے شفاخانوں کی امداد ملے گی؟؟؟

پڑھتے ہیں کہ اسلام نے اپنے عہد اقتدار میں عوامی معاشرے کو اتنا بے نیاز اتنا باوقار اور متمول بنا دیا تھا کہ صاحبِ نصاب کو صدقہ دینے کے لئے ڈھونڈے سے شہری زندگی میں کوئی غریب نہ ملتا تھا۔ واہ واہ کیا کہنے ہیں اس نظام کے۔ اور کیا یا ارضی زندگی ابن آدم کیلئے پھر جنت کی پر کیف اور شاداب زندگی نہیں۔ بس کڑھن یہی ہے اور غم اسی کا ہے۔ جی چاہتا ہے کہ ایک دفعہ تو خالص اسلامی زندگی خس و خاشاک سے صاف ہو کر سراب ضلالت میں کھٹکتی ہوئی دنیا کے سامنے آ جائے علمی نہیں بلکہ عملی طور پر۔ کم از کم ان نادانوں کو جو ہر قدم پر اپنے گھر سے ہٹ کر دوسروں

Marfat.com

کے لقموں کو دیکھتے رہتے ہیں اور ہر نظر فریب لقمے کو دیکھ کر لٹو ہو جاتے ہیں۔ کبھی کمیونزم، کبھی فیسی ازم اور کبھی امپریلزم کا منہ دیکھتے ہیں۔ پتہ لگ جائے کہ اسلامی نظام حیات کی برکتیں کیا ہیں، دستور ساز اسمبلی نے قدم تو اٹھایا ہے مگر کیا کہوں اور کس سے کہوں۔ ان اوپر والوں کو کچھ پتہ نہیں کیا ہو گیا اور کس دھن میں ہیں۔ ڈھنڈورا پیٹتے ہیں جمہوریت کا مگر کردار پیش کرتے ہیں۔ امپریلسٹوں کا۔ اسلام کو ان لوگوں نے ہوّا بنا دیا ہے۔ ساری آبادی اسلام اسلام کر رہی ہے۔ مگر ان کے کانوں پر جوں نہیں رینگتی۔ اور مزہ یہ ہے کہ ہر سانس میں جمہوریت کی راگنی الاپتے ہیں پتہ نہیں کہ ان کی لغت میں جمہوریت کس بلا کا نام ہے۔ آزاد ملکوں کا دستور ہے کہ جمہور کی جانب سے چنے ہوئے نمائندے ہر قدم پر جمہور کے احساسات کا احترام کرتے ہیں مگر یہاں کا الٹا دستور ہے۔ رائے عامہ مطالبہ کرتی ہے اور پوری قوت سے مطالبہ کرتی ہے۔ جلسے کرتی ہے۔ جلوس نکالتی ہے۔ قرار دادیں پاس کرتی ہے۔ تاریں روانہ کرتی ہے۔ لفافوں اور کارڈوں کے پلندے کے پلندے بھیجے جاتے ہیں مگر اکڑی ہوئی گردن یہی کہتی رہتی ہے کہ ایک مخصوص طبقے کی آواز ہے۔ یہ جتانے کے لئے کہ یہ آواز عوامی ہے۔ جب عوام خود ہی پانچ پانچ آدمیوں کو وزیروں کی کوٹھی تک بھیجنے کا ارادہ کرتے ہیں اور ہر شہر سے اس کے لئے قدم اٹھاتے ہیں تو یہی عوام کے نمائندے اور جمہوریت کا راگ الاپنے والے عوام کے خون سے ہولی کھیلتے ہیں اور نام رکھتے ہیں اس کا لاء اینڈ آرڈر — جب دل کی بھڑاس کسی سے بھی نہیں نکلتی تو خالص امپریلسٹ کا مخصوص مستبدانہ اور حاکمانہ جولا ہین کر پنجاب کے مشہور اوڈوائیر کی یاد تازہ کرتے ہیں۔ کیسی بے انصافی اور کیسے بیچارے عوام کو پریشان کرنے کا سامان ہے۔ کوئی ان سے پوچھے خدا کے بندو! یہ کہاں کی جمہوریت ہے۔ انصاف تو یہ تھا کہ اگر عوام کے نمائندوں کو کسی مطالبے کے عوامی ہونے

Marfat.com

کا یقین نہ آئے تو اس کے لئے یقین کے ذرائع پیدا کریں۔ ہر شہر میں خود جلسوں میں پہنچیں۔ اگر یہ نہیں تو استصواب کرالیں سارے ملک کا نہ سہی ایک صوبے کا کرائیں سارے صوبے کا نہ سہی ایک ضلع کا کرائیں۔ سارے ضلع کا نہ سہی تو ضلع وار ایک ایک تحصیل کا کرائیں۔ مگر یہ کام تو وہ کرے جسے رائے عامہ کے سامنے جھکنا ہو اور جو کرسیوں پر بیٹھنے کے بعد رائے عامہ کو جھکانے اور کچلنے کا تہیہ کر چکے ہوں وہ ایسا کیوں کریں؟ تحریک ختم نبوت اسی استبداد کی بھینٹ چڑھ گئی۔ رائے عامہ کو پامال کر دیا گیا۔ پامالی کی وجہ جواز کے لئے بھانت بھانت کی بولیاں بولی گئیں بتایا گیا کہ ہندوستان سے مل گئے۔ کہا گیا کہ دولتانہ اقتدار کا خواہاں ہے۔ اس نے مولویوں کو پیسے دے کر استعمال کیا ہے۔ جتنے منہ اتنی باتیں۔ مگر کیا باطل کی ہواؤں سے کہیں حقائق کے چراغ بجھے ہیں۔ حقیقت تو حقیقت ہے خواہ اس کے لئے مجاز کے کتنے ہی مصنوعی ڈھانچے بنائے جائیں — مجھے اب اسلام کا نہیں بلکہ اسلام والوں کا دکھ کھائے جا رہا ہے۔ ۱۹۴۷ء ایک خواب شیریں تھا۔ مزہ بڑا آیا۔ خواب تھا واقعی یہ خواب کہ اسلام برسر اقتدار ہے۔ قرآن و سنت رائج، خلافت راشدہ کا دور عود کر آیا ہے۔ بازاروں میں کلبوں میں، عدالتوں میں خدا اور رسول کی طاعت ہی طاعت ہے۔

ان سب باتوں کے باوجود اب تک جو کچھ ہوا ہے خوب ہوا ہے میں اس اصول کا آدمی ہوں کہ مالا یدرک کلہ لا یترک کلہ۔ جو کچھ ہوا ہے غنیمت ہے۔ اگر بالا دست قوت صالح ہو تو اسی سے بہت کچھ غیر معمولی فوائد ہو سکتے ہیں۔ اگرچہ ابھی خود اس میں بہت کچھ لب کشائی اور مطلب برآری کی گنجائش ہے۔

اول تو آئین اور قانون کی خود باہمی آویزش ایسی ہے جس سے جابکدست

Marfat.com

باآسانی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

دوم یہ کہ قرار داد کا انطباق مستقبل میں بننے والے صوبائی قانون سازاداروں کے قوانین پر ہو۔

سوم رائج الوقت قوانین نہ کالعدم ہوں گے اور نہ ان کو قرآن وسنت کی مخالفت کے بہانے سے فیڈرل کورٹ میں چیلنج کیا جا سکے گا۔

چہارم شہریت اور شہری آزادی خود محتاج تشریح ہے۔ کل کا ذکر ہے کہ پنجاب کے قانون سازادارے نے شراب کی بندش کا قانون بنایا اور ایک شخص نے اس کے خلاف عدالت میں استغاثہ دائر کیا۔ عدالت نے شہری آزادی کے بہانے سے قانون کو ناجائز قرار دیا۔

پنجم مذہبی آزادی کا جو ٹائیٹل دستوری طور پر دیا گیا ہے۔ وہ اس مرحلہ پر عجب نہیں کہ بے دینی کی وبا پیدا کر دے اور زمانۂ اکبر کی طرح ایک گروہ ایسا پیدا ہو جائے جو قرآن وسنت کی بیان کردہ حدوں کو اپنے فکر ونظر کی کوتاہیوں سے پامال کر دے۔

ششم دستوری چربے کی یہ آئیٹم بڑی ہی خطرناک ہے کہ قرآن وسنت کی تعبیر جو فرقہ جس طرح کرے گا۔ اسی کو اسی طرح مانا جائیگا۔

شیعوں کو جانے دیجئے یہ تو شاہی فرقہ ہے۔ چکڑالوی فرقہ اور بھنگ پینے والوں کا مخصوص فرقہ ہے یعنی جنہیں ہم اہل سنت کہتے ہیں۔ ان میں خود ہزاروں مذہبی بولیاں بولنے والے موجود ہیں۔ کل کی بات ہے کہ عرس پر کنجروں کے ناچ کے متعلق پنجاب اسمبلی میں سکندر کے زمانے میں کسی شخص نے آواز اٹھائی تو سر شہاب الدین نے یہ کہہ کر ختم کر دی کہ مذہب میں مداخلت ہے اور مذہبی مداخلت شہری آزادی کے

Marfat.com

خلاف ہے۔

اب غور فرمائیے کہ ان حالات میں اس اسلامی جمہوریہ میں قرآن وسنت کی کس حد تک پابجائی ہوگی۔

الغرض ابھی بہت کچھ خدشات ہیں ۔ اور کیا عرض کروں۔

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ

بنام مولانا حافظ خواجہ محمد احسان الحق صاحب مولوی فاضل ایڈمنسٹریٹو سول جج گوجرانوالہ

Marfat.com

ڈسٹرکٹ جیل سیالکوٹ

۳؍ نومبر ۱۹۵۳ء

خلوت ایک بہت بڑی نعمت ہے، اللہ سبحانہ کی شان جمالی وجلالی، بلاء اور بلاء حسن میں فرق، شیخ اکبر اور مولانا روم کا نظریہ، علامہ محب اللہ بہاری کا تعارف ــــ

عزیزی العزیز! السلام علیکم

مورخہ ۳؍ نومبر وقت عصر ہے۔ اذکار سے فراغت ہوئی تم یاد آئے۔ یہ پتہ نہیں کہ کیوں؟ تم تو سوچتے ہو گے کہ مجھے تکلیف ہو گی۔ اس لئے کہ جہاں میں ہوں۔ لوگوں کو اس جگہ سے نفرت ہے۔ نام ہی سے کتراتے ہیں مگر آہ لوگوں کو پتہ نہیں کہ یہاں کیا ہے۔ اگر انہیں پتہ ہو جائے تو باہر کی کروڑہا سرمایہ دارانہ زندگیاں قیمت دے کر بھی اسے خریدیں اور تمنائیں کریں۔ مگر کھوکھلی تمناؤں، جھوٹی آرزوؤں سے یہ نعمت نہیں ملتی یہ تو خاص اللہ جل شانہ، کا انعام ہے۔ مجھے تو اس زندگی کے اب قیمتی ہونے کا پتہ چلا ہے۔ دیکھئے میاں کب تک رکھتے ہیں۔ اب تک ان کی شانِ جمالی کی گود میں وقت گذرا تھا اور سمجھتے تھے کہ بس گود یہی ہے۔ اب شانِ جلالی کی گود دیکھی تو اس کی بوقلموں لذتیں اور رنگ برنگ کی حلاوتیں اور ہی نظر آئیں۔ اب سمجھ میں آیا کہ اللہ جل شانہ، نے قرآن میں بدر والوں کو سمجھاتے ہوئے لیبلی المؤمنین منه بلاء حسنا میں بلاء کے ساتھ حسن کی قید کیوں لگائی تھی۔ وہ محبت ہی کیا ہے اور اس میں مزہ ہی کیا ہے جو جفا سے خالی اور شورشوں سے نا آشنا ہو۔ مزہ تو تڑپنے میں ہے اور تڑپ تڑپ کر مٹنے میں ہے۔ اللھم ارزقنی شھادۃ فی سبیلک واجعل موتی ببلد رسولک ﷺ ــــ

Marfat.com

اب فکر یہاں کی نہیں وہاں کی ہے۔ اللہ سے دعا کرو کہ انجام بخیر ہو۔ دل میں ایک آرزو ہے۔ اس کی پا یجائی کی تدبیر سوچتا ہوں مگر ابھی تک سمجھ میں نہیں آئی۔ کوشش کر رہا ہوں اور پُر امید ہوں کہ انشاء اللہ گوہر مقصود ضرور ملے گا۔

اس وقت دماغ میں ایک خلجان ہو گیا کہ شیخ اکبر اور مولانا روم کا نظریہ یہ بتایا جاتا ہے کہ جو محسوس نہیں وہ معقول بھی نہیں۔ نظریہ تو خوب ہے مگر یاد پڑتا ہے کہ ملا محب اللہ بہاری صاحب مسلم الثبوت نے اسے براہمۂ ھند کا فکر یہ قرار دیا ہے۔ ملاجی کے بارے میں آزاد بلگرامی نے بحرے ست از علوم و بدرے ست بین النجوم لکھا ہے۔ عالمگیر کے زمانے میں لکھنؤ اور دکن کے منصب قضا پر رہے۔ پھر معتوب ہو کر معزول ہو گئے۔ اس کے بعد سفارشوں سے پھر منظور نظر ہو کر شاہزادۂ عالم کے اتالیق مقرر ہوئے عالمگیر کی وفات کے بعد شاہ عالم کے زمانے میں سارے ھندوستان کے محکمۂ قضا کی صدارت ملی۔ عالم بڑے ہیں۔ بقول صاحب مآثر الکرام آباؤ اجداد انبہٹہ کے رہنے والے ہیں۔ انبہٹہ کی زمین ہی بڑی مردم خیز ہے۔ درس نظامی میں ان کی دو کتابیں داخل ہیں اور دونوں عجیب ہیں۔ سلم العلوم اور مسلم الثبوت۔ سلم العلوم میں ایک جگہ شاید قضایا کی بحث کے آغاز میں ایک اعتراض کا جواب دیا ہے اور دعویٰ کیا ہے کہ یہ جواب میرا خانہ ساز ہے۔ مجھ سے پہلے یہ کسی کو نہ سوجھی حالانکہ ان سے پہلے تفتازانی نے مطول میں بھی یہی جواب لکھا ہے اور ملاجی سے اچھا لکھا ہے۔ مولانا ابراہیم بلیاوی نے حاشیہ پر بہت کچھ مدافعت کی ہے مگر بات چپکی نہیں ہے۔ اصل یہی ہے کہ شاید ملاجی چوک گئے عافاہ اللہ۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ

بنام مولانا محمد میاں صدیقی کاندہلوی فاضل جامعہ اشرفیہ و مولوی فاضل علمی مرکز انارکلی لاہور۔

ڈسٹرکٹ جیل سیالکوٹ

۱۰ر نومبر ۱۹۵۳ء

حسن پسندی اور حسن کاری، قرآن حسن کاری کا داعی بن کر آیا، حسن پسندی کے لئے قرآن وحدیث کا سہارا، حسن پسندی کا نسب نامہ، حسن کاری کی تشریح، آیت محکم سے اخذ کردہ نتائج، امت میں استحسان کی مثالیں، صحابہ کو جو چیز سیاست میں گوارا نہ تھی وہ ہمیں عبادت میں پسند ہے، اباحت کا نظریہ اور اس کا نسب نامہ

عزی المخلص السلام علیکم

اس وقت دن کا ایک بجا ہے۔ چائے پی کر قلم دوات سامنے رکھی معاً تم یاد آئے۔ اس یاد کی اس خط سے تلافی کر رہا ہوں۔ جی تو چاہتا ہے ؎

گاہے از ہجر دوستاں کردن

گریہ ہائے ہائے می خواہم

کسی نے سچ کہا ہے ؎

راحت از روزگار نتواں یافت

خرمی ازیں دیار نتواں یافت

مزہ چاہتے ہو تو دیار پر زور دے کر پڑھو اور سنائی کا دل پہلو میں ہو تو اسلام کا مرثیہ کہو ؎

مسلماناں مسلماناں مسلمانی مسلمانی

ازیں آئینِ بے دیناں پشیمانی پشیمانی

کیا کہوں اور کیسے کہوں ؎

سواد نامہ خود افسانہ ما است که ایں دور از دل دیوانہ ما است

Marfat.com

دل دیوانہ والی بات خوب جچی ۔ واقعی ہم جیسے فرزانگی کہتے ہیں وہ اغیار کی زبان میں دیوانگی ہونی چاہیئے ۔ اے کاش ہمارے عمل کی یہی قیمت ہو ۔ شائد کہیں پڑھا ہے نہ معلوم اس کا روائیتی مقام کیا ہے کہ

لن یؤمن احدکم حتی یقال انہ مجنون

اللہ اللہ کیسے ہوں گے وہ دیوانے جن کے نام کو اسلام کے نام پر بٹہ لگانے والے ہم فرزانے ہیں ۔ شاید والدین نے غلطی سے علی نام رکھ دیا ورنہ ؎

مرد را کردار عالی گرداند نہ نام!!

ہر کسے را علی نام است نے چوں حیدر است

بیابانی تو سب ہوتے ہیں مگر ہر آہوئے صحرائی کا خون مشک اذفر نہیں ہوتا ۔ ان کی دیوانگی پر ہزار فرزانگیاں قربان ۔ جنہوں نے اسلام کو دنیا میں پیش کیا اور اس کی خاطر جانوں اور مالوں کی بازی لگا دی ۔ کیسے عواقب سے بے خبر تھے اور کیسے نتائج سے بے پرواہ ۔ گویا کہ رسم ناز چناں باشد و نیاز چنیں ۔ ایران والوں نے انکو دیکھ کر دیوانہ دیوانہ پکارا تھا ۔ ان کو ان کی نیاز مندانہ سرشاریوں کی وجہ سے دیوانہ ہی پکارا جانا چاہیئے ۔ اللہ اللہ نہ ان کے یہاں سیاسی مصلحتیں تھیں نہ اقتصادی منفعتیں ۔ سب سے بڑی سیاسی مصلحت اللہ کے دین کا بول بالا اور سب سے بڑی اقتصادی سودمندی نفس کی لذتوں کو ختم کر کے رسالت کے چراغ کو روشن کرنا تھا ۔ آہ آج تقدیر الٹ گئی ۔ قضا بدل گئی ۔ زمین دگر ہو گئی ۔ زندگی کے ہر گوشے میں حسن کاری کی جگہ حسن پسندی آگئی ۔ قرآن حسن کاری کا داعی بن کر آیا ہے جسے قرآن و سنت کی زبان میں احسان کہتے ہیں ۔ احسان کے معنے نیکی کردن نہیں بلکہ نیکو کاری کردن ہیں ۔ زندگی کے ہر گوشے میں نیکو کاری اور حسن کاری کا مطالبہ تھا یعنی صرف عمل کا نہیں بلکہ ہر عمل میں حسن کار بننا ضروری قرار دیا

Marfat.com

تھا بشائد طبرانی کی روایت ہے کہ

ان اللّٰہ کتب الاحسان علی کل شئ

بعد کو یار لوگوں نے مطالبے کی سختی سے تنگ آکر ترمیم کی اور حسن کاری کی جگہ حسن پسندی کو قرآن کی ساری آیتوں اور رسالت کے سارے ارشادات کو پس انداز کر کے اسلام کا مطالبہ بنا دیا۔ گویا اسلام کا مطالبہ احسان نہیں بلکہ استحسان ہو گیا اور داد دیجئے اس ذہن کی جس نے اس کی تائید

ما راٰہ المسلمون حسنًا فھو عند اللّٰہ حسن

سے پیدا کر ڈالی۔ اور اس باریک پردے کے پیچھے نبوت کے خلاف ہر شخص نے من مانی سازشیں کیں۔ جی بھر کر اسکیمیں بنائیں۔ وہ ساری کرلیں جسے نبوت کمزور کرنا چاہتی تھی نبوت ہی کے نام پر چالو ہو گئی۔ ایجنسیاں بن گئیں اور کوچہ بکوچہ، در بدر، محلہ بہ محلہ، قصبہ در قصبہ اور شہر در شہر ایجنٹ پھیل گئے

فانا للّٰہ والی اللّٰہ المشتکی

اجتماعی اور سیاسی زندگی سے لیکر انفرادی زندگی تک یا دانا لحکومت سے لیکر مسجد اور خانقاہ تک کایا پلٹ گئی۔ مسلمانوں میں سب سے پہلی تلوار اٹھی کیوں؟ پتہ نہیں کہ لوگ کیا سمجھتے ہیں مگر میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ بنیادی اختلاف یہی تھا کہ سیاسی اور اجتماعی زندگی میں کچھ لوگوں نے احسان سے ہٹ کر استحسان کی راہ اختیار کرلی۔ یعنی فکر و نظر کہئے یا نفس کا چور کہئے سوچنے والوں نے یہ سوچا کہ نبوت نے سیاسی اور اجتماعی زندگی میں جو اسوۂ حسنہ چھوڑا ہے اس کی پابجائی ضروری نہیں ہے۔ یہ اسلام کے نام لیواؤں میں سب سے پہلے شیطان کو قدم جمانے کا موقع ملا اور قرآن کی چیختی ہوئی متعدد آوازیں خالص سیاست کے میدان میں صدا بصحرا ہو گئیں۔ نہ ان کنتم تحبون اللّٰہ فاتبعونی

پر نظر رہی نہ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ سامنے رہا اور نہ لیبلوکم ایکم احسن عملاً پر غور کیا سب سے بے نیاز ہو کر اور فلا وربک لا یومنون الخ سے نظریں بچا کر فیصلہ کر لیا کہ سیاسی اور جماعتی زندگی میں اسلام حسن کاری کا نہیں بلکہ حسن پسندی کا خواہاں ہے۔ بلکہ بعد میں کہنے والوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ حکومت کے باب میں مجھ سے حسن کاری کا جو مطالبہ کرے گا اضرب عنقہ سے میں اس کی گردن اڑا دوں گا

اب ذرا آگے بڑھئے اور سوچئے کہ اس بنیادی تبدیلی کا نتیجہ کیا نکلا۔ وہی جو ایک کم ظرف کو پولیس کمشنر بنانے یا ایک نادان تنگ نظر کو وزیر اعظم بنا دینے کا ہوتا ہے۔ اول اقتدار کا نشہ ہی کچھ ایسا ہے کہ اس شراب کو پی کر کوئی بھی نبوت سے الگ ہو کر قابو میں نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ حکومت کے فرائض انجام دینے کے لئے جس علم کی اور جس بے لوثی و بے غرضی اور بے نیازی کے ساتھ خدا کے ڈر اور محاسبہ کے دھڑکے کی حاجت ہے وہ نبوت سے الگ ہو کر کہاں سے آئے۔ یہی وجہ ہے کہ خلافت راشدہ کو چھوڑ کر ہر دور میں کوئی سیاست بھی خواہ وہ انفرادی زندگی میں کیسی ہی اچھی ہو انسانی زندگی میں صحیح توازن قائم نہ رکھ سکی۔

ظلم و عدوان، ناجائز نفع اندوزی، بے اعتدالی اور ناہمواری نے کسی نہ کسی صورت سے راہ پائی۔ انسانی زندگی فطری آزادی سے محروم ہو گئی۔ سارے مصائب، ساری تباہیوں اور امت کی ساری محرومیوں کی اصلی جڑ یہی ہے یہ وہ روگ ہے جس نے پورے اسلام کا نقشہ بدل دیا ہے۔ اور جس بیماری کا آغاز دماغ سے ہوا تھا وہ پلوں دوڑ کر سارے جسم اسلام میں پھیل گئی۔ اخلاق و روحانیت، علم و فکر، تمدن و معاشرت اور یاد الٰہی اور نیاز مندی کو دیمک کی طرح اندر اندر کھا رہی ہے۔ اس کا علاج اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ پھر

Marfat.com

سے نظر کو حسن پسندی اور استحسان سے ہٹایا جائے اور قرآن کے مطلب لیے یعنی حسن کاری اور احسان کو پورا کیا جائے۔

تاریخ میں آج تک ان دلوں کے نام موجود ہیں جن میں اس کے لئے سر توڑ اور جانگسل کوشش کی گئی تھی۔ صفین ہو یا حرّہ۔ کربلا ہو یا بیابان مکہ اور مدینہ میں ہوں یا حسین شہید ہوں یا دوسرے تابعین۔ اسی میدان کے ہیرو ہیں۔ یہ اس کے سوا کچھ نہیں جانتے تھے کہ خالص سیاسی زندگی میں استحسان سے منہ موڑ کر احسان کو اپنایا جائے ؎

سر داد نہ داد دست در دستِ یزید
حقا کہ بنائے لا الٰہ است حسین

کہتے تھے اور صرف یہی کہتے تھے کہ سیاست میں نبوت نے جو اسوۂ حسنہ چھوڑا ہے اور جسے خوبی کے ساتھ پہلوں نے نبھایا ہے اس میں ترمیم نہ ہو یہی احسان اور حسن کاری ہے۔ حافظ ابن کثیر نے شاید لیبلوکم ایکم احسن عملا کے تحت فضیل بن عیاض کے حوالے سے ان گنت تابعین اور صحابہ کا یہ تاثر نقل کیا ہے۔

لا یقبل العمل الا اذا کان خالصا وصوابا والخالص ان یکون للہ تعالیٰ والصواب ان یکون علی سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (او کما قال)

جنید بغدادی کی طرف منسوب کر کے جو تصوف کی کتابوں میں یہ فقرہ لکھا جاتا ہے کہ

الطرق کلھا مسدودۃ علی الخلائق من اقتفی اثر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اوروں کا پتہ نہیں مگر میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ زندگی کی کوئی شاخ بھی اثر رسول سے الگ ہو کر عنداللہ مقبول نہیں ہے اور کیوں نہ ہو جب کہہ دیا گیا ہے کہ

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ الخ

اس آیت میں ایمان کو کڑی شرطوں کے ساتھ مقید کیا ہے کہ۔

الف:۔ ما شجر بینھم میں رسالت کا فیصلہ

ب:۔ فیصلہ موافق ہو یا مخالف۔ اس کے خلاف دل گرفتگی نہ ہونا۔

ج:۔ ساری زندگی کے سارے حالات میں اپنے آپ کو سراپا رسالت کو سونپ دینا۔

دیکھئے ویسلموا کے ساتھ تسلیما کی قید کس قدر معنی خیز ہے۔ اس نے بات میں کتنا زور پیدا کیا ہے۔ کیا ـــ اس کا حاصل یہ نہیں ہے کہ قرآن احسان چاہتا ہے اور احسان یہ ہے کہ زندگی کے گوشوں کے لئے نبوت نے جو محسوس اور مرئی نمونہ عمل چھوڑا ہے اسے مضبوطی سے پکڑ لیا جائے۔ جیسا پہلے کہہ چکا ہوں کہ مرض کی ابتداء دماغ سے ہوئی اور اس کی بیماری پلوں دوڑ کر امت کے سارے جسم میں پھیل گئی۔ ہر مقام ہر گوشے اور ہر جگہ پر حسن پسندی نے قبضہ کر لیا۔ مرض اتنا عمیق ہو گیا کہ اب عام مسلمان تو درکنار خود علماء اور خواص کے طبقے میں اس ذکر و فکر کے رکھنے والے تو ہیں کہ عبادات اور شعائر میں احسان ہونا چاہیئے اور اس کے لئے وہ آئے دن نئے نئے رنگ میں شور بھی مچاتے رہتے ہیں۔ لیکن ایسے ارباب ذکر مستثنیٰ ہیں جو دوراول کی طرح سیاسی اور اجتماعی زندگی میں نظریہ احسان کے داعی ہوں ـــ میں کیا کہوں ـــ یہاں تو معاملہ بالکل الٹا ہو گیا ہے۔ سیاست، اجتماعیت اور ریاست تو بڑی چیزیں ہیں۔ اب تو آخری دور میں ایک خاص طبقہ ایسا بن چکا ہے

Marfat.com

جو عبادات میں بھی نظریہ استحسان کا مدعی ہے اور اس کے لئے ایک علمی ترکش سے دلائل کے تیر بھی نکالتا رہتا ہے۔ شائد آپ نے ان لوگوں کے کردار و گفتار پر غور نہیں کیا۔ کردار میں ان کی نماز پر ایک چلتی نظر ڈال کر ان سے پوچھئے۔ کہ نماز میں نیت کے تلفظ سے لیکر وہ تمام کام جو نماز کے بعد امام اور مقتدی مل کر کرتے ہیں یعنی سب کا باآواز بلند لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہنا۔ صلوٰۃ و سلام بلفظ خطاب یا بلا خطاب پڑھنا۔ امام اور مقتدی دونوں کا سنتوں کے بعد اجتماعاً دعا مانگنا۔ وغیرہ وغیرہ کی اصل کیا ہے۔ جواب میں آپ کے سامنے نظریہ احسان نہیں بلکہ استحسان آئے گا۔ کس کس بات کو رؤوں۔ مساجد سے ہٹ کر ذرا مشاہد میں آ جائیے۔ یہاں سے جانیے احسان کا گذر ہی نہیں ہے۔ قدم قدم پر استحسان براجمان ہے۔ پیشانیاں رگڑی جا رہی ہیں۔ مرادیں مانگی جا رہی ہیں۔ نذریں چڑھ رہی ہیں منتیں مانی جا رہی ہیں۔ ایصال ثواب نے الٹی زقند لگا کر عذاب کی صورت اختیار کر لی ہے سب پیچھے رہ گئے ہیں۔ سب نے منہ موڑ لیا ہے۔ سب دوسروں کے چلانے والے بن گئے ہیں۔ سر تا سر کام کا نقشہ بدل گیا۔ کہاں تک چھیڑوں یہ سلسلہ لامتناہی ہے۔ بتانا یہ چاہتا ہوں ؎

تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم

یہ ساری خرابی احسان کی جگہ استحسان کے آنے سے ہوئی۔ اللہ اکبر! صحابہ کے زمانے میں صرف سیاسیات میں احسان کی جگہ استحسان آیا تو نیاموں سے تلواریں نکل آئیں خون کے معرکے قائم ہو گئے۔ آہ آج زندگی کی ہر کل میں حسن پسندی سے کام لیا جا رہا ہے اسلام کے ہر گوشے میں یزید اور حجاج کا روحانی تصرف غلبہ پا رہا ہے۔ مگر کوئی حسین اور زید نہیں

ہے۔ بہرحال احسان اور استحسان کی نظریاتی کشمکش کا آغاز وہ تھا اور انجام یہ ہے ـــ بات لمبی ہو جائے گی مگر کیا کروں سے کئے بغیر چارہ نہیں۔ جس دور میں احسان و استحسان کی کشمکش کا آغاز ہوا تھا۔ وہ دور صدری کہلاتا ہے۔ یعنی علوم سینوں ہی سے تھے۔ ایک کروٹ سے بعد جب علوم سینوں سے صحیفوں میں منتقل ہوئے اور مباحث کی طرح اس موضوع پر بھی غور و فکر شروع ہوا تو علمی اصطلاحوں ہی اسی موضوع نے حسن و قبح عقلی و شرعی کا اصطلاحی لبادہ پہنا۔ اور پتے والی بات یونانی فلسفہ کی موشگافیوں میں دب کر رہ گئی۔ بغداد کے بازار میں جائیے۔ آستینیں چڑھی ہوتی ہیں۔ گرما گرم بحث ہو رہی ہے کہ حسن و قبح شرعی ہے یا عقلی ـــ اصولِ فقہ اور البیانات کا یہ بلند پایہ موضوع ہے ـــ میں صرف زنجیر کا سرا بتانا چاہتا ہوں۔ مختلف کڑیوں سے بحث کر کے دماغ کو الجھن میں ڈالنا نہیں چاہتا۔ جی تو یہی چاہتا ہے کہ لکھتا جاؤں۔ مگر ڈرتا ہوں کہ کہیں قلم کی غلط کروٹ کا شکار نہ ہو جاؤں۔ اچھا آج ختم کرتا ہوں پھر کبھی یاد آئے تو بات پوری کروں گا مگر اشارتاً اتنی بات اور کہے جاتا ہوں کہ تم نے فقہ اور اصول کی کتابوں میں اباحتِ اصلیہ کا مسئلہ لکھا دیکھا ہوگا اور پڑھا بھی ہوگا اور کہیں اصل حرمت کا فیصلہ بھی پڑھا ہوگا اور کسی جگہ تمہاری نظر سے یہ عبارت بھی گذری ہوگی کہ الاصل التوقف ـــ

اس کا شجرہ نسب بھی اسی احسان اور استحسان سے ملتا ہے۔ یہ موضوع ذرا تفصیل طلب ہے غالباً مسلم الثبوت کی کسی شرح میں لکھا ہے کہ الاصل فی الاشیاء الاباحۃ یزید اور عبدالملک کا مذہب ہے ـــ بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی ـــ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بنام مولانا منظور احمد صاحب خطیب جامع مسجد نارووال ضلع سیالکوٹ۔

Marfat.com

ڈسٹرکٹ جیل سیالکوٹ
۲۲ر نومبر ۱۹۵۳ء

غداری کا الزام خود الزام تراشوں کی کھلی غداری کا آئینہ دار ہے ۔عبدالملک بن مروان کا آزادیٔ رائے کو کچلنے کے لئے آرڈیننس ،سیاسی زندگی کے سارے گوشے آج مصلحت اور منفعت کے تقاضوں سے پورے ہوتے ہیں۔

عزیزمن ! السلام علیکم

یہ خط ایک خیالی دنیا میں لکھ رہا ہوں ۔خیالی اس لئے کہ مجھے معلوم ہے کہ میری بات تم تک نہیں پہنچے گی ۔ میں آجکل زندوں کے گورستان میں رہتا ہوں ۔ مگر یہ لوگوں کا تاثر ہے ۔ ہے تو یہ جیل مگر میرے لئے اللہ کی رحمت ۔کیوں ؟ یہ موضوع ذرا تفصیل طلب ہے ۔پھر سہی ۔جیل کا نام سنتے ہی تم شائد اس کشمکش میں ہو کہ یہ کیوں ہُوا۔

عزیزمن ! آج کی دنیا میں یہ بات پوچھنے کی نہیں ۔تم پہلے وکیل تھے اب جج ہو ۔قانون والی بات تم خوب جانتے ہو ۔کوئی حکومت قانونی نہیں ہے ۔جب تک عدلیہ آزاد نہ ہو اور جب تک فرماں روائی ہنگامی قوانین اور سیکورٹی کی فراہم کردہ اطلاعات کے بل بوتے پر چل رہی ہو ۔سمجھ لو کہ شخصی انصاف کا جنازہ نکل گیا ۔تم بھی جانتے ہو اور میں بھی جانتا ہوں کہ غداریٔ مملکت کا جو الزام مجھ پر لگانے والے لگاتے ہیں ۔کیا میں اپنی انفرادی ، اجتماعی اور سیاسی زندگی کے دوائر تک اس کا مرتکب ہو سکتا ہوں ۔بھلا جو شخص یہ اعتقاد رکھتا ہو کہ ایک پڑوسی کو ایذا دینا تقاضائے ایمان کے خلاف ہے اس پر یہ الزام لگا دینا کہ وہ ایک ایسی مملکت کے خلاف ہے

Marfat.com

جسے مسلمانوں نے اپنے خون سے سینچ کر، اپنی آبرو کو بیچ کر اور اپنی دولت کو لٹا کر بنایا ہے۔ فی الواقع خود الزام تراشوں کی کھلی غداری کا آئینہ دار ہے۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ اپنے عدل و انصاف اور اخلاق و کردار کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ وفادار بناتے مگر کر یہ رہے ہیں کہ اپنے کردار و گفتار کے تباین سے خود غدار بنا رہے ہیں۔ فانا للہ والی اللہ المشتکی۔

تم توجہ ہو۔ فرمائیے کیا رائے عامہ کی بنائی ہوئی حکومت میں رائے عامہ کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اپنے منتخب حکمرانوں کے سامنے اپنے دل اور ضمیر کی آواز کو پیش کریں۔ مگر ہمیشہ سے اقتدار کی اس کج ادائی نے کہ واقعات پر مبنی حکایت کو نہ کہ شکایت کو خود اقتدار کے خلاف چیلنج سمجھا۔ اچھے اچھے کام کے آدمی موت کے گھاٹ اتار دیئے۔ اسلامی تاریخ میں عبدالملک جسے الجصاص افجر الناس اور افسق الناس کہتے ہیں، نے رائے عامہ کی آزادی کو کچلنے کے لئے آرڈیننس نافذ کیا تھا کہ

من قال لی بعد یومی ھذا اتق اللہ اضرب عنقہ

بنو امیہ کی باقاعدہ مضبوط حکومت دراصل عبدالملک ہی سے شروع ہوئی ہے۔ گویا دراصل قبائے استبداد کا سب سے پہلے باقاعدہ زیب تن کرنے والا دیو استبداد یہی ہے مگر دنیا جانتی ہے کہ یہ رائے عامہ اور جمہوریت نہیں ہے۔

بہر حال کہنا یہ چاہتا ہوں، میری یہاں آمد تعجب خیز نہیں ہے حکیم سنائی نے کیسی اچھی بات کہی ہے ؎

منکہ چوں سیمرغ دریک گوشہ مسکن کردہ ام!
ماورائے مرکز خاکی نشیمن کردہ ام!

کہنے والے تو غدار کہتے ہیں اور ان کو کہنا چاہیئے۔ وہ اگر یہ نہ کہیں تو آپ ہی بتائیے اور کیا کہیں کہ؟ وہ نہیں جانتے اور جانتے ہیں کہ جانتے ہیں ـــ کہ ہم غدار نہیں ہیں ـــ جی نہیں وہ ضرور جانتے ہیں اور جانتے ہوئے انجان نہیں بلکہ دانا شریر بنے ہوئے ہیں

Marfat.com

اور ایسا ہی ہوتا آیا ہے کہ جب بات نہ مانی ہو اور عزت نفس میں آگ نہ ہو تو بات یونہی بنا یا کرتے ہیں طاقت غداری کا الزام ہی تراشا کرتی ہے مگر لیو ٹالسٹائے کے لفظوں میں کہوں گا کہ غداری کا الزام اس وقت تک ہے جب تک ناکامی ہے اور جب آواز میں قوت اور رائے عامہ میں ابھار پیدا ہوا تو یہی غدار کہنے والے ان گوشہ نشینوں کو محب وطن اور مجاہد کہہ کر پکاریں گے۔ کیا ہمیشہ ایسا ہی نہیں ہوا؟ کیا

ھؤلاء اھدی من الذین آمنوا سبیلاً

میں اس طرف اشارہ نہیں ہے ۔

بیروں تراود از دلِ شاں تلخی مزاج

میرے بھائی! یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ سیاسی زندگی کے سارے گوشے کچھ مصلحت، پالیسی اور منفعت کے اقتضاء سے انجام دیئے جا رہے ہیں اور جب تک نظام حکومت کی بنیاد اس سے ہٹ کر صرف خوفِ خدا، خوفِ حساب پر قائم نہ ہوگی اور جو کچھ، جتنا کچھ اور جیسا کچھ بھی قیادت نے مواخذہ عدالت الٰہی کے دغدغے کی سرشاریوں سے نہ ہوگی زندگی کی سرکل اسی طرح بگڑی رہے گی۔ سائنس کی مدد سے چاہے کتنے خارجی اسباب تلاش کر لو مگر اصلی سبب خود ما بانفسہم ہے۔

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ

بنام خواجہ احسان الحق ایڈمنسٹریٹو سول جج گوجرانوالہ

Marfat.com

ڈسٹرکٹ جیل سیالکوٹ

۲۹ نومبر ۱۹۵۳ء

زحمت میں رحمت، مصیبت میں نعمت کا تصور، تنہائی عتاب و عقاب نہیں بلکہ بیماری کی دوا ہے، خلوت اور جلوت کا تقابل، غلط رفاقت ہو تو خلوت سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے، خلافِ مزاج صحبت سے قبض ہوتا ہے۔

حبی فی اللہ حافظ صاحب! السلام علیکم

کہنے کو تو جہاں میں ہوں لوگوں کی زبان میں زندوں کا گورستان ہے۔ اور یہ بھی لوگوں کے خیال کے مطابق کچھ سچ مگر میرا تاثر یہاں کے بارے میں ہمیشہ لوگوں کے خلاف رہا ہے۔ لوگ یہاں کے معاشرے میں جسے سب سے بڑی زحمت سمجھتے ہیں وہ ہی میرے نزدیک سب سے بڑی رحمت ہے۔ اور جو ان کے خیال کے مطابق مصیبت ہے وہ میرے لئے نعمت ہے ___ لوگ یہاں سب سے زیادہ کوٹھڑی میں تنہائی سے گھبراتے ہیں۔ اندھیرے کی نگری اور مکین تن تنہا ___ بعض کے لئے یہی اختلاج قلب کا سامان بن گیا۔ مگر مجھے اس چیز سے پیار ہے۔ جوں جوں خلوت زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ میرے دل کی کلیاں زیادہ سے زیادہ کھلتی ہیں۔ اور جس قدر جلوت کا سامان ہوتا ہے اسی قدر دل میں کملاہٹ کے آثار ظاہر ہوتے جاتے ہیں ؎

مرغِ آتش خوارہ کے لذت شناسد دانہ را

پچھلی دفعہ ایک بار جب مسٹر غلام سرور کا عتاب برق و رعد بن کر یہاں کے خرمنِ امن کو تباہ کر رہا تھا تو ___ نزلہ بر عضوِ ضعیف افتاد ___ کے مطابق میں بھی معتوب نگاہوں کا شکار ہوا۔ عتاب کے نتیجہ میں جو عقاب میرے لئے تجویز ہوا وہ تنہائی کی رہائش تھی لیکن اس بیچارے کو کیا پتہ؟ کہ یہ میری بیماری کی دوا ہے اور یہ وہ ہی نسخۂ شفا ہے جو

Marfat.com

تلاش کے باوجود مجھے باھر نہیں ملتا تھا۔

وہ بند کر کے چلے گئے۔ میں باغ باغ تھا اور دل خوشی سے بلیوں اچھل رہا تھا۔ ان کے باھر نکلتے ہی الحصن الحصین اور قرآن حکیم پر ایک نگاہ ڈالی اور دلوار پر کوٹلے سے چوبیس گھنٹے کی مشغولیت کا پروگرام بنالیا۔ پندرہ دن بڑے مزے سے گزرے لیکن آپ یہ نہ سمجھ جایئے کہ میں جلوت کی افادیت کا منکر ہوں۔ حاشا ثم حاشا نہیں اگر صالح اور عالم ہوں تو ہزار خلوتیں ان پر قربان۔ لیکن صرف وقت کو گزارنا میرا مسلک نہیں ہے۔ خلاف مزاج صحبت سے جتنا مجھے قبض ہوتا ہے شاید ہی کسی کو ہو۔ خبر نہیں لوگ کیسے برداشت کر لیتے ہیں اور کیونکر وقت کو کر۔۔ن۔ کٹھن اور گھٹن کے ساتھ گزارتے ہیں۔ یہاں کی فضاؤں میں آجکل ساری مادی اور جسمانی راحت کے سامان فراہم ہیں مگر حسن رفاقت کا۔

قرعۂ فال بنام من دیوانہ زوند

ہے۔ اس سے حد درجہ تکلیف ہے۔ اخلاق سے فائدہ نہیں زبان سے لہا نہیں شرافت سوز گفتار سے کان پھٹ جاتے ہیں اور کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ مگر کلیجہ تھام کے بیٹھے ہوئے ہوں اور اس پر بھی اللہ سے اجر کا متمنی ہوں۔ غیبت کی گرم بازاری میں تنابز بالالقاب، لمز اور ھمز کے سارے اطوار، تمسخر اور استہزاء کی عریاں صورتیں نت نئے رنگ میں دن بھر دیکھتا ہوں۔ رحم کی اللہ سے دعا بھی کرتا ہوں آپ بھی دعا فرمایئے۔

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ

بنام حافظ محمد صادق صاحب گندم منڈی سیالکوٹ

Marfat.com

ڈسٹرکٹ جیل سیالکوٹ

یکم دسمبر ۱۹۵۳ء

وقت کی قدر و قیمت، انبیاء وقت کے سب سے زیادہ قدر دان تھے میدانِ حشر کا نظارہ، قبر کا بھیانک اور خوفناک منظر، یہاں منٹ پل اور گھڑی بڑی قیمتی ہے، اس مختصر سی زندگی میں ایک لمبی زندگی کے لئے سامان فراہم کرنا ہے، دور اندیشی یہ ہے کہ ابد اور دوام کی زندگی کیلئے پوری تیاری ہو، اس زندگی میں نگاہوں، کانوں کو مرضیاتِ الٰہی کا خوگر بناؤ، اچھی زندگی کا مختصر سے مختصر لائحہ عمل، صدقہ کی قوت اور اللہ کے یہاں اس کا مقام۔

عزیز سلمہٗ، السلام علیکم

اس وقت ڈیڑھ بجا ہے۔ تم یاد آئے۔ اگرچہ اکثر یاد ہی آتے رہتے ہو اور خصوصاً دعاؤں میں۔ اس وقت چائے اور نماز سے فراغت ہوئی تو تم خود بخود بن بلائے مہمان بن گئے جی چاہا کہ تم سے باتیں کرلوں اور دوسرے مشاغل کو ملتوی کر دوں۔ اس وقت پروگرام تو تلاوت قرآن کا ہے مگر کیا کروں تم سے بات نہ کروں تو شکایت کروگے۔ کہو وقت گذار رہے ہو یا گذر رہا ہے۔ وقت بڑی قیمتی چیز ہے لوگوں کو اس کی قدر نہیں۔ بے قدری اس لئے ہے کہ ابھی اس کی قدردانی کا مقام آنکھوں سے اوجھل ہے۔ اس مقام کو آج تک انبیاء کے سوا آنکھوں سے کسی نے نہیں دیکھا۔ انہوں نے دیکھا تو ان کی نیازمندی کی رگ پھڑکی، اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيلًا اور رات فکر و نظر کے ساتھ اختر شماری میں گذار دی۔

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔

سوچو کہ ایک صاف اور چٹیل میدان، باغات، محلات، حور و غلمان، میوہ جات

Marfat.com

دلچسپی کے سارے سامان اور مزے کے ایسے سارے اسباب مہیا کرتے ہیں کہ دل میں چین، نگاہوں میں سرور، شنوائی میں کیف اندوزیاں ہوں اور یہ سب کچھ ہو مگر تنوع اور بوقلمونی کے ساتھ ہو۔ تناسب اور توازن کے ساتھ ہو۔ اللہ اکبر!

مشکلات کا اتنا انبار ہے کہ ہر مصیبت اور ہر تکلیف بھیانک شکل سامنے لئے ہوئے کھڑی ہے۔ سانپوں، بچھوؤں اور تمام زہر چکاں جانوروں کی بھیڑ ہے گزر کر جانا ہے۔ ایسا ساز و سامان ساتھ لے جانا ہے کہ راستے کی تاریکی کے ساتھ کسی ایذا رساں چیز کو راستہ روکنے کی ہمت نہ ہو۔ اس کے آگے ایک لق و دق میدان ہے۔ مخلوق کا اتنا ہجوم ہے کہ کھوے سے کھوا چھلتا ہے۔ گرمی کی اتنی تیزی ہے کہ ہر شخص اپنے پسینہ سے اس قدر شرابور ہے کہ عرق در عرق ہے اسی میں حساب ہو رہا ہے۔ چیکنگ اتنی سخت ہے کہ رائی اور ماشہ بھی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہے۔ الفاظ نہیں معانی تولے جا رہے ہیں۔ کردار بلکہ گفتار بھی تل رہی ہے۔ صورتیں اس قدر وحشت ناک ہیں کہ ہر شخص دیکھتے ہی لرزہ بر اندام ہو جاتا ہے۔ کوئی بنیادٹی حساب یہاں کام نہیں دیتا اچھوں اچھوں کے چھکے چھوٹ رہے ہیں۔

اس منزل سے پایاب ہونے کے بعد وہ میدان سامنے ہے۔ جس میں ہمیں یہاں رہ کر سامان کے لئے میٹیریل تیار کرنا ہے کہ

مالا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علیٰ قلب بشر۔

اتنے بڑے اور اہم کام کیلئے وقت صرف زیادہ سے زیادہ ساٹھ سال کے لگ بھگ ہے۔ تم ہی بتاؤ کہ وقت تھوڑا ہے یا زیادہ، اسے گذرنا چاہئے یا گذارنا چا... اس کا منٹ، اس کی پل، اس کی گھڑی بڑی قیمتی ہے۔ پردہ ہٹنے کے بعد یا لیتنا نرد اور فارجعنا کی صدائیں بلند کریں گے۔ شرم سے گردنیں جھکی

ہوں گی اذا المجرمون ناکسوا رؤسہم آنکھیں زمین میں گڑی ہوں گی خشعا ابصارھم چہرے کالک والے اور ذلیل ہوں گے ترھقھم قترۃ اور ترھقھم ذلۃ۔ نہ بھائی ہوگا نہ بہن۔ نہ باپ ہوگا نہ ماں۔ نہ بیوی ہوگی نہ بچے یوم یفر المرء من اخیہ وامہ وابیہ وصاحبتہ و بنیہ۔ نہ بنے ہوئے مکان نہ سجی ہوئی دکان ہوگی ہر شخص اپنی حالت میں مگن ہوگا لکل امرء منھم یومئذ شان یغنیہ۔

میرے پیارے! یہ وقت غفلت سے گزار دینے کا نہیں۔ دوراندیش بنو۔ دوراندیشی یہ نہیں ہے کہ اتنا کماؤ کہ تمہارے بعد تمہاری اولاد بھی مزے کرے بلکہ دوراندیشی یہ ہے کہ اس تھوڑے سے وقت میں اتنی محنت کرو کہ آئندہ ابدالا دوام کی زندگی میں سکھ اور چین نصیب ہوگا کہ وہ ہی زندگی اصل زندگی ہے اللھم لا عیش الا عیش الآخرۃ۔ قبر کی مشکلات حل ہوں۔ میدانِ حشر کی رسوائیوں سے بچاؤ ہو۔ اور بالآخر عیشۃ راضیۃ بسر ہو۔ چہرے پر چمک دمک ہو۔ بشاشی بشاشی ہو۔ ترو تازگی ہو۔

میرے عزیز! یہاں نگاہوں کو اللہ جل شانہٗ کے احکام کا پابند بناؤ تاکہ یہ نگاہیں اس زندگی میں دیدارِ الٰہی کی لذت یابیوں سے ہمدوش ہو سکیں۔ یہاں کانوں کو مرضیاتِ الٰہی کے لئے وقف کرو تاکہ اس زندگی میں کلامِ الٰہی کے سننے کی کیف اور لطافت سے بہرہ یابی ہو۔ قدم قدم پر احتیاط سے چلو۔ منہ سے بات سوچ کر اور تول کر نکالو اور یقین کرو کہ منہ سے نکلا ہوا ایک بول یہاں رائیگاں نہیں۔ اس کی پشت پر نتائج کا ایک پہاڑ ہے۔

زندگی کو اچھی بناؤ ــــ حلال روزی کمانے کے ساتھ ساتھ محرمات سے بچتے ہوئے اور فرائض کی پابندی کرتے ہوئے کچھ تھوڑا سا وقت چوبیس گھنٹوں میں نفس کے محاسبہ کے لئے نکالو۔ حلال کی قید اس لئے لگائی ہے کہ اس

Marfat.com

سے ہٹ کر ساری عبادت اور نیاز مندی بیکار ہے۔ مال سے محبت بہت ہی کم کرو۔ زیادہ سے زیادہ خدا کی راہ میں صدقہ کرو۔ پیارے! صدقہ میں اللہ جل شانہ نے وہ قوت رکھی ہے کہ اس سے گناہ دُھل جاتے ہیں اور غضب رب ٹھنڈا ہوتا ہے۔ اس لئے صدقہ بڑا ضروری چیز ہے۔ تم تاجر ہو تاجروں کے نام تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس صدقے کے بارے میں خاص پیغام ہے۔ فضائل صدقات اردو میں لکھے ہوئے ہیں ان کو پڑھو۔ اچھا لو اب رخصت ہوتا ہوں۔

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ

نمبر ۲۵۵ شیخ محمد حسین محلہ احمد پورہ چیئرمین یونین کونسل نمبر ۲ سیالکوٹ

Marfat.com

ڈسٹرکٹ جیل سیالکوٹ

۱۴ر دسمبر ۱۹۵۳ء

کچھ اپنا حال، روزانہ کالائحہ عمل، جیل کی زندگی کے چوبیس گھنٹے، دن بھر کے مشاغل اور روزمرہ کا پروگرام

جی فی اللہ وفقنا اللہ وایاکم السلام علیکم

جی چاہا کہ کچھ اپنی حالت لکھوں۔ نہ معلوم میرے تاثرات قلب زبانِ قلم سے نکلنے کے بعد آپ تک پہنچتے ہیں یا کہ نہیں۔ اس خیال سے کہ دل پڑ بدل رہے ہیں است لکھ رہا ہوں۔

کچھ ہجوم وساوس اس قدر ہے کہ بے چین ہوں اور بے قرار ہوں۔ ارادۃً سکون چاہتا ہوں مگر بلا ارادہ بیقرار ہو جاتا ہوں۔ وساوس لاتا نہیں ہوں آجاتے ہیں۔ اگرچہ دن رات مشغول رہتا ہوں مگر ان مشغولیتوں کے باوجود دل کی دنیا خطرات کی آماجگاہ بنی رہتی ہے۔ یہ روگ ایسا لگا ہوا ہے کہ پیچھا نہیں چھوڑتا۔ میں چاہتا ہوں کہ اس سے بے نیازی اور بے پروائی ہو۔ الحمدللہ! قلب دن کے اکثر اوقات اللہ جل شانہٗ کی طرف رکھتا ہوں۔ یعنی تکلف سے گزر رہا ہوں۔ چھوٹا منہ اور بڑی بات۔ جی چاہتا ہے کہ اللہ کی بس ہمہ وقت یاد رہے اور مجھے تکلف کی بھی تکلیف نہ ہو۔ مجھے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ بے تکلفی کی اس طلب میں کچھ میرا نفس مجھے دھوکا دے رہا ہے تکلف میں مشقت سے گزرنا ہوتا ہے اور نفس مشقت کا چور ہے۔ کیا یہ ٹھیک ہے؟

رات کے درمیان اٹھتا ہوں اٹھتے ہی دعائے مسنون اللھم لک الحمد انت قیم السموات الخ سورہ آل عمران کا آخری رکوع اور معشرات سبعہ پڑھتا ہوں استنجا، جائے اور وضو سے فراغت کے بعد تہجد میں لگ جاتا ہوں تین پارے آٹھ رکعت میں کرتا ہوں آٹھ رکعت کے بعد تین وتر بقرأت مسنونہ پڑھتا ہوں۔ وتروں کے بعد طویل دعا مانگتا ہوں دعا سے فراغت کے بعد سلطان الاذکار میں لگ جاتا ہوں۔ جس قدر ہو جائے

میرے نصیب۔ پھر ایک سو بار کلمہ سوم۔ ایک سو بار استغفار۔ اور ایک سو بار درود کے بعد صبح و شام کے مسنون اذکار یعنی بسم اللہ الذی لا یضر الخ تین بار۔ اعوذ بکلمات اللہ تین بار۔ اعوذ باللہ السمیع الخ تین بار۔ سورۂ حشر کی آخری آیات۔ سورۂ روم کی آیات فسبحان اللہ۔ اخلاص اور معوذتین تین بار اور اصبحنا و اصبح الملک الخ ایک بار رضیت باللہ الخ تین بار۔ اللھم عافنی فی بدنی الخ تین بار۔ اللھم انی اعوذ بک من الکفر الخ تین بار۔ سید الاستغفار ایک بار۔ حسبی اللہ لا الٰہ الا ھو الخ سات بار۔

سنت فجر کے بعد ذرا دائیں کروٹ لیٹتا ہوں اور پھر نماز روشنی میں باجماعت پڑھتا ہوں۔ جی چاہتا ہے کہ طویل قرأت کے ساتھ منہ اندھیرے پڑھوں مگر ساتھیوں کا ساتھ ہے اس لئے مجبور ہوں۔ نماز کے بعد کلمہ چہارم سو بار۔ طلوع آفتاب پر دو رکعت نماز اشراق نماز کے بعد غسل اور کھانا۔ کھانے سے فراغت کے بعد کچھ دیر سلطان الاذکار پھر کچھ مطالعہ۔ دس بجے سے ساڑھے گیارہ بجے تک قیلولہ۔ ساڑھے گیارہ بجے کے بعد استنجا وغیرہ سے فارغ ہو کر چائے کا دور اور پھر نماز ظہر سلطان الاذکار۔ نماز ظہر ایک بجے کے بعد پڑھتا ہوں۔ نماز کے بعد کچھ لکھنا پڑھنا۔ ڈھائی بجے قرآن حکیم کی تلاوت اور اذکار عصر پونے چار بجے پڑھتا ہوں بعد نماز عصر کھانے سے فارغ ہو کر سو بار درود، سو بار استغفار، سو بار کلمہ سوم۔ اور صبح والے مسنون اذکار۔ بعد از نماز مغرب اوابین چھ رکعت میں نصف پارہ پڑھتا ہوں۔ اوابین سے فراغت ہوئی تو ایک ہزار اسم ذات کا معمول ہے۔ اسم ذات اب تک ایک لاکھ سے متجاوز ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ عشاء تک اخبار کا مطالعہ ہے۔ اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ ملتا ہے۔ اگرچہ میں انگریزی میں کچھ ادبی صلاحیت نہیں رکھتا مگر شدھ بدھ اتنی ضرور ہے کہ کچھ الفاظ، کچھ محفوظات اور کچھ دلالۃ الحال کی مدد سے بات کی تہ تک پہنچ جاتا ہوں۔ مقالہ افتتاحیہ ضرور پڑھتا ہوں۔ بیچارہ ایڈیٹر اپنی جدت طرازی کی وجہ سے گھونٹ گھونٹ پر علماء

کے منہ آتا ہے۔ خیر یہ ہارن ہے مائیکروفون تو کسی اور کے قبضہ میں ہے۔
نماز عشاء کے بعد مسنون اذکار اور سورۂ ملک، سورۂ سجدہ اور سورۂ دخان کی تلاوت کے بعد سو جاتا ہوں۔ یہ ہے میرا روزمرہ کا معمول اور میرے سارے مشاغل کا پروگرام۔ مجھے علم نہیں کہ اس میں کہاں کہاں غلطی ہے اور کیونکر ہے۔ افسوس کہ کام کے لئے وقت ملا تو راہبر نہیں۔ اللہ جل شانہٗ میرے حال زار پر رحم فرمائیں اور دعاؤں کے ساتھ اس کمی کے متعلق بھی اللہ جل شانہٗ سے دعا کرتا ہوں۔

حضرت! میں لکھ نہیں سکتا کہ گناہوں کی آلودگیوں کے کتنے داغ ہیں۔ جو میرے دامن پر لگے ہیں۔ اللہ سے دعا کیجئے کہ وہ معاف فرمائے۔ شائید گناہوں کی ہی ظلمت ہے جو اب تک استقامت کی دولت سے محروم ہوں۔

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ

بنام مولانا محمد بشیر صاحب صدیقی محلہ کچی مسجد سیالکوٹ

Marfat.com

ڈسٹرکٹ جیل سیالکوٹ،

۷ر دسمبر ۱۹۵۳ء

جیل کی زندگی کا خاکہ، سیفٹی ایکٹ کی دفعہ ۳ دعویٰ بلا دلیل کا نام ہے، اسلامی مملکت کا سیاسی مذاق، ۱۹۵۳ء کا خونیں ڈرامہ، میں مایوس نہیں ہوں، اللہ کی شانِ قدیری اور اس کی شانِ حکیمی کی توضیح اور ان میں باہمی فرق، ما بقوم اور ما بانفسہم کی تشریح، علماء کی فتح اسلام کی آمد کا مقدمہ اور مغرب کی شکست ہے، اسلامی قومیت کا فیصلہ وقت کا اہم تقاضا ہے۔

عزیزم سلمہٗ! السلام علیکم

اس وقت دن کے بارہ بجے ہیں۔ چائے سے فارغ ہوا ہوں۔ شاید تم پوچھو کہ یہ چائے کا کون سا وقت ہے۔ بات یہ ہے کہ لباس اور خوراک میں ایک حد تک آزاد ہوں۔ میرا فیشن یہ ہے کہ بیدار ہونے کے بعد چائے ملنی چاہیئے۔ یہاں کے پروگرام کے مطابق قیلولہ دس سے ساڑھے گیارہ بجے تک ہے۔ اس لئے چائے کا وقت بھی بارہ بجے مقرر ہوا۔ رات کو ایک اور دو کے درمیان پیتا ہوں۔ سو کے اٹھتا ہوں تو جب تک پیالی منہ کو نہیں لگتی کچھ کھویا سا رہتا ہوں۔ میں نے لب کی جگہ منہ اس لئے کہا ہے کہ چائے میں لب سوزی اور لب دوزی میرے نزدیک مکروہ ہے۔ چائے نوشی کے وقت لبوں سے پیدا شدہ آواز میرے مذاق کیلئے بہت ہی گراں اور میری طبیعت کے لئے سامانِ قبض ہے کیونکہ یہ چائے کے لب سوز اور لب دوز ہونے کی علامت ہے۔

اب سنو! میں مورخہ ۸ر اگست کو دوبارہ پبلک سیفٹی ایکٹ کے تحت نظر بند کر دیا گیا ہوں۔ تم پوچھو گے کہ کیوں؟ اس کا مجھے پتہ نہیں۔ شاید گرفتار کنندگان کو بھی

Marfat.com

اس کا پتہ نہ ہو اور پتہ نہ ہونے کی وجہ صاف ہے۔ جب پولیس کی چیرہ دستیاں آخری حد کو پہنچ جاتی ہیں تو وہ اپنے ترکش سے کے شکار کے لئے وہ تیر استعمال کرتی ہے جیسے سیفٹی ایکٹ کی دفعہ ۳ کیا جاتا ہے۔ دعویٰ تو ہے مگر دلیل نہیں ہے۔ دلیل ہوتی تو کھلی عدالت میں پیش ہوتی۔ ہم بھی ذرا تو سنتے اور مخاطب سے آنکھیں چار کرتے۔ مگر عدالت میں بیچارے معاملہ لے جائیں تو کس برتے پر؟ کیا کہیں؟ یہ شخص محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کا ئی رؤس الاشہاد اعلان کرتا ہے یا یہ کہ مرزا علیہ ما علیہ کی جھوٹی اور خانہ ساز نبوت کی دھجیاں لوگوں کے سامنے اڑاتا ہے۔

تبلایئے ان دونوں باتوں میں سے کون سی بات مملکتِ خداداد سے غداری کے مترادف ہے۔ ان کی روسیاہی کی یہ سب سے بڑی شہادت ہے کہ آج ایک مسلمان کھلے بندوں پبلک اسٹیج پر ایمان کی دعوت نہیں دے سکتا۔ خوش ہیں کہ ہم نے دبا دیا۔ اور ابلیس لعین بجا رہا ہے کہ جو کام وہ انگریز سے نہ کرا سکا وہ محمدؐ کے نام لیواؤں سے پورا ہو گیا۔

قاعدہ تو یہی ہے کہ جمہوری مملکت میں جب ایک بات رائے عامہ کے منہ سے نکلے تو اس کے نمائندے اس پر غور کریں اور اطمینان کے لئے استصواب کرالیں۔ مگر اس مملکت کا سیاسی مذاق ہی کچھ نرالا ہے۔ جہاں اور جب رائے عامہ کا رجحان کسی ایک جانب دیکھا تو فوراً غدار غدار پکارنا شروع کر دیا۔ گالیوں سے کام نہ چلا تو بے محابا لاٹھیاں آگئیں۔ لاٹھیوں سے بات نہ بنی تو انہوں کے سینوں کو انہوں نے گولیوں سے چھلنی کر دیا۔ جب میں سوچتا ہوں کہ آہ رسالتِ محمدیہ کے نام پر دونوں کی بھیک مانگنے والوں نے محمدؐ کے نام لیواؤں پر گولیاں چلائیں۔ دلہنوں کا سہاگ لٹ گیا۔ بچے یتیم ہو گئے۔ تو میں کہہ نہیں سکتا کہ میرے قلب و جگر کا کیا حال ہوتا ہے۔

اللہ اکبر! زمانے کے انقلابات کس کس رنگ میں سامنے آتے ہیں۔ میں مایوس نہیں ہوں۔ اللہ جل شانہ کو اس بات پر پوری قدرت ہے کہ دلوں کی کایا پلٹ دے اور انشاء اللہ پلٹ ہی کر رہے گی۔ مگر مجھے میرا تاریخی، سیاسی اور اجتماعی مطالعہ اس وقت اس کے باور کرنے کی اجازت نہیں دیتا تھا اور اب بھی نہیں دیتا۔ اگر یہ منصوبہ کامیاب ہو جائے اور خدا کرے کہ ہو تو یہ اس کی شانِ قدیری کا ظہور ہوگا ورنہ شانِ حکیمی یہ نہیں ہے۔ شانِ حکیمی تو یہ ہے۔

ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسہم

ما بقوم نظام فرماں روائی ہے اور ما بانفسہم کردار و گفتار ہے۔ فرمائیے کہ جو میزان اب تک رقموں کے غلط ہونے کی وجہ سے غلط تھی اب وہ خود بخود کیسے درست ہو جائیگی اور شانِ قدیری یہ ہے کہ رقمیں پوری نہ ہوں مگر میزان صحیح آجائے۔ ایسا بھی ہوتا ہے بدر میں ایسا ہی ہوا تھا۔ رقم فی الواقع پوری نہ تھی۔ باہر سے وقتی طور پر مزید رقم کا اضافہ کر کے میزان پوری کر دکھائی تھی۔

لقد نصرکم اللہ ببدر وانتم اذلۃ

جو کام عادۃ اللہ کے ماتحت ہو۔ میری اصطلاح میں وہ شانِ حکیمی ہے اور جو اسباب و علل سے بالا ہو کر رونما ہو وہ شانِ قدیری ہے — عام عادت تو شانِ حکیمی کی ہے۔ شانِ قدیری کا ظہور تو صرف اس وقت ہوتا ہے جب دامانِ اعمال رضائے الٰہی کی خاطر چاک در چاک ہو — خیر یہ تو ماضی ہے۔ اب حال میں بعض تاثرات کی شعوری اور غیر شعوری طور پر اوپر سے نیچے تک پرورش ہو رہی ہے وہ بہت ہی عجیب ہیں اور ان کے نتائج ان سے بھی عجیب تر۔ معلوم ہے کہ کیا ہو رہا ہے؟ وہ ہی جو کل تک اسلام خطرے میں ہے کا بگل بجائے ہوئے تھے۔ پاکستان میں پوری قوت کے ساتھ اسلام کو ختم کرنے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں اور بالارادہ ان

Marfat.com

جراثیم کی لپشت پناہی کر رہے ہیں جو اسلام ہی کی بیخ کنی کیلئے منصۂ وجود پر آئے۔ تحریک ختم نبوت کی ناکامی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ بات یہ نہیں ہے کہ وزارت خارجہ کی گدی پر کون براجمان ہوتا ہے یا مرزائی کی ملک میں پوزیشن کیا ہے، سوال یہ ہے کہ علماء کے منہ سے نکلی ہوئی بات مان لی گئی تو علماء کی فتح ہے اور ان کی فتح اسلام کی آمد کا مقدمہ ہے اور یہ مغربی تہذیب کی شکست ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ ان پر اس تحریک کے سلسلے میں ناپاک الزام لگائے گئے ہیں۔ حالانکہ سب جانتے ہیں کہ مرزائیت کے خلاف علماء کا موقف آج کا نہیں بلکہ پاکستان بننے سے پہلے کا ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ مرزائیت انگریز کی سیاسی مصلحتوں کا خود کاشتہ پودا ہے۔

یقین کرو کوئی بات طے نہیں ہو سکتی جب تک خالص دستوری زبان میں اسلامی قومیت کا فیصلہ نہ ہوگا۔ اسی فیصلہ ہی پر مرزائیت کی نقاب کشائی ہوگی۔ خود ارباب بست وکشاد کو اپنی موجودہ پالیسی پر از سر نو غور کرنا ہوگا اور بس ـــ اچھا ختم کرتا ہوں

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ

بشکریہ مولانا حامد الرحمٰن صاحب کاندھلوی زراعتی کالج ٹنڈوجام ضلع حیدر آباد

Marfat.com

ڈسٹرکٹ جیل سیالکوٹ

۱۰ دسمبر ۱۹۵۳ء

وساوس کا آنا مذموم نہیں لانا مذموم ہے، وساوس دور کرنے کی پانچ تدبیریں، اصلاحِ نفس کے دو طریقے طریق نبوت اور طریقِ ولائیت اور دونوں میں فرق، ایک مثال کے ذریعے اس کی تشریح، حواس اور مشاعر کی طرح لطائف بھی پانچ ہیں، صوفیاء کی زبان میں ان کی پیداواری کا نام نسبت ہے۔

عزیزی! وفقنا اللہ وایاکم لما یحبہ ویرضاہ السلام علیکم

تم ہجوم وساوس کے شاکی ہو۔ ان کا آنا مذموم نہیں لانا مذموم ہے۔ اگر آنے پر ہی پریشان ہو اور ان کو دور کرنے کی فکر میں ہو تو ان کو دور کرنے کی چند تدبیریں جو اس وقت ذہن میں ہیں لکھتا ہوں۔ کسی ایک پر عمل کرلو اور پھر بتاؤ۔

اول:۔ آیات سکینہ کی تلاوت کرلیا کرو۔ قرآن میں آیات سکینہ چھ ہیں۔

دوم:۔ کوشش کرو کہ دل کسی لمحہ بھی اللہ کی یاد سے غافل نہ ہو اور غافل نہ رکھنے کی تدبیر یہ ہے کہ زبان ہر دم کسی نہ کسی ذکر میں مشغول رہے۔

لا یزال لسانک رطبا من ذکر اللہ

سوم:۔ نمازِ فجر کے فرضوں اور سنتوں کے درمیان چالیس بار یا حیّ یا قیّوم لا الٰہ الا انت برحمتک استغیث پڑھ لیا کرو۔

چہارم:۔ تنہائی کا تھوڑا سا وقت نکال کر سبحان اللہ صرف ایک سو بار، اس طرح کہ سبحان کی میم سے دل پر ضرب لگاؤ اور حاء کا اظہار ذرا دراز ہو۔ سانس جلالہٗ کی ہائے ہوز پر ختم ہو۔

پنجم:۔ اگر وقت ملے تو صبح کی اذان سے پہلے خلوت میں بیٹھ کر دل کیطرف

Marfat.com

متوجہ ہوا اور کوزۂ ذہن میں ایک رشتۂ نور دل میں یقین بھر و پھر ستر بار یا ھادی کہو۔ امید ہے ان تدبیروں میں سے جو بھی کرو گے انشاء اللہ کامیابی ہوگی۔

مگر عزیزِ من! ایک بات سنو۔ وساوس ہوں یا ہواجس، خواطر ہوں یا خوادث ان کو ختم کرنا درجۂ مقصودیت میں داخل نہیں ہے۔ مقصود تو صرف اللہ کی یاد ہے یہ دیکھو [redacted] ہو رہی ہے کہ نہیں۔

اصلاحِ نفس کے دو طریقے ہیں۔ ایک طریق نبوت، دوم طریق تصوف۔ طریق تصوف میں میلانات، تقاضوں اور خواہشوں کا ازالہ کیا جاتا ہے مگر طریق نبوت میں ازالہ نہیں بلکہ امالہ ہوتا ہے۔ یعنی طریق نبوت میں نفس کے تقاضوں کا رُخ بدلا جاتا ہے اور طریق تصوف میں انہی تقاضوں کی بیخ کنی کی جاتی ہے۔ اسے ذرا ایک مثال سے سمجھو۔

نالہ ایک آبادی کے ساتھ ہے اور ہر روز بربادی کا سامان بنا رہتا ہے۔ اس کی بربادی کو روکنے کی ایک تدبیر تو یہ ہے کہ مکان مضبوط کر لئے جائیں۔ سیمنٹ کے پلاستر ہو جائیں۔ اور مکانوں کی کرسیاں اونچی کر دی جائیں۔ نالے کو اپنی جگہ چلنے دیا جائے ـــــ اور ایک تدبیر یہ ہے کہ جہاں سے نالہ نکلا ہے اُسے جاکر توڑ دیا جائے اور تباہ کر دیا جائے۔

نفس میں غضبی اور شہوی قوتیں ہیں۔ یہ دو قوتیں ہی اخلاق اور صفات بناتی ہیں۔ یہ ہر جاندار میں ہوتی ہیں۔ قوت شہوی منافع اور مصالح کی تلاش میں رہتی ہے اور قوتِ غضبی مضار اور مفاسد کا ڈیفنس کرتی ہے جب احتیاج کی تلاش میں قوت شہوی نکلتی ہے، تو حرص کا میدان نمایاں ہوتا ہے اور دفع مفاسد کے لئے قوت غضب میدان میں آتی ہے تو قوت اور عزت ظاہر ہوتے ہیں۔ اس کی ناکامی

سے حقد اور قوت شہوت کی ناکامی سے حسد ظاہر ہوتا ہے۔ قوت شہوی میں جوش ہوتا ہے تو بخل اور غضبی کے جوش میں عدوان یعنی ظلم و کبر اور فخر کا ظہور ہوتا ہے۔

نالے سے میرا مقصود یہی دو قوتیں ہیں جو قلب کی آبادی کی طرف سیلابی صورت میں آکر پوری آبادی کو تباہ کرتا ہے۔ صوفیا آئے اور آبادی کی بربادی کا یہ تماشا دیکھا تو بول پڑے کہ ان دو قوتوں کو جڑ سے ختم کر دینا چاہیئے۔ اس کیلئے انہوں نے ریاضات شاقہ اور تعذیب جسم کی صورتیں پیدا کیں۔ لیکن یہ حکیم مطلق کی تخلیق حکمت سے مقابلہ تھا۔ ناکامی ہوئی اور ناکامی ہو رہی ہے — انبیاء آئے اور انہوں نے لوگوں کو بتلایا کہ مکانوں کی بنیادیں مضبوط کی جائیں۔ پلاستر کئے جائیں اور کرسی اونچی رکھی جائے۔ نالے کو بہنے دیا جائے۔ کسی نے کیا اچھی بات کہی ہے کہ آفات نفس اور وساوس راہ سلوک کے مسافر کیلئے راستے کے بچھو اور سانپ ہیں۔ جو راستہ میں ان کو مارنے میں لگ جائے گا وہ سفر سے رہ جائے گا۔ کام چلتے رہنا ہے۔ ان کی طرف آنکھ بھیر کر دیکھنا بھی نہیں چاہیئے۔ شاید عارف رومی نے اسی نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہے ؎

اندریں راہ مے تراش و مے خراش
تا دمے آخر دمے فارغ مباش

نفس اور اس کی قوتیں بیکار نہیں ہیں۔ یہی نالے کا پانی ہے۔ اس سے جہاں جھاڑ کانٹے پیدا ہوتے ہیں وہیں بہترین کھانے کی خوش ذائقہ سبزیاں بھی نشوونما پاتی ہیں۔ اس کا رخ بدل دیجئے۔ استیصال نہ کیجئے۔ اکڑ کر چلنا معیوب ہے اور شریعت نے منع کیا ہے مگر میدان جنگ میں اللہ جل شانہ کو ابودجانہ کی یہی رفتار پسند آئی۔ کیونکہ رخ بدل گیا — اب ختم کرتا ہوں۔

Marfat.com

مگر اشارۃً ایک بات اور کہے دیتا ہوں ۔ جس طرح حواس خمسہ ہیں ایسے ہی مشاعر بھی خمسہ ہیں ۔ یہ تو ہیں اطباء اور حکماء کے زیر بحث ۔ ان کے ساتھ لطائف بھی خمسہ ہیں ۔ یہ ہیں اصلاح نفس میں صوفیاء کا موضوع ۔

حواس خمسہ یہ ہیں :۔ باصرہ ، سامعہ ، شامہ ، ذائقہ ، لامسہ

مشاعر خمسہ یہ ہیں :۔ حسِّ مشترک ، متصرفہ ، تخیل ، وہم ، حفظ

لطائف خمسہ یہ ہیں :۔ عقل ، قلب ، روح ، سر ، نفس

لطائف کی بیداری کا نام ہے نسبت ۔ یہی مقصودِ تصوّف ہے اور یہی منزل احسان ہے ۔

والسلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

بنام مولوی محمد اسحاق شہابی ٹیچر گورنمنٹ نارمل اسکول پسرور ضلع سیالکوٹ

Marfat.com

ڈسٹرکٹ جیل سیالکوٹ
۱۵ر دسمبر ۱۹۵۳ء

انسان ایک عالم صغیر ہے، روح کی تکوین، روح سے اخلاق کا تعلق نفس قلب اور عقل کی تشریح، سر اور روح کی حقیقت، انسان کا امتیازی مقام ان لطائف خمسہ سے وابستہ ہے۔ حواس اور مشاعر کی طرح لطائف پنجگانہ بھی اگر کام نہ کریں تو انسان حیوانیت سے بھی گر جاتا ہے۔

بھی فی اللہ!   السلام علیکم

آج آپ کو خط لکھ رہا ہوں۔ تقریب یہ ہے کہ تفہیمات دیکھتے دیکھتے ذہن آپ کی طرف منتقل ہو گیا۔

انسان صرف ہاتھ، پاؤں، ناک، آنکھ اور منہ کے مجموعہ کا نام نہیں ہے بلکہ اس کے طبقات ہیں اور یہ عالم صغیر اپنے ہر طبقے کے لئے ایک مستقل وجود اور مستقل مدت رکھتا ہے۔ ظاہری طبقہ تو اس کا یہی قالب ہے۔ کھانے پینے کے تقاضے اس میں موجود ہیں۔ ہاضمہ اور غاذیہ قوتیں بھی ہیں۔ کیلوس اور کیموس بھی اسی میں ہیں۔ غذا تین حصوں میں تقسیم ہوتی رہتی ہے۔ منی، خون، روح ـــــ منی مجامعت کے ذریعے رحم عورت میں منتقل ہو کر خون کی آمیزش سے بدن انسان بناتی ہے۔ یہ ہے ظاہری طبقہ ـــــ اور اسے عالم صغیر کا طبقہ سافلہ بھی کہتے ہیں۔ یہی فن طب و تشریح کا موضوع ہے۔ اس کے بعد ایک دوسرا طبقہ ہے جسے طبقہ روح کہتے ہیں۔ اس کی تکوین اس طرح ہوتی ہے کہ اخلاط سے پیدا شدہ بخارات لطیف دل کی طرف جاتے ہیں۔ وہاں حرارت دل کی آمیزش سے ایک پاک وصاف معتدل جوہر بنتا ہے۔ یہی روح ہے

Marfat.com

جو نفس ناطقہ کی مولد ہے۔ انسان دراصل اسی جوہر لطیف کا نام ہے اور بدن اسی کا گھرانہ ہے۔ اخلاق اور ظاہری و باطنی احساسات کا تعلق بھی اسی سے ہے۔ یہ جوہر لطیف تین حصوں میں تقسیم ہوتا ہے۔

ایک حصہ ــــ مکان کی دیکھ بھال اور نگرانی کا فرض انجام دیتا ہے اور مکان کے افادی تعلقات کی غور و پرداخت کرتا ہے۔ صوفیاء کی زبان میں اس کا نام نفس ہے یہی وہ مقام ہے جہاں برائیوں کو مختلف طریقوں سے بدن کی مملکت میں داخل ہونے کا موقع ملتا ہے۔

دوسرا حصہ ــــ وہ ہے جو نفس ناطقہ کے تابع فرمان رہتا ہے اور قوائے عملیہ میں سکینت، لطافت اور عبادت کے لئے شگفتگی پیدا کرتا ہے صوفیاء کی زبان میں اسے قلب کہتے ہیں۔

تیسرا حصہ ــــ وہ ہے جو نفس ناطقہ کے احکام کے ظہور کیلئے جولانگاہ کا کام دیتا ہے اسے عقل کہتے ہیں۔ ان تین لطائف کو علماء نفسیات اور فلاسفہ مانتے ہیں۔

خالص دلیل کی زبان سے اگر سننا چاہتے ہو اور ان تینوں کا مشاہدہ چاہتے ہو تو سو آدمیوں کو ایک جگہ جمع کر لو اور ان کے سامنے شاندار ضیافت چن دو۔ کھانا چن دینے کے بعد کھڑے ہو کر سب کو مخاطب کرو کہ اس شخص سے زیادہ بیوقوف کون ہوگا جو یہ کھانا کھائے۔ اس کھانے کو صرف بہائم کھا سکتے ہیں۔ خوب کھانے کی برائی بتاؤ۔

اس کے بعد مجمع کو دیکھو کہ اس میں کس کس انداز طبیعت کے لوگ ہیں کچھ مقرر کی تقریر پوری طرح سمجھنے کے باوجود مقرر کو غضبناک نگاہوں سے دیکھیں گے۔ اندر اندر سے ان کو سوسائٹی میں تذلیل کا اندیشہ بھی ہوگا مگر کھانے پر کبھی

کی طرح گریں گے۔ گویا تمثیل کے رنگ میں اگر یوں کہہ دیا جائے کہ ترازو کے ایک پلڑے میں ذلت و رسوائی ہو اور دوسرے میں لذت کام و دہن ہو تو اس کی افتادِ طبع لذت ہو گی۔ اس پر نفس کا غلبہ ہے اور فلاسفہ کی زبان میں یہ مغلوب شہوتِ نفسی ہے ــــــ کچھ مقرر کی تقریر سے غضب آلود ہوں گے چہرے سرخ ہو جائیں گے رگیں پھول جائیں گی اور یہ کہہ کر اٹھ جائیں گے کہ میں اس قسم کے کمین لوگوں میں بیٹھنا بھی گوارا نہیں کرتا۔ ہزار معذرت کیجئے مانیں گے نہیں۔ صوفیاء کی زبان میں یہ مغلوب قلب ہے اور فلاسفہ کے نزدیک یہ نفس سبعی کا شکار ہے۔ کچھ ایسے ہوں گے جو مقرر کے سامنے بول پڑیں گے کہ کھانے کے خراب ہونے کی وجہ بتاؤ۔ اگر تم عقلاً کھانے میں برائی بتا دو گے تو میں نہ کھاؤں گا ورنہ تم بکواس کر رہے ہو اور غلط کہتے ہو۔ فلاسفہ اور صوفیاء کے نزدیک یہ مغلوب عقل ہے۔

اس عملی مثال میں تینوں لطائف موجود ہیں۔

اب ذرا ایک قدم اور آگے بڑھو۔ عقل اور قلب میں بھی دو درجے ہیں عقل ایک درجے میں عالم قدس کی طرف متوجہ رہتی ہے۔ اور ایک درجے میں ماورائے محسوس سوچنا بھی نہیں چاہتی۔ عقل کے درجہ اولیٰ کا نام سر ہے۔ دل کے بھی دو درجے ہیں۔ ایک درجہ میں وہ روحانیت اور سکوت و سکون چاہتا ہے اور ایک درجہ میں کود پھلانگ کا خواہاں ہوتا ہے۔ دل کے پہلے درجے کا نام روح ہے یہ ہیں لطائف خمسہ۔

انسان فی الواقع دوسرے حیوانات سے انہی لطائف کی خاطر امتیازی مقام رکھتا ہے اور احسن تقویم بنا ہے۔ ان لطائف میں جوں جوں بیداری ہوتی جاتی ہے نورانیت ہے اور لطائف بھی رونما ہو جاتے ہیں۔

کوشش کیجئے کہ یہ لطائف بھی مثل اور حواس کی طرح اپنا اپنا کام کر

Marfat.com

تاکہ احسن تقویم کا مقام حاصل ہو۔ ورنہ یقین مانیئے کہ حیوانیت اور شجریت سے زیادہ پستی رونما ہو جائے گی۔ بیشک جسمانی قوت درختوں، پہاڑوں، اور حیوانوں کی طرح بڑھے گی مگر دامانِ حرص وسیع ہو کر کتوں سے زیادہ حریص ہو جائیں گے۔ یعنی صحیح معنے میں ثم رددناہ اسفل سافلین کی تصویر ہو گی۔

شاید حضرت علیؓ کی طرف اخلاق کی کتابوں میں جو یہ مقولہ منسوب ہے کہ — انسان رب کا فرماں بردار ہو تو ملائکہ سے افضل ہے اور نافرمان ہو تو کتے سے بدتر ہے — اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ لطائف بیدار نہ ہوں تو اسفل سافلین میں پہنچ جاتا ہے۔ انبیاء کی آمد کا مقصود بھی یہی ہے جیسا کہ قرآن میں وحی کے استشہاد سے ثابت ہو رہا ہے۔

یہ شاید آپ پوچھیں اور اس کے لئے بے چین ہوں کہ لطائف کیسے بیدار ہوتے ہیں؟ سوال میں ذرا گہرائی ہے۔ مختصر جواب سے تسلی نہ ہو گی طویل جواب کیلئے خط کا محدود معیار اجازت نہیں دیتا۔ کوشش کروں گا کہ دوسرے خط میں سمجھاؤں۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

بنام مولانا فضل حق صاحب بی۔اے خطیب مسجد راجہ بازار سیالکوٹ۔

ڈسٹرکٹ جیل سیالکوٹ

۱۸ر دسمبر ۱۹۵۳ء

توحید بطور مقام حاصل کرنے کا نسخہ اور اس کی ترکیب استعمال

حبی فی اللہ ! السلام علیکم

اگر پانی کو ہوا بنانا ہو تو تدبیر یہی ہے نا کہ گرمی کے زور سے اس کی ٹھنڈک کو گرمی میں بتدریج بدلو یا کچھ اور گرمی کی ایک ضروری مقدار مہیا ہونے پر اللہ جل شانہٗ کے حکم سے پانی بھاپ بن جائے گا۔ بس مسئلہ سمجھ میں آگیا۔ اگر چاہتے ہو کہ توحید بطور مقام ہاتھ آئے اور یہ چاہت بھی سچی ہو۔ توقع، آرزو اور ولولے کے درجہ کی نہ ہو تو بس نفس کے دامنوں سے جو آلودگیاں چمٹی ہوئی ہیں۔ اور جن جن سے جی ٹھنڈا ہوتا ہے ان کو اللہ جل شانہٗ کی محبت، طاعت، خشیت، موالات، سوال، توکل، لجاء، رضا، تفویض اور تحاکم و رغبت کی گرمی سے ختم کر لو۔ تم پوچھو گے کہ یہ گرمی کیسے پیدا ہو۔ تین کام کرو۔

الف :- نفی و اثبات پر پہنات کے ساتھ مداومت کرو۔

ب :- جی کو یادِ الٰہی سے غافل نہ ہونے دو۔

ج :- زباں کو گناہ کی آلودگیوں سے بچا لو۔

لو چھٹی ہوئی کام ہو گیا۔

اللھم اجعلنا منھم برحمتک - اللھم یسر علینا - اللھم اجعلنا من الذین یذکرونک دائماً - اللھم جرد انفسنا عن التعلقات کلھا - اللھم وفقنا لما تحب وترضی

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

بنام: جناب عبدالغفور صاحب محلہ کارم لودھ شہر سیالکوٹ

Marfat.com

ڈسٹرکٹ جیل سیالکوٹ

۲۳ر دسمبر ۱۹۵۳ء

سیفٹی ایکٹ کی دفعہ ۳ میں انصاف کے نام پر بے انصافی اور عدل کے نام پر ظلم ہوتا ہے، خلوت کی لذتیں اور پرکیف نفع اندوزیاں، اللہ کی یاد وہ نعمت ہے کہ اس سے آگے کسی نعمت کا تصور بھی نہیں، خواب میں بشارت، جرم کا کھلے بندوں اقرار، معافی پر موت کو ترجیح، قوم کے لئے مرنا فخر، بکنا لعنت ہے۔

تلمیذی العزیز! السلام علیکم

یہ تو تمہیں معلوم ہی ہوگا کہ مورخہ ۸ر اگست ۵۳ء کو حکومت کا عتاب برق و رعد بن کر میرے خرمن آزادی پر پڑا اور میں اس غیر جمہوری قانون کی دفعہ ۳ کے ماتحت جسے پبلک سیفٹی ایکٹ کہتے ہیں جیل میں پہنچا دیا گیا۔ اس قانون کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ انصاف کے نام پر بے انصافی اور عدل کے نام پر ظلم اس کے آسرے پر پرورش پاتا ہے اور انتظامیہ کو عدلیہ سے بے نیاز ہو کر من مانی کارروائیاں کرنے کا موقعہ ملتا ہے۔ مجرم کو جرم کا علم نہیں ہوتا اور نہ ہی ارادۃً پتہ ہی دیا جاتا ہے۔ میں خود سوچتا ہوں کہ خلوت کی یہ سعادت جو مجھے باہر کسی قیمت پر بھی نہیں ملتی تھی۔ بار ہا اس کے لئے آرزوؤں کا خون ہوا۔ بلکہ عرصہ اسی تگ و دو میں جگر خوں ہوا۔ یکایک کیسے نصیب ہوئی؟ اس کی لذتوں اور پرکیف نفع اندوزیوں کی کیا پوچھتے ہو۔ زبان میں اس کے لئے یارائے سخن نہیں اور قلم میں اس کی تاب نہیں۔ سچ کہہ دوں۔ کیفیات ہیں، جذبات ہیں، میرے پاس تعبیر کے لئے الفاظ نہیں۔ بیداری اور خواب دونوں یہاں یکساں ہیں۔ جاگتے ہوئے تو جاگتا ہی ہوں مگر سوتے ہوئے بھی الحمد للہ بیدار رہتا ہوں۔ یہ وہ جنت

ہے کہ اس پر دنیا کی کروڑ ہا اور بے بہا لذتیں قربان ہیں۔ اللہ جل شانہ کی بڑی ہی عنایات ہیں۔ مختصر سے مختصر الفاظ ہیں۔ یہ کہ بس اللہ کی یاد کی توفیق ملی ہوئی ہے اور یہ وہ نعمت ہے کہ اس سے آگے کسی نعمت کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ تصور ہو بھی کیسے؟ انسان کی انسان ہوتے ہوئے اس کے آگے پرواز نہیں ہے ؎

ذالک موھب الرحمن لیست
تحصل باجتھاد او بکسب

شاید مسند احمد کی حدیث ہے حضرت ابو الدرداءؓ کے حوالے سے مدارج میں لکھی ہے۔

الا انبئکم بخیر اعمالکم و ازکاھا عند ملیکلم وارفعھا فی درجاتکم وخیر لکم من اعطاء الذھب والفضۃ وان تلقوا عدوکم فتضربوا اعناقھم ویضربوا اعناقکم قالوا وماذاک یا رسول اللہ قال ذکر اللہ عز وجل

میں کہہ نہیں سکتا کہ ساعات کیسی لطیف ہیں۔ لم یذق لم یدرِ والی بات ہے۔ ارباب اقتدار تو اسے تعزیر، عقوبت اور تعذیب سمجھے ہوئے ہیں ؎

بدم گفتی و خورسندم عفاک اللہ نکو گفتی
جواب تلخ می زیبد لب لعل شکر خا را

اگر ان کو میری لذت گیریوں کا پتہ چل جائے اور خدا نہ کرے کہ پتہ ہو تو یقیناً اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کے لئے مجبور ہو جائیں۔ انہوں نے پتہ نہیں کس جرم کی پاداش میں میرے لئے یہ مقام تجویز کیا ہے۔ جہاں تک میں سمجھتا ہوں

Marfat.com

اس کے سوا کچھ نہیں کہ ختم نبوت کی حمایت پر میرے منہ سے نکلے ہوئے چند بول یہ رنگ لائے ہیں۔ ذوالنون مصری نے کیا خوب کہا ہے ؎

لا انساک فی اکثر ذکر اِک

ولکن بذکراک یجری لسانی

اسے کچھ حسن اتفاق کہئے کہ آنسے سے دو روز پہلے خواب میں ایک شخص نے بتایا کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میرا ہاتھ پکڑے ہوئے ہیں — میں سمجھ گیا کہ حالات خوش آیند ہیں — اب بھی جذبات میں وہی گرمی ہے۔ احساسات وہی ہیں۔ صاف صاف اور بلا خوف لومتہ لائم کہتا ہوں کہ اگر ارباب اقتدار کی نظر میں میرا جرم یہی ہے تو مجھے اس جرم کا کھلے بندوں اقرار ہے۔ یہ اقرار میرے ایمان کا جزو لاینفک اور میری اخروی نجات کی اساس ہے۔ یہ نظریہ نہیں جو بدل جائے۔ یہ عقیدہ ہے اور عقیدہ بھی وہ جس کی عمارت قرآن وسنت کے صاف اور صریح محکمات پر اٹھی ہے۔ تیرہ سو سال سے ہواؤں کے نہ معلوم کتنے طوفان اسے ختم کرنے کے لئے اٹھے ہیں اور نہ معلوم کتنے اٹھیں گے مگر آج تک اپنی جگہ سے نہ ہلا ہے نہ ہلے گا انشاءاللہ — اور اگر میرا جرم ارباب اقتدار کی نظر میں اس کے سوا کچھ اور ہے تو اولاً اس کی تعیین مطلوب ہے اور تعیین میں اگر یہ جرم ملت سے غداری یا ملک سے بے وفائی ظاہر ہو تو پھر حکومت کا فرض ہے کہ مجرم کو قانون کے مطابق جرم کی پوری پوری سزا دے — ختم نبوت پر منہ سے نکلے ہوئے بول اگر جرم ہیں تو معافی پر موت کو ترجیح دیتا ہوں اور اس جرم کا میں خود اقراری ہوں۔

غداری کا الزام اگر ان کے علم میں پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے تو وہ خوشی سے سزا دیں اور زیادہ سے زیادہ دیں۔ میں اپنے علم میں مجرم نہیں ہوں۔ مجھے اپنے

Marfat.com

اس جرم کا اقرار نہ ہو تو میری زبان پر معذرت کے لفظ کی غلط کروٹ بھی نہیں آسکتی ۔ الحمد للہ کہ میرا دامن غداری کے ناپاک دھبوں سے آج تک آلودہ نہیں اور خدا نہ کرے کہ ایسا ہو۔ میں قوم کے لئے مرنا جانتا ہوں مگر بکنا نہیں جانتا۔ اس اخلاقی سطح کے آدمی دنیا میں سوسائٹی کے بدترین افراد ہوتے ہیں ۔ بھلا جس شخص کے عقیدے میں ایک مسلمان کی بدخواہی ناجائز ہو، اسے پورے سات کروڑ کا بدخواہ بتانا ظلم نہیں تو اور کیا ہے۔ اللہ معاف کرے، وقت بہت گذر چکا ہے۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ

بینظیر، مستری محمد نذیر محلہ صوفی پورہ سیالکوٹ

Marfat.com

ڈسٹرکٹ جیل سیالکوٹ

۲۷ر دسمبر ۱۹۵۳ء

حکیم الامت شاہ ولی اللہ کی ذات صرف علمی نہیں بلکہ استدلالی شخصیت ہے۔ شاہ صاحب کے سینہ تجدید سے اٹھی ہوئی ہدایت علم الٰہی اور ربانی ہے۔ فکر و عمل کی دو قوتیں، افراط و تفریط، راہِ اعتدال، ایمان اور اس کے عناصر، توحید، توحید کے دامن پر دو دھبے، توحید کے مدارج۔ انسانیت کی تکمیل توحید پر موقوف، تسبیح و تحمید توحید میں معرفت کے پیمانے ہیں، توحید انسانی فطرت کا خمیر ہے۔

تلمیذی العزیز! وفقنا اللہ وایاکم لما یحبہ ویرضاہ۔ السلام علیکم

اسلام سمجھنے میں مجھے جس قدر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے فائدہ ہوا۔ زبانِ قلم میں اسے بیان کرنے کی تاب نہیں ہے۔ بلا ریب اگر اسلام شناسی کی راہ نوردی میں یہ علمی شخصیت میری راہنما نہ ہوتی تو میں کہہ نہیں سکتا کہ میں کہاں ہوتا۔ حجۃ اللہ البالغہ، البدور البازغہ، الخیر الکثیر اور التفہیمات الالٰہیہ میرے شبانہ روز مطالعہ کا مرکز رہے ہیں یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ کے دباؤ نے مجھے مجبور کر دیا کہ شاہ صاحب کو جو کچھ، جتنا کچھ اور جیسا کچھ میں پڑھ سکا ہوں۔ آپ کے سامنے بھی اس کی سوغات پیش کروں

دراصل شاہ صاحب کی گرامی قدر علمی شخصیت صرف پڑھنے کی نہیں بلکہ اعتبار و استدلال کی ہے۔ کیونکہ شاہ صاحب کے علوم خود شاہ صاحب کے لفظوں میں "علم الٰہی اور ربانی" ہیں۔

اسلامی زندگی آج جس افراط و تفریط کا شکار ہے اور جسے دیکھ دیکھ کر

بر درد مند اندر اندر کڑھ رہا ہے ۔ اسے دور کرنے اور اسلام کے جادۂ اعتدال پر لانے کا میرے خیال میں ایک طریق یہ ہے کہ حکیم الامت کے علوم کو زیادہ سے زیادہ شاہراہ عام پر لایا جائے ۔

اسی یقین سے دب کر میں نے ارادہ کیا ہے کہ شاہ صاحب کے علوم میں سے مختلف عناوین کا انتخاب کروں ۔ اس راہ میں میری نظر انتخاب سب سے پہلے توحید پر پڑی ہے ۔ بیگانے تو بیگانے خود یگانے بھی توحید کے اس تصور سے خالی الذہن ہیں جس کی دعوت انبیاء لے کر آئے تھے ۔

حق جلّ مجدہٗ نے انسان کو فکر و عمل کی دو قوتیں دی ہیں ۔ اول الذکر کو عاقلہ اور آخر کو عاملہ کہتے ہیں ۔ قوت عاملہ کی ساری سرگرمیاں کھانے کیلئے غذا، رہنے کیلئے مکان، پہننے کیلئے کپڑا، سکون کے لئے رفیقہ اور اپنے ہم چشموں میں برتری کے مقام کی تلاش میں لگی رہتی ہے ۔ قوت عاقلہ محاورات، تخیلات، احساسات اور علمی ادراکات کی تگ و دو کرتی رہتی ہے (التفہیمات الالٰہیہ ص $\frac{۳۴}{۱۲}$)

جیسے عمل کے میدان کی وسعتیں زندگی کے ہر گوشے میں ناپیدا کنار ہیں ٹھیک اسی طرح فکر کی پہنائیوں کی بھی آخری سرحد کوئی نہیں ہے ۔ عمل کی وسعتیں ہوں یا فکر کی پہنائیاں دونوں افراط و تفریط کا شکار رہتی ہیں ۔ (التفہیمات ص $\frac{۳۴}{۱۲}$)

انبیاء کی آمد کا مقصد وحید یہ ہے کہ انسان کو فکر و عمل کے میدان میں افراط و تفریط سے بچا کر اعتدال پر رکھا جائے ۔ اسی جادۂ اعتدال کا نام دوسرا ایمان ہے ۔ اس کی سب نبی دعوت لے کر آئے اور اسی کی خاطر قرآن اترا ہے ۔ (التفہیمات ص $\frac{۵۳}{۲۲}$)

جو ایمان آخرت میں مفید اور انسانی زندگی کے لئے صیانت اور بچاؤ کا کام

Marfat.com

"دیتا ہے وہ ہے کہ جس کی عمارت توحید، محبت، فنا، توکل، عبادت، ذکر اور یقین کی بنیادوں پر قائم ہو۔ (التفہیمات ص۱۶۰ ج۲)

توحید یہ ہے کہ دامانِ مومن شرک کی ساری آلودگیوں سے محفوظ ہو۔ محبت یہ ہے کہ اللہ جل شانہ کی ناراضگی کے مقابلے میں ذاتی میلان اس کی نگاہ میں ہیچ ہو۔ فنا یہ ہے کہ کبائر سے اجتناب اور صغائر پر اصرار سے بچا رہے۔ توکل یہ ہے کہ شگون، چھوت چھات، بھوت پریت، دیوی سب سے الگ تھلگ رہ کر اللہ جل شانہ پر بھروسہ رکھے۔ عبادت یہ ہے کہ فرائض کی پابندی کرے۔ ذکر یہ ہے کہ اوقات مختلفہ میں جو دعوات و اذکار شارع علیہ السلام سے ثابت ہوں۔ ان کو ادا کرے۔ (التفہیمات ص۱۶۰ ج۲)

توحید تمام نیکیوں کی اصل اور اساس ہے کیونکہ انسان کے لئے خدائے ذوالجلال تک رسائی کی صرف یہی راہ ہے اور اسی کے ذریعے انسان پر عالم غیب منکشف ہوتا ہے یہی انسان میں عالم قدس سے ملنے کی قابلیت پیدا کرتی ہے۔ توحید کی عظمت اور تمام نیکیوں کے لئے بس کی گانٹھ ہونے کا اندازہ اس پیغام سے ہوتا ہے جو جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اللہ جل شانہ کی جانب سے بندوں تک پہنچایا ہے۔

من لقینی بقراب الارض خطیئة لا یشرك باللہ شیئًا لقیته بمثلها مغفرة (حجۃ اللہ البالغہ ص۵۹ ج۱)

توحید کے متعلق غلطیوں، گمراہیوں اور خامیوں کا سرچشمہ صرف دو باتیں ہیں۔ ذات، صفات، عبادت میں ساری شورشوں کے برگ و باران سے نکلے ہیں۔

الف۔ خالق میں مخلوق کی صفات ماننا۔

Marfat.com

ب۔ مخلوق میں خالق کی صفات دیکھنا

پہلی راہ سرتا سر تشبیہ اور دوسری سرتا سر اشراک کی راہ ہے (حجۃ اللہ البالغہ ۵۹ ج ۱)

اگرچہ توحید سے گریز یا نظریات کی کڑیاں بے شمار ہو سکتی ہیں اور ہیں لیکن بنیادی نقطے ہمیشہ دو ہی رہے ہیں۔

تشبیہ ۔ یعنی اللہ جل شانہٗ کے لئے ایسی صفات تجویز کر لی جائیں جو مخلوقات کی صفات سے مشابہ ہوں۔

اشراک ۔ یعنی مخلوق کے لئے وہ صفات تجویز کی جائیں جو خالق کی صفات سے مشابہ ہوں۔

توحید کی اگر تمام ارتقائی کڑیوں کو یک جا کر کے دیکھا جائے تو اس میں صرف چار مدارج نمایاں ہونگے

الف۔ توحیدِ وجودی۔

ب ۔ توحیدِ خالقیت۔ قرآن اور دوسری کتب الہیہ میں توحید کے یہ دونوں ابتدائی مراتب بحث و نظر کا موضوع نہیں ہیں کیونکہ قرآن کی تصریحات کے مطابق یہ دونوں مدارج اللہ جل شانہٗ کے وجود اور خالقیت میں یگانگت قرآن کے مخالفوں کے مسلمات میں سے ہیں۔

ج ۔ توحید تدبیر و تصرّف

د ۔ توحید عبادت۔ یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں اور ان میں باہم ایک طبعی ربط قائم ہے۔

عرب کے اشراکی تصور نے خدا کے مقبول بندوں میں اولاً تدبیر و تصرف کی بالاستقلال طاقتیں تجویز کیں اور جب توحیدی تصور کے قیام سے وہ استقلال قائم نہ رہ سکا تو توسّل اور توسّط کا درجہ انہوں نے پیدا کیا۔

Marfat.com

یعنی اگرچہ خود خدا نہیں ہیں لیکن خدا تک پہنچنے کے لئے ان کی عبادت ضروری ہے ایک پرستار کی پرستش اگرچہ ہوگی خدا کیلئے مگر ہوگی ان ہی کے آستانوں سے۔ ہم براہِ راست خدا کے آستانے تک نہیں پہنچ سکتے۔ نجامین یعنی ستارہ پرستوں نے تصرف و تدبیر کا یہی خزانہ ستاروں میں دیکھ کر ان کی عبادت کے ہیکل قائم کئے عیسائیوں نے حضرت مسیح کے لئے علو مرتبت اور قرب الٰہی کی وجہ سے ابن اللہ کی تمثیل اختیار کی اور کچھ نے حلول کی آڑ میں اللہ کہہ کر پکارا۔ اس کے نتیجے میں اقانیم ثلاثہ، کفارہ اور مسیح پرستی کے تصورات چھا گئے (حجۃ اللہ ص ۵۹ ج ۱)

انسان فکر و عمل کی دو قوتوں سے مالا مال ہے۔ یہی اس کی نوعی خصوصیت ہے۔ جس کے بل بوتے پر وہ دوسرے حیوانات سے ممتاز ہے۔ اس کا یہی مزاج نوعی خود اپنی ان دو قوتوں کے لئے طبعاً غذا چاہتا ہے۔ اگر اس کو غذا سے محروم کر دیا جائے تو بلاشبہ اپنے اس نوعی کمال کو حاصل نہ کر سکے گا۔ جو شہنشاہِ کائنات جل مجدہٗ نے اس کے لئے مقرر کیا ہوا ہے۔ فکر کی اسی غذا کا نام زبانِ شریعت میں علم توحید ہے۔ (حجۃ اللہ البالغہ ص ۲۳ ج ۱)

انسان کی قوتِ فکری کے لئے جو علمی غذا توحید کے ذریعے مہیا کی گئی ہے۔ اسی کی معرفت کو ذہن انسانی سے قریب تر کرنے کے لئے ناموس وحی میں تسبیح و تحمید کا پیمانہ آیا ہے۔ ذہن انسانی جن جن صفات کو جانتا اور پہچانتا ہے۔ ان سب کو حضرت حق جل مجدہٗ کے لئے بولا گیا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی بتایا ہے کہ ان صفات کا موصوف جب حق جل مجدہٗ ہو تو کائنات کی کوئی چیز اس کی تمثیل نہیں ہے۔ ہم بولتے ہیں کہ حق جل شانہ کی ذات ستودہ صفات حیات، علم، قدرت، بصارت، ارادہ، سماعت اور کلام کی صفات سے موصوف ہے لیکن وہ اپنی توصیف میں بھی یگانہ ہے۔ مثلاً وہ عالم ہے لیکن اس کا علم

Marfat.com

علم حضوری ہے۔ وہ بیک آن بیک لمحہ بارش کے قطروں، تودہ ہائے ریگ کے ذروں، درختوں کے پتوں اور جانداروں کے سانسوں کی گنتی اور شمار سے کو جانتا ہے۔ بصیر ہے وہ اٹاٹوپ رات کی تاریکی میں چیونٹی کی چال اور بند کمروں کے اندر لحافوں میں لپٹے ہوئے انسانوں کی اندرونی دھڑکنوں کو دیکھ لیتا ہے (حجۃ اللہ ص ۲۳ التفہیمات ص ۲۳/۱ج)

ذاتِ اکبر جل شانہ کو مثیلوں، عیبوں، کوتاہیوں اور کمزوریوں سے منزہ اور پاک یقین کرنا تسبیح ہے۔ اس کے لئے کمالات اور حسن و جمال پر مبنی اوصاف ثابت کرنے کا نام تحمید ہے۔ ان دونوں کا مجموعہ ہی اللہ جل شانہ کی وہ صحیح معرفت ہے جو عناصر کی اس گود میں انسان کو ہو سکتی ہے۔ اس سے آگے اس دنیا میں خدائے ذوالجلال کی معرفت انسان کے بس سے باہر ہے (حجۃ اللہ البالغہ ص ۲۷/۲ج)

یہ بات انسان کے وجدانی اذعان کے خلاف ہے کہ وہ اپنا اور اردگرد پھیلی ہوئی پروردگاری کا مطالعہ کرے اور ایک پروردگار ہستی کا یقین نہ کرے۔ ایک شخص غفلتوں اور سرکشیوں کے نتیجے میں ہر چیز کا انکار کر سکتا ہے۔ لیکن خود اپنا اور اپنے مشاہدات کا انکار نہیں کر سکتا۔ وہ جب اپنے چاروں طرف زندگی اور پروردگاری کا ایک عالمگیر، منظم اور باترتیب کارخانہ دیکھتا ہے تو اس کے دل کے ایک ایک ریشے سے آواز اٹھتی ہے کہ ایک پروردگار ہستی موجود ہے گویا پروردگار ہستی کا اعتقاد حضرت شاہ صاحب کے لفظوں میں مرکوز فی طبائع الانسان یعنی انسانی فطرت کا اندرونی تقاضا ہے۔ اختلاف ایک پروردگار ہستی کے ہونے میں نہیں ہے یہ تو فطرتِ انسانی کا ایک وجدانی احساس ہے لیکن فطرت کا یہی اندرونی جذبہ جب ایک بالاتر ہستی کو مان لیتا ہے تو مان لینے

کے بعد اسے جان لینے کی فکر میں پڑ جاتا ہے۔ یہیں سے قدر شناسی کے فطری جذبے میں فکر و ذہن کی مداخلت شروع ہوتی ہے چونکہ انسانی معلومات محسوسات کے دائرے میں محدود ہیں اس لئے اس کا تصور اس دائرے سے باہر قدم نہیں نکالتا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ انسانیت کا ہر قدم اس راہ میں درماندگیوں کا شکار رہا۔ کبھی موالید و عناصر، کبھی کواکب و سیارات اور کبھی صلحا کی روحیں اس کے دامانِ فکر میں الجھ کر رہ گئیں۔ فکرِ انسانی کی سب سے پہلی درماندگی یا بقول حضرت شاہ صاحب حیرۃ حائرہ یہی ہے (البدور البازغہ ص۹۸)

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بندہ مولانا حکیم عبد الواحد۔ مولوی فاضل۔ باہر کھٹیکاں سیالکوٹ

Marfat.com

ڈسٹرکٹ جیل سیالکوٹ

یکم جنوری ۱۹۵۲ء

دینداری۔ فنی دینداری اور پیشہ دینداری، فنی دینداری، مجادلات علماء اور پیشہ دینداری دین فروشی کا ہم معنے ہے، نبوت کا مطالبہ ان دونوں میں سے ایک نہیں ہے، نبوت کا پیش نہاد اور علم کے موضوع پر اس کا مطالبہ، نفس کو لذت دوسروں پر اپنی برتری جتانے میں آتی ہے کتابی معلومات انسان کے باطن کا ترکیہ نہیں کرتی ہیں، اچھی صحبت اور اس کی ضرورت، اخلاق کے مراحل کی پیچیدگی۔ اخلاق حساب کے پہاڑے نہیں جن کو رٹ لیا جائے۔ انسان گرنے کے بعد کب اٹھتا ہے۔

تلمیذی العزیز! السلام علیکم

آج ایک خاص تقریب سے تم سے باتیں کرتا ہوں —— دین و مذہب کو بہتوں نے صرف فنی طور پر حاصل کیا ہے۔ یعنی بجائے اس کے کہ اس کو برتیں اس سے اپنی زندگی بنائیں۔ اسے ایک مسلک حیات قرار دیں۔ محض دین کی باتیں جان لیتے ہیں۔ مقصود ان معلومات پر عمل کرنا نہیں ہوتا بلکہ اسے دوسروں کو بتانا اور اپنی قابلیت کا سکہ جمانا ہوتا ہے۔ یا پھر دوسروں کو لتاڑنا۔ اور بہت صرف اس لئے پڑھتے ہیں کہ یہ بھی منجملہ دوسرے مکاسب کے ایک اکتسابی ذریعہ ہے۔ وہ اس سے معاشی الجھنوں کو دور کرتے ہیں۔ پہلے کو علم برائے علم اور فنی دینداری اور دوسرے کو علم برائے نان یا پیشہ دینداری کہتے ہیں۔

پہلا لیجاری بہ العلماء او لیماری بہ السفہاء کا اور دوسرا دین فروشی کا مصداق ہے۔ علم کے موضوع پر نبوت کا مطالبہ نہ یہ ہے اور نہ وہ۔ قرآن نبوت

اور اسلام علم کی تحصیل کو صرف اس لئے ضروری قرار دیتا ہے کہ لوگ اس کو برتیں، جز و زندگی بنائیں اور ایک ادراکی ذمہ وار وجود ہونے کی وجہ سے جو فرائض ذاتی اور اجتماعی ان پر لاگو ہوتے ہیں ، ان سے گریز پائی کسی درجے میں اختیار نہ کریں۔ لیکن آہ ظاہر بینوں کو عمل میں لذت کہاں نصیب ! نفس کو لذت تو صرف اپنے کو دوسروں پر جتلانے میں آتی ہے۔ فضیلت کا لیبل چپکا لینے اور اصطلاحوں کے نام رٹ لینے سے کچھ نہیں ہوتا۔ اصل چیز تو صرف ایمانیات میں توحید و رسالت ، یقین مجازات ، اور اعمال میں درستی اخلاق ہے۔ اگر یہ حاصل ہے تو سب کچھ حاصل ہے۔ اگر نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ باقی سب لفاظیاں اور اصطلاحی بولیاں بیکار ہیں ؎

وہی ہیں پاک طینت لو لگی ہے جن کی خالق سے
نہیں ہے شرک کی نجاست بس وہ طاہر ہیں

عارف نے کہا ہے ؎

علم را بر تن زنی مارے بود — علم را بر دل زنی یارے بود

صرف کتابی معلومات انسان کے جوہر باطن کو صیقل نہیں کر سکتیں اس کیلئے اچھی صحبت کی ضرورت ہے۔ زندگی پر اثر زندہ شخصیت ہی کا پڑتا ہے۔ ایمان میں قوت ، عمل میں رسوخ زندہ معلم ہی کے واسطے سے نصیب ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ کتابی معلومات کیلئے آسمانی کتابیں صرف چار ہی مشہور ہیں مگر اس کے برعکس نبیوں یعنی معلموں کی تعداد طبرانی کی ایک روایت میں ایک لاکھ چوبیس ہزار بتائی گئی ہے۔ عالم بے عمل وہ ہی کہلاتا ہے جن کے دماغ کتابی معلومات سے لبریز ہیں لیکن دل غفلت کی نیند سو رہے ہیں۔ گویا ؎

خشک مغز و خشک تار و خشک پوست
از کجا مے آید ایں آواز دوست

علم اگر عمل میں پیوست نہ ہو تو صرف یہی نہیں کہ انسان اخلاقی گناہوں، بدنگاہی، بدزبانی اور بدگمانی میں مبتلا ہو جاتا ہے بلکہ انسان کی نفسیاتی کیفیت کا نقشہ ہی بدل جاتا ہے۔ اخلاق کے اکثر مرحلے بڑے ہی پیچیدہ ہیں۔ حساب کے پہاڑے نہیں کہ چھوٹا بچہ بھی آنکھ بند کر کے رٹ لے۔ جذبات کی کشمکش ایک طرف ہوتی ہے۔ عاقبت اندیشی کا فتویٰ دوسری جانب۔ اور پھر خود جذبات کے اندر ہی باہم آویزش اور کشمکش ہے۔ کیا خوب کہا ہے ؎

فرصتِ کشمکش مدہ ایں دلِ بیقرار را
یک دو شکن زیادہ کن گیسوئے تابدار را

گرنے کے بعد انسان گناہ سے ہاتھ اگر کھینچتا ہے تو عموماً اس وقت جب خود گناہ کی قوت جواب دے بیٹھتی ہے۔ ورنہ جب تک قوت و سامان موجود ہے نفس پرستیوں اور سیہ کاریوں کا سلسلہ قائم رہتا ہے۔ شباب کی بدمستیاں و بے احتیاطیاں کس کو معلوم نہیں ہیں؟ مانو یا نہ مانو مگر کہے دیتا ہوں۔ نیکی اور بدی پر آخرت میں جو ثواب و عذاب ملیگا وہ ملے گا ہی۔ اس دنیا میں بھی دونوں میں یہ بین فرق محسوس ہوتا ہے کہ طاعت کے بعد طبیعت میں شگفتگی، اطمینان، اور سکون پایا جاتا ہے اور معصیت کے بعد طبیعت کو اضطراب اور بے چینی لاحق ہو جاتی ہے۔ شاید سمجھ گئے ہو گے کہ میں کیا کہنا چاہتا ہوں یہ اور صرف یہ کہ علم کو عمل میں برتو۔ سکن حیات بناؤ۔ ورنہ اندیشہ ہے کہ ؎

مرغِ پرنا رستہ چوں پراں شود ⁂ طعمۂ ہر گربۂ دراں شود

وہ بصارت نہیں یہ بصیرت ہے۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ

مبنظمہ مولوی امیر علی مولوی فاضل رنگپورہ سیالکوٹ۔

Marfat.com

ڈسٹرکٹ جیل سیالکوٹ

۱۴ر جنوری ۱۹۵۴ء

امیر خسرو شیخ نظام الدین بلخی کے مرید، پیر اور مرید میں بے حد محبت ہے
جیل بلحاظ صورت خانقاہ سے ملتا جلتا ادارہ ہے۔ تخلیہ اور تجلیہ تصوف
کے دو رکن ہیں، جیل کی زندگی سرتاسر تخلیہ ہے، اگر یہاں تجلیہ کا بھی
انتظام ہو جائے تو قیدی اولیاء اللہ بن کر واپس آئیں، جیل میں
جاسکتے۔ رہائش کا نقشہ اور روزمرہ کا پورا پورا پروگرام

جی لی اللہ ! السلام علیکم

خدا تمہیں خوش رکھے تم اسوقت یاد آگئے ؎

جگر خوں ہو تو درد دل میں ہوتی ہے لہر پیدا

اصل میں مصرعہ تو یوں تھا ؎

جگر خوں ہو تو چشم دل میں ہوتی ہے نظر پیدا

یہ صوفیانہ مذاق ہے اور وہ ایک اجتماعی کا تاثر ہے۔ یاد پڑتا ہے کہ ہمارے
اقبال نے حالی کی یاد میں کہا ہے۔ جہاں میں رہتا ہوں لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ چوروں،
راہزنوں اور قاتلوں کا یا زندوں کا گورستان ہے مگر مجھے اس سے اختلاف ہے، میرے
خیال میں ؎

ایں مکانیست منزلگہ جاناں بودہ است

یہ مصرعہ امیر خسرو کا ہے۔ تم کبھی دہلی کے قیام کے دوران میں بستی نظام الدین گئے
ہو گے وہیں ان کا مزار ہے۔ خواجہ نظام الدین کے مرید ہیں۔ پیر کو مرید سے اور مرید
کو پیر سے بے پناہ محبت تھی۔ پیر صاحب مرید کی شاعری کے بھی مداح تھے۔
خواجہ صاحب کی رباعی کا ایک مصرعہ ہے ؎

Marfat.com

خسرو کہ نظم و نثر مثلش کم خاست

اخیر عمر میں خسرو غیاث الدّین تغلق کے ساتھ بنگال گئے وہیں کچھ قیام کیا۔ اسی قیام میں خبر ملی کہ پیر صاحب اس دارِ فانی سے رحلت کر گئے۔ خسرو روتے پیٹتے دلی آئے اور مزار مقدس پر حاضر ہوئے۔ خانقاہ کے دروازے پر پہنچ کر شعر پڑھا جس کا پہلا مصرعہ یہ ہے ؎

ایں مکانیست منزلگہ جاناں بودہ است۔

یہ مقام خانقاہ سے صورت کے اعتبار سے کچھ مختلف نہیں ہے۔ خانقاہی لوازم کی روزانہ بجاآوری ہوتی ہے۔ ایک مرید کی تربیت کے لئے خانقاہ میں گھر سے علیحدہ ہونے کے بعد جو کچھ ہونا چاہیئے۔ وہ یہاں بکمالہ موجود ہے۔ تصوف دو چیزوں سے مل کر بنتا ہے تخلیہ اور تحلیہ۔ بلکہ بعض اکابر سے تو تعریف یہی منقول ہے۔ تخلیہ کی حد تک تو سب کچھ یہاں ہوتا ہے یعنی کم خوردن، کم گفتن، کم خفتن اور کم با مردماں آمیختن کا سارا کورس ہر قیدی کو پورا کرنا پڑتا ہے۔ بلکہ اس پر حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کی خانقاہی اسکیم کا اضافہ کر دیا جائے تو وہ بھی یہاں پوری ہوتی ہے۔ نظم، ترتیب، توازن اور تناسب۔ کسر ہے تو صرف تحلیہ کی۔ اے کاش! کوئی کامل بھی ہوتا تو مقصود حاصل ہو جاتا۔ ہم جیسے تشنہ لب سیراب ہو کر جاتے مگر وائے ناکامی فیا للاسف ویا للعار۔

اب یہاں کی سنو۔ جہاں رہتا ہوں۔ ایک احاطہ ہے۔ شاید یہاں کی اصطلاحی زبان میں اسے سیکورٹی وارڈ کہتے ہیں۔ اس میں رہائشی کمرے ہیں میرا کمرہ ۸×۱۲ طول و عرض ہے۔ اونچائی بھی ۱۲ فٹ ہے۔ سامنے دروازہ ہے۔ کمرہ شرقاً غرباً ہے۔ مغرب کی جانب دیوار میں چھت کے قریب ایک چھوٹا سا جالی دار روشندان ہے جس سے ہوا اور روشنی کبھی آتی نہیں۔ البتہ چڑیوں کی بیٹ گر گر میرے سکون

Marfat.com

کو پامال کرتی رہتی ہے۔ کمرے کے آگے دو صحن ہیں۔ ایک وسیع مربع ۲۰×۲۰ فٹ ہے۔ اور دوسرا مستطیل ۸×۵ کا ہے۔ دوسرے صحن میں ایک سائڈ پر پاخانہ اور غسل خانہ ہیں۔ غسل خانے میں پانی چوبیس گھنٹے رہتا ہے۔ ٹینکی کا پائپ لگا ہوا ہے۔ صحن میں شمالی طرف چولہا ہے۔ کھانا پکانے، کپڑے دھونے اور صفائی کے لئے ایک شخص مقرر ہے۔ کھانا صبح آٹھ بجے اور شام کو پانچ بجے تیار ہو جاتا ہے۔ میں اسی وقت کھا لیتا ہوں۔ خوراک میں تین چھٹانک گوشت، دو چھٹانک دال، سیر بھر سبزی، ڈیڑھ چھٹانک گھی، ڈیڑھ پاؤ دودھ، تین ماشہ چائے، ایک چھٹانک چینی، چھ سیر لکڑی ہفتہ میں دو روز فروٹ۔ ہسپتال کی جانب سے آدھ سیر روزانہ دہی، ہفتہ میں ایک دفعہ جیل ساختہ صابن اور سرسوں کا آدھی چھٹانک تیل ملتا ہے۔ اس پر طرہ یہ ہے کہ میرا اپنا سامان سب چائے اور پان کا ساتھ ہے۔ چائے میں اسٹوپ پر پکاتا ہوں۔ دوپہر کو بارہ بجے اور رات کو دو بجے میری چائے کا وقت ہے۔ کمرے کے دروازے کے سامنے مغربی دیوار کی طرف چاندنی لگا رکھی ہے۔ ایک جانب نماز پڑھنے کے لئے جانماز بچھا ہوا ہے۔ دوسری جانب چوبی سوٹ کیس، پان کا سامان، لالٹین رکھی ہے اس سے ذرا پرے چائے کے برتن اور کھانے کے برتن دو ٹوکریوں میں رکھے ہیں۔ سول اخبار سے کاغذ نکالے ہیں اور دیوار پر کیل سے اٹکا کر ڈریسنگ الماری کا کام لیا ہے۔ یہ ہے میری کل کائنات۔

اب پوچھو کہ میں چوبیس گھنٹے کن مشاغل میں گذارتا ہوں۔ لو یہ بھی سن لو۔ صبح ایک اور دو کے درمیان اٹھتا ہوں۔ چائے وغیرہ سے فراغت کے بعد اذان تک تہجد پڑھتا ہوں۔ اذان سے نماز تک لا الہ الا اللہ کہتا ہوں۔ نیز دوسری تسبیحات۔ نماز کے بعد طلوع آفتاب تک اسی طرح گذر جاتا ہے۔ دو رکعت اشراق کے بعد

منہ صاف کر کے کھانے کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ کھانے سے فراغت کے بعد ساڑھے نو بجے تک تلاوتِ قرآن۔ ساڑھے نو سے دس بجے تک مطالعہ۔ دس سے ساڑھے گیارہ بجے تک قیلولہ۔ بارہ بجے چائے اور ایک بجے تک کچھ مطالعہ نماز کے بعد ذکر اور تلاوت قرآن۔ عصر کے بعد کھانا اور مغرب تک تسبیحات۔ بعد مغرب چھ نفلیں اور پھر اخبار بینی تا نماز عشاء — اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ ملتا ہے۔ نماز کے بعد سو جاتا ہوں — اچھا ملاقات ختم — میں ہی بات کر رہا ہوں تم تو جواب دیتے ہی نہیں۔ کیا مون برت ہے؟ اگر نہیں تو پھر چپ کیوں ہو؟ بھائی ایک طرفہ بات میں مزہ نہیں آتا۔ اس لئے میں بھی ختم کرتا ہوں۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ

بنام ڈاکٹر محمد خلیل صاحب بازار پنساریاں شہر سیالکوٹ

ڈسٹرکٹ جیل سیالکوٹ

۸ر جنوری ۱۹۵۴ء

سید سلیمان ندوی کی رحلت جماعتی زندگی کے لئے ناقابل تلافی نقصان ہے
سید صاحب بہت بڑا علمی سہارا اور تقدس وتقوی کا قومی سرمایہ تھے
قدیم راہوں کے ساتھ جدید تقاضوں سے آشنا تھے، قانون کے
خلاف قرآن وسنت نہ بننے کا مفہوم، قوم کی کایا کاغذی مسودوں، اور
دستوری سفارشوں سے نہیں بلکہ قلب قلب سے پلٹتی ہے۔ وزیر
قانون کا اطمینان ــــ

محی فی اللہ وفقنا اللہ وایاکم لما یحبہ ویرضاہ السلام علیکم

اس وقت یاد آئے۔ اس کی تلافی اس مکتوب سے کر رہا ہوں۔ یہ جانتا ہوں کہ میری زبان قلم سے نکلے ہوئے الفاظ کی آپ تک رسائی نہ ہوگی مگر میرے دل کی بھڑاس تو ضرور نکلے گی۔ آپ سے ملے دن بھی کافی ہو چلے۔ یاد کی تقریب بھی سن لیجئے۔ کل بارہ بجے اخبارات آئے۔ جج اس لئے بول رہا ہوں کہ ہیں روزانہ تین چار اخبار ملتے ہیں دو انگریزی کے سول اور پاکستان ٹائمز تو باقاعدہ اور اردو اخبار بے قاعدہ کبھی آثار، احسان کبھی مغربی پاکستان، نوائے وقت، آج نوائے وقت اور امروز ملے۔ کل کے اخبار میں یہ خبر بڑی دردناک تھی۔ دیکھتے ہی کلیجہ جل گیا کہ سید سلیمان ندوی رحلت فرمائے دار البقا ہوگئے۔ ابھی شیخ الاسلام کی مفارقت کے داغ مندمل ہونے نہ پائے تھے کہ یہ سانحہ پیش آگیا۔ پرانے زخموں میں اس خبر نے تازگی پیدا کر دی۔ پاکستان میں ہماری جماعتی زندگی کا سید صاحب بہت بڑا علمی سہارا تھے اور ساتھ ہی تقدس اور تقوی کا بہت بڑا سرمایہ۔ مگر کیا کیجئے یہاں بس کسی کا نہیں۔ مولیٰ کی مرضی انا للہ وانا الیہ راجعون بلاشبہ سید صاحب کی وفات سے ہماری جماعتی زندگی کو بہت بڑا ناقابل تلافی

نقصان پہنچا ہے۔ دینی بھی اور سیاسی بھی۔ دینی اس لئے کہ حضرت تھانوی کے خلفاء میں اگرچہ بہت سی برگزیدہ ہستیاں ہیں مگر علم و عمل کا یہ مجموعہ کہاں؟ جو ہیں وہ آپ کے سامنے ہیں مرحوم میں سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ اسلاف کے علم و عمل میں پوری پوری کاپی ہونے کے باوجود وقت کے بدلتے ہوئے جدید تقاضوں سے بھی آشنا تھے۔ اب ہمارے پاس جو کچھ سرمایہ ہے وہ سب قدیم راہوں سے پورے پورے آشنا ہیں۔ مگر نئی راہوں سے ناآشنا۔

چاہے آپ برا مانیں مگر بات سچی کی سب سے کہے بغیر رہا نہیں جاتا۔ مانئے یا نہ مانئے مگر سچ یہ ہے کہ مودودی صاحب میں یہ خوبی سوا لاکھ روپے کی ہے۔ یہ افسوس ضرور ہے کہ ہم نے ان کو تف تف کر کے اپنے سے بہت دور کر دیا ہے۔ فالی اللہ المشتکی۔

سیاسی نقصان اس لئے کہ شیخ الاسلام کے بعد پاکستان کا اقتدار اعلیٰ علمی طور پر ان سے کچھ جھجک کھاتا تھا۔ ان کے بعد کوئی ایسی شخصیت نظر نہیں آتی میری نگاہ میں تو کوئی جچتا نہیں آپ کا مجھے پتہ نہیں۔ لیکن یہ نہ سمجھنا کہ میں اپنی جماعتی زندگی کے بارے میں کچھ مایوس ہو گیا ہوں۔ نہیں صاحب الحمد للہ اب بھی ہم ہی ہم ہیں۔ اقتدار کے گریبان پر ہاتھ ڈالنے والے ہم، اقتدار کو جھک کر سلام کرنے والے ہم، مغرب میں ہم، مشرق میں ہم، مدارس میں ہم، مساجد میں ہم، پلیٹ فارم پر ہم۔ پریس میں ہم۔

لیجئے اب تو پاکستان اسلامی جمہوریہ بن گیا ہے۔ اور تو اور باہر سے آنے والے خطوط کے سرناموں پر بھی یہی لکھا ہوتا ہے اور اب تو یہاں کوئی قانون خلاف قرآن وسنت نہ بنے گا اور اس پر طرہ یہ کہ ہر قانون کو خلاف قرآن وسنت کے بہانے فیڈرل کورٹ میں چیلنج بھی کیا جا سکے گا۔ سادے ہیں بیچارے مولوی

Marfat.com

اور بھول بھلیوں میں سے بیچاری اسلام اور قرآن کے نام پر خون دینے والی امت

مگر بڑے شاطر ہیں ارباب اقتدار اور بہت دور رس ہیں ان کی چیرہ دستیاں۔

لوگ خوش ہیں کہ اسلام کی زندگی کی کچھ نشانیاں نظر آنے لگی ہیں اور اقتدار انہیں بجا رہا ہے کہ قوم ناموں سے بہل گئی ہے۔ خدارا ہماری جدوجہد کا عقلی اور سیاسی تجزیہ تو کیجئے اور ان نتائج پر نگاہ تو ڈالئے جو آگے چل کر رونما ہونے والے ہیں اس حد تک میں بھی مانتا ہوں کہ ـــ اگر بالادستی کسی صالح قیادت کے ہاتھ میں چلی گئی۔ تو وہ اس سے کچھ اچھا فائدہ اٹھا سکتی ہے اور بس۔ لیکن اگر باگ ڈور انہیں کے ہاتھ میں رہی جو ...... پھر اس مملکت کی موجودہ اسلامیت کے مٹ جانے کا یقین ہے اور بالآخر مصر اور عراق جیسی حالت رونما ہو جائے گی۔ آخر وہاں بھی تو دستوری پوزیشن یہی ہے۔

دنیا پر ایک نگاہ ڈالئے۔ دنیا کو چھوڑیئے کامن ویلتھ کو دیکھ لیجئے ان سب ممالک کی تقریباً دستوری پوزیشن پاکستان کی دستوری پوزیشن سے مختلف نہیں ہے۔ ان میں کتنے ملک ہیں جن کے دستور میں مملکت کے مذہب اور سربراہِ مملکت کا مذہبی مقام مقرر ہے۔ ایران ہو یا عراق۔ افغانستان ہو یا مصر۔ سب کا حال یہی ہے۔ عراق کے دستور میں تو یہاں تک ہے کہ کوئی قدم خلافِ اسلام نہ اٹھایا جائے گا۔ ہندوستانی دستور میں لامذہبیت کیسی بڑی چیز ہے مگر سب جگہ عمل کی دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ سب جانتے ہیں ـــ صرف کاغذی دستاویز کسی انقلابی اور اصلاحی حالت کی ہرگز ہرگز گارنٹی نہیں ہے۔ اگر صرف کاغذی مسودوں اور دستوری سفارشوں سے کام چلتا ہوتا اور بگڑی حالتیں ٹھیک ہو جاتیں تو خدا کی مرضی کے نمائندے ایک لاکھ چوبیس ہزار اور کتابیں چار نہ ہوتیں۔ معاملہ برعکس ہوتا ـــ بگڑی ہوئی امتیں دفعات اور قراردادوں سے نہیں بلکہ ما بانفسہم کو

Marfat.com

تبدیل کرنے سے سنورتی ہیں۔ ما بانفسھم پر نظر ڈالئے اور پھر ما بقوم کو دیکھئے۔ غور تو کیجئے کہ ـــ جس قرارداد کو خالصتہً مستقبل میں اسلامی حیات کا پیغام سمجھا جا رہا ہے۔ وہ ہے کیا؟ یہی نا کہ ـــ کوئی قانون ساز ادارہ قرآن و سنت کے خلاف قانون نہ بنائے گا۔

برادر! اس کا تعلق صوبائی قانون ساز اداروں کے مستقبل سے ہے [illegible]ل کے متعلق خاموش ہے۔ نہ بنائے گا۔ ٹھیک ہے۔ مگر جو بنی ہوئی چیز فی الوقت رائج ہے۔ اس کا مقام کیا ہے؟ کیا اس وقت صوبائی قانون ساز اداروں کی راہ سے جو کچھ قوانین رائج ہیں وہ کسی وقت کالعدم ہو جائیں گے؟ ہرگز نہیں۔ اور کیا ان کو بھی قرآن وسنت کی مخالفت کے نام پر فیڈرل کورٹ میں چیلنج کیا جا سکے گا؟ ہرگز نہیں۔ شائد اسی لئے وزیر قانون مطمئن ہیں اور بڑے اطمینان سے فرماتے ہیں کہ "ایسی صورت بہت ہی کم پیش آئے گی۔ مگر میں کہتا ہوں بہت کم کیا شائد پیش ہی نہ آئے گی۔ اچھا ختم کرتا ہوں۔ لیجئے۔

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ'

بنام جناب علامہ خالد محمود صاحب پروفیسر سیالکوٹ

ڈسٹرکٹ جیل سیالکوٹ

۱۵ر جنوری ۱۹۵۴ء

انبیاء کی ھدایت میں عقائد، اعمال اور اخلاق کی اصلاح اور اسلام میں ان کے مدارس، اسلام ایک جاندار وجود ہے عقائد اس کا دماغ، اعمال اس کے اعضاء و جوارح، اور اخلاق اس کا قلب ہیں۔ پورے جسم میں شارع کی نظر اہمیت قلب کو حاصل ہے۔ قلب اگر صحیح ہو تو کٹے ہوئے اعضاء سے بھی کام ہو جاتا ہے، جیسے جسم کی تندرستی کے لئے صحیح خوراک ضروری ہے۔ ایسے ہی اسلام کے جسم کے لئے بھی امر بالمعروف اور دعوت الی اللہ کی غذا ضروری ہے، اسلام کی صحت کی خاطر جو کام انبیاء کرتے تھے۔ قرآن میں اسی کو امت کا فریضہ قرار دیا ہے یہ امت کے فرائض بھی ہیں، خصائص بھی ہیں اور اسی کے نتیجے میں یہ امت خیر امت ہے۔ نبوت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی عظمت شان، سینۂ قرآن سے ابلا ہوا چشمۂ ہدایت ہے۔

محبی فی اللہ ڈاکٹر صاحب السلام علیکم!

جی چاہتا ہے کہ اس وقت آپ سے کچھ کہوں - لیجئے سنیئے!

انبیاء ترجمان غیب ہوتے ہیں۔ جو کاسۂ ہدایت لے کر آتے ہیں اس میں تین چیزیں اصلی اور بنیادی ہیں۔

۱۔ مبدء و معاد اور مجازات کے متعلق عقائد کی درستگی۔

۲۔ طاعات میں سنت کے موافق عمل کی درستگی

۳۔ اخلاق اور ملکات میں اخلاص و احسان کی نشو ونما

پہلے مقصد کی جن لوگوں نے بطور فن خدمت کی ہے ان کو متکلمین کہتے

ہیں اور فن کا نام الٰہیات یا کلام ہے۔ اشاعرہ، ماتریدیہ، اہل السنت میں اسی فن پر فکر و نظر کے مکاتب ہیں۔ اور ان کے امام ابوالحسن اشعری اور امام منصور ماتریدی ہیں۔

دوسرے مقصد کو جن لوگوں نے بطورِ فن اپنایا ہے ان کو فقہاء کہتے ہیں اور فن کا نام فقہ ہے۔ شوافع، احناف، موالک اور حنابلہ وغیرہ اسی فن میں مدارس کے نام ہیں۔

تیسرے مقصد کی جن لوگوں نے خدمات انجام دی ہیں ان کو عرفاء اور صوفیاء کہتے ہیں اور جس فن میں یہ خدمات انجام دی گئی ہیں اس کا نام اخلاق و تصوف ہے۔ قادری، چشتی، سہروردی اور نقشبندی اس کے مدارس ہیں۔

اس طرح اسلام صرف ایک عقیدہ نہیں ہے۔ نہ وہ چند اعمال اور رسوم کا مجموعہ ہے بلکہ وہ انسان کی پوری زندگی کے لئے ایک مفصل اسکیم ہے۔ اس میں عقائد، اعمال اور اخلاق الگ الگ چیزیں نہیں۔ تینوں مل کر ایک ناقابلِ تقسیم مجموعہ بنتے ہیں جس کے اجزاء میں باہم اسی طرح پیوند ہے جیسا کہ زندہ جسم کے اعضاء میں ہوتا ہے۔

عقائد اس کا دماغ، عبادات و اعمال اس کے جوارح اور توائم ہیں جن کے بل بوتے پر وہ کھڑا ہوتا ہے اور کام کرتا ہے۔ معیشت، معاشرت، سیاست اور نظم کے وہ تمام اصول جو زندگی کے لئے اسلام نے پیش کئے ہیں۔ اسکے لئے معدے اور جگر کا کام دیتے ہیں۔ اس کو صحیح و سالم آنکھوں اور بے عیب کانوں کی ضرورت ہے۔ اخلاق و ملکات اس کا قلب ہیں۔

اس پورے نظام میں اصلی اہمیت قلب کی ہے۔ اس کی ہمت تمام اعضاء و جوارح کو طاقت بخشتی ہے۔ اعضاء و جوارح اگر و بیشتر کٹ بھی جائیں یا خراب ہو جائیں تو اکیلا قلب تھوڑے بچے کھچے خستہ و بیمار اعضاء کے ساتھ بھی زندگی کے کچھ سانس لے

ہے۔ لیکن دل کی اگر حرکت بند ہو جائے تو دماغ اور جوارح اچھے بھلے ہونے کے باوجود کالعدم ہیں۔ زندگی کا بقا دل سے وابستہ ہے۔ جسم کی تندرستی کے لئے جہاں یہ ضروری ہے کہ ذاتی طور پر اس میں کہیں کمی نہ ہو ویسے ہی اس کی تندرستی کی نشوونما اور بقا کے لئے یہ بھی ناگزیر ہے کہ اسے خوراک صحیح ملتی رہے۔ آب و ہوا موافق ہو خوراک اگر غلط ہو تو کوئی جسم بھی اعضاء کی تندرستیوں کے باوجود بقائے صحت کی مہم میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔

اسلامی جسم کی اسی ضرورت کو وحی نے امر بالمعروف، نہی عن المنکر، اور دعوت کہہ کر پکارا ہے۔ فضائیں پیدا کرنے، ہواؤں کا رخ ٹھیک کرنے، پودوں میں بقدر ضرورت پانی دینے، توانائی کرنے، غذائی مواد تلاش کرنے، وقت کی مزاجی موافقت سے اس میں ترکیبی عمل قائم کرنے اور اس کی خاطر جان کو جوکھوں میں ڈالنے اور تج کرنے کا نام ہی امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور دعوت ہے۔ فضائیں اگر گندی ہوں اور ہواؤں میں جراثیم پھیلے ہوئے ہوں تو نہ صرف ایک آدمی کو جان کا خطرہ ہوتا ہے بلکہ یہی کبھی وباؤں کا پیش خیمہ بن جاتا ہے۔

پہلے اسلام کی صحت کی خاطر یہ کام انبیاء کرتے تھے۔ سب انبیاء نے تکلیفیں اٹھا اٹھا کر، بھوکوں رہ رہ کر، فضاؤں کو ٹھیک کرنے اور ہواؤں کا رخ بدلنے کی جان توڑ کوششیں کی ہیں۔

قرآن میں جو نبیوں کے تذکرے ہیں، قصے ہیں اور واقعات ہیں ان سے یہی پتہ چلتا ہے لیکن اللہ جل شانہ نے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ و سلم کی امت کو یہ بزرگی دی ہے کہ نبیوں کا کام اس کے سپرد کر دیا۔ صرف سپرد نہیں بلکہ اس کو امت کی خیریت کا مبنیٰ قرار دیا۔

Marfat.com

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ

تم ہو بہتر سب امتوں سے جو بھیجی گئی عالم میں حکم کرتے ہو اچھے کاموں کا اور منع کرتے ہو بُرے کاموں سے اور ایمان لاتے ہو اللہ پر۔

اور کارِ نبوت جس امت کے سپرد ہوا ہے اس امت کے خصائص کا جو نقشہ قرآن میں ہے وہ انبیاء سے ملتا جلتا ہے۔ بتانا یہ چاہتا ہوں کہ صرف کام ہی سپرد نہیں ہوا ہے۔ بلکہ خصائص بھی اس امت کو نبیوں والے ارزاں ہوئے ہیں۔ اور ترقی کر کے کہتا ہوں کہ صرف خصائص ہی نہیں بلکہ اس امت کے فرائض بھی نبیوں جیسے بتائے گئے ہیں۔ کیا کہنے ہیں اس نبی کی عظمتِ شان کے جس کی نبوت دنیا میں اجتماعی بعثت کا سامان بن کر آئی ہو۔ نبی تو مبعوث ہی ہوتے ہیں لیکن یہاں تو پوری امت مبعوث ہوئی اور اس شان سے مبعوث ہوئی کہ وہ تمام منصب اور فرائض جو نبی انفرادی طور پر لیکر آتے رہے ہیں یہ امت اجتماعی طور پر لیکر آئی ہے۔ بات لمبی ہو جائے گی ورنہ کھول کر بتاتا کہ اس موضوع پر سینۂ قرآن سے ابلا ہوا چشمہ ہدایت کیا ہے۔

مجملاً یہ کہ قرآن نے ہدایت، شہادت، دعوت، امر بالمعروف، نہی عن المنکر تلاوت، تبلیغ، تعلیم جو باتیں نبوت سے متعلق فرمائی ہیں۔ وہ سب کی سب وصف اور فرض کے درجے میں اس امت کے لئے بھی بولی ہیں۔ قرآن نے امت کو ان فرائض کی بجاآوری کے لئے جو واضح پالیسی دی تھی وہ قرآن ہی کے لفظوں میں یہ تھی۔

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ۔

Marfat.com

اور چاہیئے کہ رہے تم میں ایک جماعت ایسی جو بلاتی رہے نیک
کام کی طرف۔ اور حکم کرتی رہے اچھے کاموں کا اور منع کریں بُرائی
سے اور وہی پہنچے اپنی مراد کو۔

یعنی اسلامی نظام، اسلامی حیات، اسلامی معاشرت، اسلامی تمدن اسلامی تہذیب، اسلامی مواخات اور اعتصام بحبل اللہ اسی وقت قائم رہ سکتا ہے، اس وقت نشوونما پاسکتا ہے جب کہ مسلمانوں میں ایک جماعت خاص دعوت اور امر بالمعروف کا کام کر رہی ہو۔ قرنِ اوّل ہی سے مسلمانوں نے اللہ جل شانہٗ کے حکم کو سن کر پلے گرہ لگالی تھی۔ صحابہ نے خود یہ کام ذاتِ نبوت کو کرتے دیکھا تھا۔ دین اسی سے پھیلا اور پھولا تھا۔ اسی لحاظ خلافت قائم ہوئی تھی اور اسی کے لئے دعاۃ روانہ ہوتے تھے۔ مقصد تو یہی تھا کہ اسلام کو مزاج کے موافق خوراک اور اچھی آب و ہوا ملتی رہے۔ تاکہ دیر تک اس کی تندرستی قائم رہے۔ پہلے پہل تو یہ کام ایک ہی جگہ چلا لیکن کچھ دنوں بعد یہ کام تقسیم ہو گیا — کچھ نے جہاد، عدالت اور شہری انتظام کیا۔ یہ خلافتِ ظاہرہ کہلاتی ہے اور کچھ نے کتاب الٰہی اور سنت کی تعلیم، انوارِ باطن کے ذریعے لوگوں کے اخلاق کا تزکیہ شروع کر دیا۔ یہ خلافتِ باطنہ ہوئی۔ خلافتِ ظاہرہ والوں کو "ملوک" اور خلافتِ باطنہ والوں کو "علماء" کہا گیا۔ آگے چل کر پھر تقسیم کا بر چھا چلا۔ کچھ لوگوں نے صرف کتاب و سنت کی تعلیمی سرگرمیاں قائم رکھیں اور کچھ نے صرف انوارِ باطن کے ذریعہ اخلاقی تزکیہ کا کام کیا۔ پہلے علماء اور موالی کے نام سے مشہور رہے اور دوسروں نے صوفیاء کا لقب پایا۔

اچھا لیجئے رخصت ہوتا ہوں۔ اب کافی وقت ہو چلا ہے۔ اگرچہ

بات ناتمام ہے ۔ اور کیا کہوں اور آہ کیا کہوں ۔ خوش نصیب ہیں آپ ۔ منہ سہ

دل کو ہمیں تڑپنے میں جن ہیں ملتی ہے لذت
یوں آپ کی شمشیر کے بسمل تو بہت ہیں

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بنام ڈاکٹر محمد ادریس صاحب محلہ کالج روڈ سیالکوٹ ۔

ڈسٹرکٹ جیل سیالکوٹ

۱۰ جنوری ۱۹۵۷ء

دنیا میں مسلمان کی حیثیت ایک نسب یا وطن کے نام پر بنی ہوئی قوم کی نہیں ہے۔ ماننے کو اسلام، نہ ماننے کو کفر اور مان کر چھوڑ دینے کو ارتداد کہتے ہیں۔ قرآن کی چند اصولی اور قانونی ہدایات انفرادی اور اجتماعی ارتداد کا قرآن میں ذکر۔ ایمان کے بعد ایمان سے گریز پائی اختیار کرنے والا ظالم اور ملعون ہے۔ قرآن میں ملعون کی سزا۔ مرتد کے حربی ہونے کا فیصلہ فقہاء نے محاربون اللہ و رسولہ سے استنباط کیا ہے اسلام کی بنیادی خصوصیت۔ جیسے ایک نبی کا نبی ہونے سے انکار کفر ہے، ایسے ہی کسی غیر نبی کو نبی ماننا بھی کفر ہے۔ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم اللہ کی مرضی کے آخری نمائندے ہیں۔ اس کا انکار قرآن وسنت کی کھلم کھلا بغاوت ہے

خواجہ صاحب! السلام علیکم

اسلام صرف چند سطحی رسموں کا نام نہیں۔ بلکہ اسلام نام ہے ایک جامع تہذیب، کامل تمدن اور مکمل نظام زندگی کا۔ اس کی حیثیت نہ اوطان کے نام پر پیدا شدہ نسبتوں کی ہے جیسے کہ ایک لاہوری، ایک پنجابی اور ایک پاکستانی۔ بہرحال پاکستانی، پنجابی اور لاہوری ہے خواہ اس کی زندگی کچھ ہو اور نہ آباء اور خاندانوں کے نام پر بنائے ہوئے دائروں کی ہے جیسے شیخ، سید، فاروقی، راجپوت وغیرہ۔ شیخ بہرحال شیخزادہ ہے چاہے .. اپنے کردار، اور اپنی گفتار میں اخلاق کے معیار سے کتنا ہی گرا ہوا ہو۔ نہ زنا اس کی نجابت اور شیخی پر بٹہ لگاتا ہے اور نہ شراب نوشی اس کے لئے عیب ہے

شرک، کفر، فسق، فجور اور اخلاق کی ساری آلائشوں کے باوجود وہ پنجابی، پاکستانی اور شیخ زادہ ہے۔

مسلمان کی حیثیت یہ نہیں ہے۔ بلکہ اس کا اصلی اعتباری اور اضافی مقام ان نسبتوں سے ملتا جلتا ہے جن کی عمارتیں ناموں کی بنیاد پر نہیں بلکہ کاموں کی بنیاد پر اٹھتی ہیں۔ جیسے ڈاکٹر، حکیم، حلوائی۔ ڈاکٹر اس وقت تک ڈاکٹر ہے اور حلوائی اس وقت تک حلوائی ہے جب تک وہ ڈاکٹر اور حلوائی کا کام جانتا اور کرتا ہے۔ ڈاکٹر کا بیٹا ڈاکٹر اور حلوائی کا بیٹا حلوائی نہیں ہے یہی حال مسلمان کا ہے اگر اسلام کو مانتا اور جانتا ہے تو مسلمان ہے، اور اگر نہ جانتا اور نہ مانتا ہے تو مسلمان نہیں ہے۔ جیسے ایک نیشنلسٹ اور سوشلسٹ اس وقت تک نیشنلسٹ اور سوشلسٹ ہے جب تک کہ نیشنلزم اور سوشلزم کو مانتا ہے۔ اسی طرح ایک مسلمان اس وقت مسلمان ہے جب کہ اسلام کو مانتا ہے نہ ماننے والوں کو مسلمان نہیں بلکہ کافر کہتے ہیں اور اسلام کو مان کر چھوڑ دینے والوں کو مرتد اور اس کے عمل کو ارتداد کہتے ہیں۔

قرآن حکیم میں ارتداد کا بھی اسی جگہ تذکرہ ہے جہاں اس نے اسلام کا پیمانہ بتایا ہے۔ قرآن حکیم میں ہے۔

كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ وَشَهِدُوا أَنَّ الرَّسُولَ حَقٌّ وَجَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ أُولَٰئِكَ جَزَاؤُهُمْ أَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ خَالِدِينَ فِيهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ وَأَصْلَحُوا فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ

کیونکر راہ دے گا اللہ ایسے لوگوں کو کہ کافر ہو گئے ایمان لا کر اور

گواہی دے کر کہ بے شک رسول سچا ہے اور آئیں ان کے
پاس نشانیاں روشن اور اللہ نہیں راہ دیتا ظالم لوگوں کو۔
ایسے لوگوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر لعنت ہے اللہ کی اور فرشتوں
کی اور لوگوں کی سب کی، ہمیشہ رہیں گے اس میں نہ ہلکا ہوگا
ان سے عذاب اور نہ ان کو فرصت ملے۔ مگر جنہوں نے توبہ
کی اس کے بعد اور نیک کام کئے تو بے شک اللہ غفور
رحیم ہے۔

ان آیات سے چند اصولی اور قانونی باتوں کا پتہ چلتا ہے۔

الف۔ ایمان کے بعد کفر اختیار کرنا ظلم اور اختیار کرنے والا
ظالم ہے۔

ب۔ ایمان کے بعد کفر اختیار کرنے والا نہ صرف اللہ اور اس
کے فرشتوں کی رحمت سے دور ہوتا ہے بلکہ [redacted] انسانی سوسائٹی میں
انسانی رحم وکرم سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔

ج۔ اس کے لئے توبہ اور واپسی کا دروازہ کھلا ہوا ہے اصلاح
حال کرے تو ماضی کی فروگذاشتیں اللہ کے یہاں کالعدم ہو سکتی
ہیں۔

ایک اور جگہ ارتداد کے تذکرے میں ہے۔

وَمَنْ يَرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولَٰئِكَ
حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ
هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝

اور جو کوئی پھرے تم میں سے اپنے دین سے پھر مر جاوے

حالتِ کفر ہی میں تو ایسوں کے ضائع ہوئے عمل دنیا اور آخرت میں۔ اور وہ لوگ رہنے والے ہیں دوزخ میں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

اس آیت سے معلوم ہوا ہے کہ۔

الف:۔ ایمان کے بعد کفر اختیار کرنے سے نہ صرف آخرت میں بلکہ اس دنیا میں حبط اعمال ہو جاتا ہے۔

ب:۔ آخرت میں یہ شخص نہ صرف اصحاب النار میں سے ہے بلکہ وہاں اس کا مقام خلود ہے۔

ج:۔ حبط اعمال یعنی ایک مسلم ہونے کی حیثیت میں اس کے کئے ہوئے سارے اعمال حرف غلط ہو گئے۔ نہ مسلمان عورت سے اس کا نکاح باقی ہے نہ مسلمانوں کی وراثت میں اس کا کوئی حصہ ہے۔

ایک اور مقام پر اجتماعی ارتداد کا ذکر اس طرح کیا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَن يَرْتَدَّ مِنكُمْ عَن دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ

اے ایمان والو! جو کوئی تم میں پھرے گا اپنے دین سے تو اللہ عنقریب لاوے گا ایسی قوم کو کہ اللہ ان کو چاہتا ہے اور وہ اس کو چاہتے ہیں۔ نرم دل ہیں مسلمانوں پر زبردست ہیں کافروں پر لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں اور ڈرتے نہیں کسی کے الزام سے۔ یہ فضل ہے اللہ کا دے گا جس کو چاہے اور اللہ کشائش

Marfat.com

والا ہے خبردار!

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ارتداد کے دائرے میں مسلمان کے فرائض یہ ہیں کہ۔

الف:۔ مرتد ہونے والے شخص سے نہیں بلکہ خود دین سے پیار کرے۔

ب۔ اس کا مقابلہ تن کر کرے اور اس معاملے میں کسی رحم وکرم کو درمیان میں نہ آنے دے۔

ج۔ اس سے مقابلہ میں سرتوڑ سرتن کی بازی لگا دے اپنے کو تج کر دے۔

د۔ ملامت گروں کی کوئی ملامت اور طعنہ زنوں کا کوئی طعنہ اس راہ میں مزاحم نہ ہو۔

ه۔ سب اس سے رفاقت کے انفرادی اور اجتماعی تعلقات توڑ لیں۔

ایک جگہ ارشاد ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ فَمَنْ نَكَثَ فَإِنَّمَا يَنْكُثُ عَلَىٰ نَفْسِهِ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللَّهَ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا۔

تحقیق جو لوگ بیعت کرتے ہیں تجھ سے وہ بیعت کرتے ہیں اللہ سے۔ اللہ کا ہاتھ ہے اوپر ان کے ہاتھ کے پھر جو کوئی قول توڑے سو توڑتا ہے اپنے نقصان کو اور جو کوئی پورا کرے اس چیز کو جس پر اقرار کیا اللہ سے تو وہ اس کو دے گا بدلہ بہت بڑا۔

یعنی بیعت ایمان کے وقت جو قول و اقرار کیا گیا اگر اسے توڑے گا۔ تو اس کے نقصان کا خود ذمہ دار ہے۔ اسی موضوع پر ایک اور مقام

Marfat.com

پر ہے:-

فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَآتَوُا الزَّكٰوةَ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَنُفَصِّلُ الْاٰيَاتِ
لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ وَإِنْ نَّكَثُوْا أَيْمَانَهُمْ مِنْ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا
فِي دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْا أَئِمَّةَ الْكُفْرِ إِنَّهُمْ لَا أَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ
يَنْتَهُوْنَ - أَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْا أَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِإِخْرَاجِ
الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ أَتَخْشَوْنَهُمْ فَاللّٰهُ أَحَقُّ أَنْ
تَخْشَوْهُ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ. قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِأَيْدِيْكُمْ
وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ
وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ
عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ -

سو اگر توبہ کریں اور قائم رکھیں نماز اور دیتے رہیں زکوٰۃ تو تمہارے بھائی ہیں حکم شریعت میں اور ہم کھول کر بیان کرتے ہیں حکموں کو جاننے والے لوگوں کے واسطے ۔ اور اگر وہ توڑ دیں اپنی قسمیں عہد کرنے کے بعد اور عیب لگائیں تمہارے دین میں تو لڑو کفر کے سرداروں سے بیشک ان کی قسمیں کچھ نہیں تاکہ وہ باز آئیں۔ کیا نہیں لڑتے ایسے لوگوں سے جو توڑیں اپنی قسمیں اور فکر میں رہیں کہ رسول کو نکال دیں اور انہوں نے پہلے چھیڑ کی تم سے۔ کیا ان سے ڈرتے ہو سو اللہ کا ڈر چاہیئے تم کو زیادہ اگر تم ایمان رکھتے ہو۔ لڑو ان سے تا عذاب دے اللہ ان کو تمہارے ہاتھوں اور رسوا کرے اور تم کو ان پر غالب کرے اور ٹھنڈے کرے دل مسلمان لوگوں کے اور نکالے ان کے دل کی جلن اور

Marfat.com

اللہ توبہ نصیب کرے گا جس کو چاہے گا اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے۔

ان گرامی قدر آیات سے صاف پتہ چلتا ہے کہ دینی اخوت کا اصل اور بنیادی معیار اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ غیر اسلام سے توبہ کر کے اسلامی زندگی کے دو محسوس اور مرئی عمل کے پیمانوں کو اپنا لیں یعنی نماز اور زکوٰۃ۔ اور عہد کے بعد نکث کریں اور دین پر عیبوں کے دھبے لگائیں تو یہ ائمۂ کفر و ضلالت ہیں۔ ان سے قتال ناگزیر ہے۔

مجموعی حیثیت سے ان سب آیات پر ذہن کو خالی کر کے غور فرمائیے اور دیکھئے کہ روح قرآن کیا ہے؟ اور ناموس وحی سراب ضلالت میں بھٹکتی ہوئی دنیا کو کس طرف لے جا رہا ہے؟ دوسروں کا پتہ نہیں مگر میں اپنی جگہ جو کچھ محسوس کر رہا ہوں وہ یہ ہے کہ

> ایمان کو اپنا لینے کے بعد ایمان سے گریز پائی اختیار کرنے والوں کے متعلق قرآن حکیم کی راہنمائی یہ ہے کہ وہ ظالم ہے، ملعون ہے، دنیا اور آخرت میں اس کی ساری عملی زندگی حرف غلط ہے۔ اس کے مقابلے میں تنہا جان کو جوکھوں میں ڈال کر اس کا مقابلہ کرنا ایمان کا ناگزیر تقاضا ہے۔ ناکث اور اس نکث کے نقصان کا ذمہ دار ہے۔ ناکثین اگر اجتماعی صورت میں ہوں تو قتال واجب ہے۔

اور ارتداد ہی کی ایک قسم وہ ہے کہ اللہ اور رسول کی ایذا جس کے عناصر ترکیبی ہوتے ہیں۔ قرآن ہی میں سورۂ احزاب میں ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَ

الاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا

جو لوگ ستاتے ہیں اللہ کو اور اس کے رسول کو۔ ان کو پھٹکارا اللہ نے دنیا میں اور آخرت میں اور تیار رکھا ہے ان کے واسطے ذلت کا عذاب۔

رحمت حق سے دوری اور اس دنیا میں انسانی رحم وکرم سے محرومی کو قرآن میں کہیں لَعْنَۃُ اللّٰہِ وَالْمَلٰٓئِکَۃِ وَالنَّاسِ سے اور کسی جگہ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ سے تعبیر فرمایا ہے۔ بات ایک ہے مگر انداز بیان مختلف ہے۔

ملعون کے بارے میں قرآن نے جو ضابطہ بیان کیا ہے بلاشبہ مرتد اس میں داخل ہے مرتد کی ملعونیت پر قرآن کی سب سے بڑی شہادت یہ ہے۔

اُولٰٓئِکَ عَلَیْھِمْ لَعْنَۃُ اللّٰہِ وَالْمَلٰٓئِکَۃِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ

ان ہی پر لعنت ہے اللہ کی اور فرشتوں کی اور لوگوں کی سب کی

لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَاَعَدَّ لَھُمْ عَذَابًا مُّھِیْنًا

پھٹکارا ہے ان کو اللہ نے دنیا میں اور آخرت میں اور تیار رکھا ہے ان کے واسطے ذلت کا عذاب

اور ملعون کے متعلق قرآن نے جو ضابطہ بتایا ہے

مَلْعُوْنِیْنَ اَیْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِیْلًا

پھٹکارے ہوئے جہاں پائے گئے پکڑے گئے اور مارے گئے جان سے۔

Marfat.com

قرآن ملعون کو سوسائٹی کے لئے جس قدر خطرناک سمجھتا ہے اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ وہ ملعون کے لئے صرف قتل ہی کو نہیں کہتا بلکہ اس کا مطالبہ بوٹیاں کر دینے کا ہے۔ جن لوگوں کو عربی زبان کے اسالیب سے تھوڑی سی واقفیت ہے وہ جانتے ہیں کہ قتل اور تقتیل میں کیا فرق ہے؟

قاتلِ مومن کے لئے صرف یہ الفاظ بولے جاتے ہیں:۔

مَنْ یَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِیْهَا وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِیْمًا

اور جو کوئی قتل کرے مسلمان کو جان کر تو اس کی سزا دوزخ ہے پڑا رہے گا اسی میں اور اللہ کا اس پر غضب ہوا اور اس کو لعنت کی اور اس کے واسطے تیار کیا بڑا عذاب۔

شرعاً اسی ملعونیت کی بنا پر اس کا قتل واجب ہے اور مقتول کے ولی کا قرآن نے یہ قانونی حق بیان کیا ہے۔

وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِیِّهٖ سُلْطَانًا فَلَا یُسْرِفْ فِّی الْقَتْلِ

اور جو مارا گیا ظلم سے تو دیا ہم نے اس کے وارث کو زور سو حد سے نہ نکل جائے قتل کرنے میں۔

اس کے علاوہ قرآن حکیم کا پڑھنے والا طالب علم یہ بات بخوبی جانتا ہے کہ ارتداد کی چادر اوڑھنے والا شخص اپنے عقائد، گفتار اور کردار سے اللہ اور اس کے رسول کے خلاف اعلانِ جنگ کرتا ہے۔ اسی معنوی حالت کو قرآن کی زبان میں مشاقہ اور محادہ کہتے ہیں اور یہی میدانِ

Marfat.com

عمل میں جب رونما ہو تو محاربہ کہلاتی ہے۔ قرآن نے اللہ اور رسول سے محاربہ کرنے والوں کی جو سزا تجویز کی ہے وہ سورۂ مائدہ میں موجود ہے۔

إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ذَٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ قَبْلِ أَنْ تَقْدِرُوا عَلَيْهِمْ فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ

یہی سزا ہے ان کی جو لڑائی کرتے ہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے اور دوڑتے ہیں ملک میں فساد کرنے کو کہ ان کو قتل کیا جائے یا سولی چڑھائے جاویں یا کاٹے جاویں ان کے ہاتھ، اور پاؤں مخالف جانب سے یا دور کر دیئے جاویں اس جگہ سے یہ ان کی رسوائی ہے دنیا میں اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے۔ مگر جنہوں نے توبہ کی تمہارے قابو پانے سے پہلے تو جان لو کہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

بدامنی پھیلانا، فساد کرنا ایسے الفاظ ہیں جن سے کفار کے حملے رہزنی، ڈکیتی، ناحق قتل، لوٹ مار، شہری زندگی کی سب مجرمانہ سازشیں داخل ہو سکتی ہیں۔ لیکن اللہ اور رسول سے محاربہ کا مدلول ارتداد کے سوا کوئی نہیں ہے اس لئے اس آیت سے نہ صرف عموم میں مرتد کی سزا کا ذکر ہے بلکہ یحاربون اللہ ورسولہ کا منطوق ہی ارتداد ہے اور اس کے معنی میں مرتد کے سوا کسی اور چیز کو رکھنا منہ کے مزے کو بگاڑ دینے کے مترادف ہے۔ شاید فقہاء نے جو مرتد کے حربی ہونے کا فیصلہ کیا ہے

Marfat.com

اس کا پس منظر قرآن حکیم کی یہی آیت ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ قرآن حکیم سوسائٹی میں مومن ہونے کے بعد ایمان سے گریز پائی کو کسی درجے اور کسی مرحلے پر بھی برداشت نہیں کرتا۔ غضب اور عذاب عظیم کو اس ناپاک طرزِ عمل کا ناگزیر نتیجہ قرار دیتا ہے۔

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ

جو کوئی منکر ہوا اللہ سے یقین لانے کے پیچھے مگر وہ نہیں جس پر زبردستی کی گئی اور اس کا دل برقرار ہے ایمان پر اور لیکن جو کوئی دل کھول کر منکر ہوا سو ان پر غضب ہے اللہ کا اور ان کو بڑا عذاب ہے۔

قاتل مومن کے قرآن نے جو اوصاف ذکر کئے ہیں غضب، لعنت، اور عذاب عظیم۔ اور ان اوصاف کی بنیاد پر اس کی سزا اگر قتل ہی تجویز کی گئی ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ مرتد کی سزا قتل نہ ہو جبکہ مرتد کے متعلق قرآن کے منہ بولے اوصاف وہی ہیں جو قاتل مومن کے لیعنی غضب، لعنت اور عذاب عظیم ——— اور پھر جس طرح قاتل مومن کی سزا قرآن میں الگ بیان نہیں کی گئی بلکہ اسے كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى کے عموم میں داخل کیا گیا ہے۔ اسی طرح کیوں نہیں مانا جاتا کہ مرتد کی سزا اگرچہ خصوصاً نام لے کر بیان نہیں ہوئی بلکہ اسے بھی یحاربون اللہ و رسولہ کے عموم میں داخل کر لیا گیا ہے۔

اصول کا طالب علم جانتا ہے کہ اوصاف علت کے درجے میں ہوتے

Marfat.com

ہیں۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک جگہ تو لعنت، غضب اور عذاب عظیم سے قاتل مومن کے لئے قتل کی سزا مقرر ہو جائے اور دوسری جگہ وہی اوصاف موجود ہوں مگر ان کو علت بنا کر معلول مقرر کرتے ہوئے بدن پر کپکپی طاری ہو جائے۔

یہ تو قرآن کی ان دستوری سفارشات میں سے ہے جس کو ہر مکتب فکر کے اساتذہ آغازِ اسلام سے اب تک مانتے آئے ہیں۔ کیا آپ جرأت سے خلافِ قرآن یہ کہنے کو تیار ہیں کہ ایمان سے گریز پائی اختیار کرنے والا ملعون، مغضوب علیہ اور معذّب بعذاب عظیم نہیں ہے؟ اگر ہے اور یقیناً ہے تو پھر اس سے پیدا شدہ نتائج کا انکار کیوں کیا جاتا ہے۔ کیا معانی وحقائق کی پامالی کے وقت میں الفاظ قابلِ اعتنا ہیں اور اللہ کے دین کے مقابلے میں اشخاص قابلِ رحم ہیں؟ قرآن نے تو زنا جیسی اخلاقی شناعت میں ایمان والوں سے مطالبہ کیا تھا اور امید باندھی تھی کہ اللہ پر یقین ہے تو اس کے حدود و احکام جاری کرنے میں کوئی پس و پیش نہ کرو۔ ایسا نہ ہو کہ مجرم پر ترس کھا کر سزا روک لو یا اس میں کمی کر لو یا سزا دینے کا ایسا غیر مؤثر طرز اختیار کرو کہ سزا سزا نہ رہے۔ قرآن میں ہے:۔

وَلَا تَأْخُذْكُم بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ۔

اور نہ آوے تم کو ان پر ترس اللہ کے حکم چلانے میں اگر تم یقین رکھتے ہو اللہ پر اور پچھلے دن پر۔

سزا کے اعتبار سے ارتداد بہرحال ارتداد ہے مگر ذات کے لحاظ سے اس میں کچھ درجات ہیں۔

Marfat.com

اسلام کی ایک بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ کسی بھی نبوت کا انکار نہ کیا جائے۔ بلا تفریق مکان و زمان حق کی روشنی کا جہاں بھی اور جس جگہ بھی چمکارا پڑا ہے اسے مانا جائے۔ کسی ایک پیغمبر کا انکار بھی سب نبوتوں کا انکار ہے اور یہ خدا اور رسول کے درمیان ناقابل معافی تفریق ہے۔ قرآن نے جس قوت کے ساتھ اس پر کفر کا فتویٰ لگایا ہے وہ قرآن ماننے والوں کے سامنے ہے ۔ وہ کہتا ہے۔

اولئک ھم الکافرون حقاً

ایسے لوگ ہی ہیں اصل کافر۔

اسلام کی یہی خصوصیت ہے جس سے قوموں، وطنوں، طبقوں، خاندانوں، اور شخصیوں سے نکل کر اسے بین الاقوامی مقام حاصل ہوا ہے۔ ذرا غور فرمایئے۔ کہ یہودی بننے کے لئے صرف یہی کافی نہیں ہے کہ حضرت موسیٰ کی نبوت کا اقرار کرے بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ حضرت عیسیٰ کا انکار کرے ۔ عیسائی ہونے کے لئے صرف یہی ضروری نہیں ہے کہ حضرت عیسیٰ کو مانے بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کا انکار کرے۔ برخلاف ایک مسلمان کے کہ اس کی روح نبوت کے باب میں انکار سے آشنا نہیں ہے اس کا نیشنل ماٹو یہ ہے کہ

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ

ہم جدائی نہیں کرتے کسی کے درمیان اسکے پیغمبروں میں سے۔

بالفاظ دیگر قرآن کے نزدیک ہر نبوت کا اقرار اسلام اور کسی ایک نبی کا انکار بھی پورے اسلام سے انحراف ہے۔ تصویر کا دوسرا رخ بھی سن لیجئے۔ کہ جیسے ایک نبی کا نبی ہوتے ہوئے انکار کفر ہے ٹھیک اسی طرح کسی غیر نبی کو نبی ماننا بھی کفر ہے۔ نبی نہ ہوتے ہوئے نبی کی ڈینگ مارنا سب سے بڑا ظلم ہے۔

Marfat.com

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ
شَيْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ

اور اس سے زیادہ ظالم کون جو باندھے اللہ پر بہتان یا کہے مجھ پر تو وحی اتری اور اس پر وحی نہیں اتری کچھ بھی اور جو کہے کہ میں بھی اتارتا ہوں مثل اس کے جو اللہ نے اتارا۔

اگر اسلام یہی ہے کہ کسی ایک نبی کا بھی انکار نہ کیا جائے تو فطرتاً یہ سوال خود بخود پیدا ہوتا ہے کہ جناب محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد اگر نبوت کا سلسلہ قائم رہے تو قرآن کا ایک مکمل ضابطہ حیات ہونے کی حیثیت میں اولین فرض یہ ہے کہ وہ اجرائے نبوت کے متعلق ایک واضح پالیسی کا اعلان کرے مگر قرآن پڑھنے والے جانتے ہیں کہ اس نے اس ادعاء کے باوجود کہ وہ حیات کا تکمیلی ضابطہ ہے اور اس اعلان کے باجود کہ ایک نبی کا انکار بھی اسلام سے علیحدگی ہے سارے قرآن میں کسی ایک جگہ بھی یہ بات کہ جناب محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت باقی ہے صراحتہً یا اشارۃً بیان نہیں کی۔ بلکہ اس کے برعکس توحید کے بعد پوری وضاحت اور پوری صفائی کے ساتھ دو باتوں کو پیش کیا ہے اور وہ یہ ہیں کہ۔

الف :۔ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت کافۃ للناس ہے۔ اور

ب :۔ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وجود کی گود میں خدا کی مرضی کے آخری نمائندے ہیں۔

اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ مسلمان ہوتے ہوئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی اور نبی کو ماننے کی گنجائش نہیں اور یہ ان ضروریات دین میں سے ہے جن کا انکار کفر اور قطعاً کفر ہے۔ اس کا انکار قرآن و سنت

کی کھلم کھلا بغاوت ہے اور پورے اسلام سے ارتداد ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ اسلام کو سب سے پہلے جس ارتداد سے سابقہ پڑا اور جس کے بندوبست کے لئے فوراً نبوت کے شیدا جناب ابوبکر صدیق رض کو خود میدان میں آنا پڑا۔ وہ اسی بنیاد پر اٹھا ہوا ارتداد تھا۔

خیر یہ تو ضمنی بات تھی، بتانا یہ چاہتا ہوں کہ ارتداد کی سزا قتل قرآن کا مطالبہ ہے، سنت کی پکار ہے اور صحابہ کرام کا اس پر عمل ہے۔

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ

بنام جناب خواجہ محمد مسیح صاحب، سیالکوٹ

اس تحریر کی تقریب یہ ہے کہ ایک روز صبح تقریباً گیارہ بجے خواجہ محمد مسیح صاحب اپنے دوسرے رفقاء کی معیت میں جیل وزیٹر کی حیثیت سے تشریف لائے۔ پاس بیٹھ گئے اور مجھ سے یوں مخاطب ہوئے کہ مولانا! قرآن میں تو مرتد کی سزا کا ذکر نہیں ہے اس وقت کی گفتگو تو آئی گئی ہوگئی مگر رات کو سوتے وقت نہاں خانۂ دماغ میں خواجہ صاحب کی بات چٹکیاں لیتی رہی۔ اٹھا اور سب اچھا کی فضا میں بیٹھا تنہا لکھتا رہا۔

Marfat.com

ڈسٹرکٹ جیل سیالکوٹ

۲۲ جنوری ۱۹۵۲ء

معجزہ اگر دلیل نبوت ہے تو دلیل اور مدلول میں مطابقت۔ علمائے کرام کی بتائی ہوئی ایک سے زیادہ راہیں، معجزہ کے دلیل نبوت ہونے پر ایک مثال، معجزہ کے دلیل نبوت ہونے پر مشہور اہل حدیث مولانا محمد حسین بٹالوی کے نام شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کا خط۔ اثبات نبوت کے لئے صرف معجزہ ہی نہیں بلکہ اور بھی پیمانے ہیں، صحیح بخاری کے آغاز میں ان پیمانوں کا تذکرہ۔ نبی کی تعریف اور حدیث انما الاعمال کے آغاز کتاب میں لانے کی توجیہہ مصالح اور مظاہر کی حقیقت، جیسے نبی افضل خلق ہوتا ہے ویسے ہی متنبی ارذل خلق ہوتا ہے۔ ہر جھوٹ نمایاں ہوتا ہے، جھوٹی دیانت جھوٹی امانت، جھوٹی نصیحت اور جھوٹی محبت کون سی چیز ہے، جسے جاننے والے نہیں جانتے۔ نبی شناسی کا ایک ذریعہ خود انبیاء کی ترازو ہے، صرف خبر نہیں بلکہ قرائن بھی علم کے لئے کافی ہیں۔

عزیزی المعزیز! السلام علیکم

تم نے بارہا معجزے کے دلیل نبوت ہونے کے بارے میں دریافت کیا۔ آج بیٹھے بیٹھے تم یاد آئے اور ساتھ ہی تمہاری باتیں بھی یاد آگئیں۔ جی چاہا کہ تم سے باتیں کروں ۔۔۔ مشہور یہی ہے اور کلام کی کتابوں میں لکھا بھی ایسا ہی ہے، کہ ۔۔۔ الدلیل علی نبوۃ الانبیاء المعجزات ۔۔۔ علماء علم کلام نبوت کو ثابت بھی اسی راہ سے کرتے ہیں اور ہے بھی یہ پکی بات۔ یہ امر آخر ہے کہ اگر معجزہ

دلیل نبوت ہے تو دلیل اور مدلول میں یا دعوئی اور شہادت میں مطابقت کیسے ہے؟ علمائے کلام نے اس گتھی کو سلجھانے کی مختلف راہیں بتائی ہیں۔ مثلاً یہ کہ معجزہ ہے تو بظاہر ایک مظاہرہ عمل مگر درحقیقت یہ گفتار کے قائمقام ہے کیوں کہ اس راہ سے نبوت کے بارے میں جو علم حاصل ہوتا ہے اس کا زیادہ تعلق ماحول، گرد وپیش اور ان حالات و واقعات سے ہے جن میں معجزے کا ظہور ہوتا ہے۔ بالکل ایسے ہی جیسے شرمندگی شرمندہ کیلئے، غصہ غصے والے کیلئے کہ دونوں کا وجود لفظوں میں کچھ نہیں ہوتا مگر کیفیت اور حالت جوان کو پیش آتی ہے وہ اس کے وجود کی شہادت ہے۔ اسی طرح معجزے کا عمل وجود پذیر ہوتا ہے اور یہ عمل اللہ جل شانہ کی جانب سے ہوتا ہے۔ ہوتا ہی ہے عادت الٰہیہ کے خلاف اور دعوائے نبوت کی خاطر ہوتا ہے۔ مدعی نبوت کو معجزے کے بارے میں یہ دعوئی نہیں ہوتا کہ یہ میرا عمل ہے بلکہ وہ تو کھلے لفظوں میں مطالبہ پر بھی کہتا ہے

إِنَّمَا الْآيَاتُ عِندَ اللَّهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ

جن حالات و کوائف میں یہ مظاہرہ عمل ہوتا ہے دراصل وہ ہی معجزے کو دلیل نبوت بناتے ہیں۔ ان حالات و واقعات کا دباؤ ہی ماننے والوں کو ماننے پر مجبور کرتا ہے۔ علمائے کلام نے اسے ایک مثال کے ذریعے یوں سمجھایا ہے کہ — بادشاہ نے دربار لگایا ہے۔ دربار لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا ہے ہر شخص اپنی اپنی جگہ بیٹھا ہے۔ اچانک بادشاہ کے خواص میں سے ایک شخص درباریوں کے سامنے آکر حالات حاضرہ پر تبصرہ شروع کرتا ہے اور لوگوں کو یقین دلاتا ہے کہ میں بادشاہ کا قاصد ہوں اور معتمد ہوں۔ بادشاہ ہی کی موجودگی میں بادشاہ کی طرف رُخ کر کے

کہتا ہے۔ عالیجاہ! اگر میں درست کہہ رہا ہوں تو ان کے سامنے میرے کہنے کے مطابق ذرا عادت کے خلاف کیجئے اور نیچے تشریف لے آئیے۔ بادشاہ اپنے کردار سے اس کی تصدیق کرتا ہے۔ الفاظ کا کوئی پیمانہ نہیں ہوتا۔ مگر بادشاہ کے عمل کا مظاہرہ مقرر کے قاصد ہونے کا حاضرین کو یقین دلاتا ہے اور وہ کھلے بندوں اقرار کر لیتے ہیں کہ ہاں یہ بادشاہ کا قاصد ہے اور اس کا فرمودہ بادشاہ ہی کا فرمودہ ہے۔ دعویٰ و شہادت یا دلیل و مدلول میں مطابقت پیدا کرنے کی یہ راہ علامہ ابوالمعالی نے بتائی ہے۔ قاضی ابوبکر الباقلانی نے اسے الطریقۃ المرضیۃ کہا ہے۔ اور بقول حافظ ابن تیمیہؒ "امالی" میں ابوالحسن کا میلان بھی یہی ہے۔ احناف میں سے ابو محمد صابونی بھی ان کے ہمنوا ہیں یہی ایک نہیں بلکہ متعدد راہیں سوچی گئی ہیں، چند در چند تجاویز ہیں۔ تفصیل دیکھنی ہو تو حافظ ابن تیمیہؒ کی "النبوات" دیکھو اور اجمال چاہتے ہو تو "شرح العقیدۃ الاصفہانیہ" کا مطالعہ کرو۔ اور اگر دل کے ساتھ ذہن و دماغ کا بھی سکون درکار ہو تو اس موضوع پر حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کا وہ گرامی قدر مکتوب دیکھو جو اسی موضوع پر مولانا محمد حسین بٹالوی مدیر رسالہ "اشاعۃ السنۃ" کے نام لکھا گیا ہے، بڑی معلومات ہیں۔ مسائل۔ دلائل اور لطائف کا اچھا ذخیرہ ہے، میں اس وقت تم سے جو کچھ کہنا چاہتا ہوں وہ دلیل و مدلول کی مطابقت کی کہانی نہیں اور نہ یہ کہ معجزہ دلیل نبوت ہے یا نہیں، یہ تو سب ہی جانتے اور مانتے ہیں، بتانا یہ چاہتا ہوں کہ صرف معجزہ ہی پیمانہ نہیں ہے یہاں اور بھی پیمانے ہیں جن کی مدد سے نبی کا نبی ہونا معلوم ہوتا ہے جو کہتے ہیں کہ — لا یحصل العلم بالنبوۃ الا بطریق المعجزات دون غیرھا

یہ ان کا ذاتی خیال ہے اور اپنا تجربہ۔ ورنہ سچی بات یہ ہے کہ؟ العلم بالنبوۃ یحصل بطرق متعددۃ۔ تم نے "الجامع الصحیح المسند الی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فی ایامہ وسننہ" کا بارہا مطالعہ کیا ہوگا اور کتاب الایمان سے پہلے بڑی لمبی لمبی بحثیں پڑھی ہوں گی مگر کبھی خیال بھی نہ آیا ہوگا کہ امام صاحب کتاب الایمان سے پہلے بدء الوحی کے عنوان کے تحت مختلف احادیث کیوں لائے ہیں؟ اور اپنے مخاطبوں کے ذہن میں کیا بات اتارنا چاہتے ہیں۔ افسوس کہ خط کا محدود دائرہ تفصیل سے مانع ہے۔ ورنہ جی چاہتا ہے کہ سینۂ بخاری سے ایسی ہوئی علمی لطافت کو ان سینہ چاک و ریزہ گردوں کے سامنے رکھوں جو ادب سے محروم اپنی خلوتوں میں حضرت امام بخاری پر زبان درازیاں کرتے ہیں اور نہیں جانتے کہ ارشادات نبوت کی نگرانی میں ان کی جلالت شان کیا ہے؟ مگر کیا کروں اپنی بے بضاعتی، علم کی کمی اس راہ میں سنگ گراں ہے۔

کہنا یہ چاہتا ہوں کہ امام بخاری نے بدء الوحی کے عنوان میں "رسول اللہ" کے اضافہ سے نبوت و رسالت کی تعریف کی ہے۔ تعریف کو مدلل کرنے کے لیئے آیات وحی میں سے سورۂ مائدہ کی آیت — انا اوحینا الیک کما اوحینا الی نوح و النبیین من بعدہ الخ کا انتخاب کیا صرف یہ بتلانے کے لیئے نہیں کہ وحی ایک مشترک المعانی لفظ ہے بلکہ یہ سمجھانے کے لیئے کہ انبیاء دو طرح کے ہوتے ہیں — مؤسسین، مجددین۔ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کا تعلق اول الذکر قسم سے ہے۔ نبوت کی تعریف کے بعد مفروضیت نبوت بتانے کے لیئے مشہور حدیث انما الاعمال بالنیات لائے ہیں، سمجھایا ہے کہ اقدار ہوں یا اخلاقی، اعمال ہوں یا اقوال ان کی قدر و قیمت اور افادیت کا دار و مدار صرف دو چیزوں ہیں ایک روح دوسرے ڈھانچہ۔ روح عمل کو

مصلحۃً اور عمل کے ڈھانچے کو مظاہر کہتے ہیں۔ لہٰذا جیسے اعمال و اخلاق کیلئے مصادر ہیں اللہ کی رضا نظر یہ لیسے ہی مظاہر ہیں ۔ اللہ جل شانہ کی وحی سے موافقت ہونی چاہیئے اور بس ۔ یہ متعین ہو جانے کے بعد کہ رسول وہ ہے جس کے پاس اللہ کی وحی آئے ۔ محمد صلے اللہ علیہ وسلم اللہ کے پیغمبر ہیں پیغمبر بھی بنی مؤسس ۔ اعمال کے مصادر میں اللہ کی رضا اور مظاہر میں اللہ کی وحی پیش نظر ہونی چاہیئے ۔ اب سمجھانا یہ چاہتے ہیں کہ وحی کیا ہوتی ہے ؟ مگر ابادتاً اسے چھوڑ کر کیفیت والی حدیث لے کر آئے ہیں ۔ صرف یہ بتانے کے لئے کہ وحی وہ معلوماتی ذریعہ ہے جو ہمارے ادراک کی گرفت میں نہیں آسکتا ہے ۔ یہ اللہ کی دین ہے ۔ محنت اور ریاضت سے حاصل نہیں ہوتا ۔ ہم کچھ جان سکتے ہیں تو وہ وحی نہیں بلکہ وحی کی آمدی کیفیت ہے اور وہ بھی صرف تمثیل کے درجے میں ۔ حضرت عائشہؓ کی حدیث سے اسی طرف اشارہ کیا ہے ۔ اس کے لعد آغاز وحی میں نبوت سے پہلی زندگی ، نبی شناسی کا اخلاقی اور نوعی پیمانہ بتانے کے لئے حدیث عائشہؓ اور شخصی پیمانہ بتانے کے لئے دربار ہرقل کی لمبی داستان لاکر کتاب کے دیباچہ کو ختم کیا ہے ۔ درمیان میں یہ بتانے کے لئے کہ نبی بننے میں خود نبی کی ریاضت اور محنت کو کوئی دخل نہیں ہوتا ۔ حضرت ابن عباسؓ کی حدیث لے کر گئے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وحی لانا اور وحی کے ذریعہ نبی بننا تو بڑی بات ہے ۔ نبوت ملنے اور وحی آنے کے لعد بھی خود وحی کو حافظہ میں اپنی قوت سے محفوظ رکھنا بھی نبی کی دسترس سے باہر ہے ۔ میں صرف اشارات کر رہا ہوں اور جان کر کر رہا ہوں ۔ کہ خط کا محدود پیمانہ تفصیلات کا متحمل نہیں ہے ۔ کہنا یہ چاہتا ہوں کہ نبی شناسی

Marfat.com

کا صرف معجزہ ہی پیمانہ نہیں ہے اور بھی ذرائع ہیں۔ میرے خیال ناقص میں امام بخاریؒ نے کتاب کے دیباچہ میں انہی ذرائع اور وسائل کی طرف اشارات کئے ہیں۔ میں تو یہی سمجھتا ہوں اوروں کا پتہ نہیں ــــ حافظ ابن تیمیہؒ بھی ان اکابر میں سے ہیں جو صرف معجزے ہی کو نبی شناسی کا پیمانہ نہیں مانتے بلکہ اس کے علاوہ دوسرے ذرائع کو بھی پیمانوں کے درجے میں بتاتے ہیں۔ شرح العقیدۃ الاصفہانیہ میں بڑے زور شور سے تفصیلی بحث کی ہے۔ امام غزالی "المنقذ من الضلال" میں اس خیال کے علمبردار ہیں مگر تھوڑی سی ترمیم کے ساتھ۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ جیسے عقل آدمی میں منجملہ دیگر انعامات کے ایک انعام الٰہی ہے جس کے ذریعے ان معقولات کا ادراک کر لیتا ہے جو حواس کی گرفت سے باہر ہیں۔ ایسے ہی نبوت بھی ایک انعام ہے جس کے ذریعے صاحب نبوت ان غیبی حالات کا پتہ لے لیتا ہے جو عقل کی دسترس سے باہر ہیں فرماتے ہیں۔

فالنبوۃ ایضاً عبارۃ عن طور یحصل فیہ عین لھا نور یظھر فی نورھا الغیب وامور لا یدرکھا العقل

یہ بتانے کے بعد شخص مقرر کے نبی معلوم کرنے کے لئے احوال و کوائف مشاہدہ، تواتر اور تسامع کو سامنے رکھ کر بتایا ہے کہ ہیں تو یہ ذرائع مگر ان ذرائع سے صرف وہی شخص فائدہ اٹھا سکتا ہے جو جانتا ہو کہ نبوت کیا ہے؛ اگر نبوت معلوم ہو تو ان ذرائع کی مدد سے نبی معلوم ہو سکتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ۔

اذا عرفت الطب والفقہ یمکنک ان تعرف الفقھاء والاطباء بمشاھدۃ احوالھم وسماع اقوالھم۔

بات تو بڑی سادی ہے مگر ہے یہ پیمانہ بڑا کٹھن۔ یہ تو ان ہی کے بس کا روگ ہے جو نبی سے پہلے خود نبوت کو جانتے اور پہچانتے ہوں۔ زیادہ سے زیادہ

Marfat.com

کچھ خواص ہی ایسے ہونگے جو طریق تصوف کے مطابق امام غزالیؒ کی طرح ایک قسم کا ذوق حاصل کر کے نبوت کو جانیں۔ اور نبوت کی مدد سے نبی کو پہچانیں۔ اگر یہ واقعہ ہے کہ ہم اپنی زندگی میں واقعات کی چھان بین کے لئے سچا اور جھوٹا معلوم کرنے کے کچھ ذرائع رکھتے ہیں تو پھر کوئی وجہ نہیں ہے کہ نبی کو پہچاننے کا معجزے کے سوا اور کوئی ذریعہ نہ ہو۔

جیسے یہ حقیقت ہے کہ نبی افضل خلق ہوتا ہے ایسے ہی یہ بھی واقعہ ہے کہ متنبیؔ ارذل خلق ہوتا ہے۔ عام نگاہیں افضل اور ارذل میں ضرور امتیاز کرتی ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ کرنے والوں نے کیا ہے۔

قبیلہ ثقیف کے ایک لیڈر نے نبی شناسی کا یہی پیمانہ بتایا ہے۔ لکھنے والوں نے لکھا ہے کہ جب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ ثقیف کے سامنے دعوت اسلام پیش کی تو ان کے ایک لیڈر نے آپ کو مخاطب کر کے کہا کہ میں آپ سے کوئی بات نہ کروں گا۔ آپ کا معاملہ دو حال سے خالی نہیں آپ سچے ہیں تو نبی افضل خلق ہوتا ہے۔ اس لئے آپ بہترین ہیں۔ آپ کے منہ آنا آپ کی توہین ہے۔ اور اگر معاذ اللہ اس کا عکس ہے تو متنبیؔ ارذل خلق ہوتا ہے۔ اسے منہ لگانا میری توہین ہے۔ حسان بن ثابت نے کیسی پتے کی بات کہی ہے ؎

لو لم تکن فیہ آیات مبینۃ ۔۔۔ کانت بدیھتہ تاتیک بالخبر

ہے بھی یہ واقعہ کہ جھوٹا بہرحال جھوٹا ہے۔ موٹی سی سمجھ والا آدمی جھوٹے کے جھوٹ، فریب، نادانی اور بدکاری کو تاڑ سکتا ہے اور سچا بہرحال سچا ہے سچائی، علم و دانائی، نیکی و پارسائی اور خیر و تقوٰے کی اس میں نشاندہی ہو سکتی ہے۔ جو رسالت کے مقام پر کھڑا ہوگا وہ بہرحال لوگوں سے خطاب

Marfat.com

کرے گا۔ کچھ باتوں کا پتہ دے گا۔ کچھ احکام سنائے گا۔ کسی کردار کا مظاہرہ کرے گا۔ اس کا اپنی باتوں، اپنے احکام، اپنے کردار سے صادق ہونا معلوم ہو جائیگا۔ کیونکہ راستی کا لازم نیکی اور جھوٹ کا خاصہ بدکرداری کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ یہ خود قرآن ہی کا بیان کردہ پیمانہ ہے۔

قل ھل انبئکم علیٰ من تنزل الشیاطین تنزل علےٰ کل افّاکٍ اثیم

یلقون السمع واکثرھم کاذبون

آیت بتاتی ہے کہ شیطانی وحی جھوٹوں پر ہوتی ہے۔ بدمعاشوں پر آتی ہے راست گوئی، امانت، پاک بازی اور خدا ترسی وہ اوصاف اور خوبیاں ہیں۔ جو بچپن ہی سے آپ کی ذات گرامی میں اس طرح پیوست تھے کہ یگانے، اور بیگانے مانتے تھے۔ حتیٰ کہ انہی خوبیوں کی وجہ سے آپ کا لقب ہی معاشرے میں الصادق الامین ہو گیا تھا۔

نبوت ہی پر کیا موقوف ہے ہر شخص اپنے اپنے ماحول میں سچے اور جھوٹے کو پہچانتا ہے۔ جھوٹی امانت، جھوٹی نصیحت اور جھوٹی محبت کون سی چیز ہے جسے سمجھنے والے نہیں سمجھتے اور دیکھنے والے نہیں دیکھتے یہ جھوٹی رسالت کو نہ سمجھنے کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی صرف راستی ہی پیمانہ نہیں ہے بلکہ نبی کو پہچاننے کا ایک اور ذریعہ ہے یعنی یہ کہ نبوت جن علوم و اعمال کی دعوت لے کر اٹھتی ہے۔ ضروری ہے کہ خود صاحب نبوت ان کا اپنی زندگی کے مختلف گوشوں میں علم بردار ہو، ہر ایک شخص اسے اس کی دعوت کی ترازو میں رکھ کر تول سکتا ہے اور تولنے کے بعد فیصلہ کر سکتا ہے کہ اپنے دعویٰ نبوت میں مدعی کہاں تک سچا ہے نبوت کی تاریخ بتاتی ہے کہ نبوت زمانہ آدم سے آتی رہی ہے اور انسانیت میں خدا کی مرضی کی نمائندگی ہوتی رہی ہے۔ ہر شخص نبوت اور اس کی دعوت سے واقف

ہے۔ ایسی حالت میں اگر بالفرض اگر ایک شخص نبوت کا دعوے لے کر اٹھا اور معاشرے کو اس نے ایسی دعوت دی جس میں شرک، کفر، فواحش، ظلم وکذب اور بدکاریوں کی ترغیب ہے تو کیا تاریخ نبوت کے کسی طالب علم کو اس کے جھوٹے ہونے میں کوئی شبہ ہو سکتا ہے؟ اور کیا کوئی بیوقوف ایسے شخص سے کسی معجزے کا مطالبہ کر سکتا ہے؟ یہاں یہ بات سمجھنے کی ہے کہ خبر — صرف خبر کے درجے میں اگر اپنی پشت پر قرائن اور دلائل کی قوت رکھتی ہے تو نہ صرف قابل پذیرائی ہے بلکہ علم ویقین کا بھی فائدہ دیتی ہے۔ محققین کا مذہب یہی ہے کہ خبر ہی نہیں بلکہ صرف قرائن بھی علم کے لئے کافی ہیں۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بنام مولوی حافظ محمد شریف قاسمی مالک مکتبہ قاسمیہ سیالکوٹ

Marfat.com

ڈسٹرکٹ جیل سیالکوٹ

۲۴ر جنوری ۱۹۵۴ء

داعی کی صدا یہ نہیں ہوتی کہ دے کوئی اللہ کا بندہ بلکہ یہ ہوتی ہے کہ لے کوئی اللہ کا بندہ ، دعوت میں زبان کی شیرینی کا جواب عمل کی تلخی سے، موت کو سامنے دیکھکر اسلام کے داعی کا جواب ، دعوت خدا کے روٹھے ہوئے بندوں کو منانے کا نام ہے ۔عروہ کی "صاحب یٰسین" سے تشبیہ ،عقیدت کا بوجھ مشکل ہی سے اترتا ہے ۔قبیلہ ثقیف کا مسلمان ہونے کے باوجود لات سے پیار ، ثقیف کا مطالبہ اور حضور انور کی تردید ،حبیب نجار کا دعوتی کارنامہ اور قرآن میں اس کا ذکر ، نہ ماننے والوں کو پیغام پہنچانا تبلیغ اور ماننے والوں میں جاننے سیکھنے اور برتنے کے لئے تگ و دو کا نام "تذکیر" ہے ۔تبلیغ اور تذکیر دونوں کے لئے جان کھپانے ،جان تج کرنے اور محنت و مشقت کرنے کا نام جہاد ہے ، صحابہ میں پہلی خاص اور دوسری عام تھی ، صحابہ میں تذکیر کا ایک تاریخی بصیرت افروز واقعہ ، صحابہ میں فرض کا احساس ــــ

جی نی اللہ مرزا صاحب ! السلام علیکم

ہم مولوی ہیں اور مولوی ہونے کا سادہ سا مطلب یہ ہے کہ گویا ہم اسلام آشنا ہیں ۔عوام اس کشتی کے سوار ہیں ۔کہاں جانا ہے ! یہ جاننا عوام کا کام نہیں ہے کہاں جانا ہے ؟ یہ جاننا ہمارا کام ہے ۔ صحابہ مولوی نہ تھے مگر اسلام کی کشتی کی نگرانی اور اس کی رکھوالی کا کام جس دل سوزی سے کرتے تھے ۔اس کا اندازہ اس ایک واقعہ سے ہو سکتا ہے ۔اس آئینے میں جب اپنا چہرہ دیکھنا

Marfat.com

ہوں تو ندامت سے سر جھک جاتا ہے۔ بوصیری نے شاید میرے ہی حالات کی نقاب کشائی کی ہے ؎

استغفر اللہ من قول بلا عمل لقد نسبت بہ نسلاً لذی عقم

میں بغیر عمل بات سے اللہ کی جناب میں بخشش مانگتا ہوں۔ تعلق پیدا کر چکا ہوں میں اس کے ساتھ ایک بانجھ سے۔

امرتک الخیر لکن ما ائتمرت بہ وما استقمت فما قولی لک استقم

تجھے میں نے نیکی کا حکم دیا لیکن خود میں نے اس پر عمل نہیں کیا جب میں خود ٹھیک نہیں ہوں تو پھر کیا ہے تیرے لئے میرا کہنا کہ ٹھیک ہو جا۔

ہجرت کا نواں سال اور رمضان کا مہینہ تھا۔ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تبوک سے مدینے واپس تشریف لا رہے تھے۔ ابھی مدینے نہ پہنچے تھے راستہ ہی میں تھے۔ کہ اچانک پیچھے سے ایک شخص آیا۔ آنے والے کا نام عروہ ہے قبیلہ ثقیف کی وجہ سے ان کو ثقفی کہتے ہیں۔ باپ کا نام مسعود ہے۔ باپ اور خاندان کی نسبت سے عروہ ابن مسعود ثقفی ہیں۔ آئے اور آتے ہی مسلمان ہو گئے اور مسلمان ہوتے ہی مسلمانوں کی خاطر قربانی یا اپنی مسلمانی کی عمل کی دنیا میں شہادت پیش کرنے کے جوش میں جناب رسول اللہ سے درخواست کی کہ مجھے اسلام کے داعی کی حیثیت سے میرے خاندان میں روانہ کیجئے۔ ابن ہشام نے ابن اسحاق کے حوالہ سے درخواست کے الفاظ یہ بتائے ہیں :-

وسألہ ان یرجع الی قومہ بالاسلام۔

آپ سے درخواست کی کہ مجھے دعوت اسلام دے کر میری قوم میں روانہ کر دیجئے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اگرچہ عروہ کو حالات کی ناخوشگواری کی

Marfat.com

طرف متوجہ کیا اور بتایا کہ ان میں ابھی اس کے لئے فضا سازگار نہیں مگر محبت عقل کی عدالت سے نہیں پوچھتی۔ محبت کا سرجوش ہوش باختگی کا پیغام ہوتا ہے بولے اور بڑے درد سے بولے

انا احب الیھم من ابکارھم

یارسول اللہ میں قوم کے نوجوانوں میں بہت محبوب ہوں۔

ابن اسحاق کا کہنا ہے کہ واقعی عروہ تھے بھی قوم کے چہیتے اور برگزیدہ — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے دیوانہ کی منہ مانگی کرامت کو احترام کی نگاہوں سے دیکھ کر قبول کر لیا۔ چل دیئے۔ کچھ قوم میں اپنے مقام کی بلندی سے اس یہی تھی کہ مخالفت نہ ہوگی۔ ابھی اس پر دعوت اسلام کا پیالہ ہاتھ میں لیکر لوگوں کو پکارنا شروع کر دیا۔ پکار یہ نہ تھی کہ دے کوئی اللہ کا بندہ۔ بلکہ آواز یہ تھی کہ لے کوئی اللہ کا بندہ ۔ ایک روز بالاخانے پر کھڑے ہوئے جھروکے سے سینہ باہر کئے لوگوں کو اسلام کی دعوت دے رہے تھے۔ کہ سننے والوں نے زبان کی شیرینی کا جواب عمل کی تلخی سے دینا شروع کیا اور ہر طرف سے تیر اندازوں نے تیر برسائے قدرت کا کرنا کہ ایک تیر نے عروہ کو پہچان لیا اور ابلیس اپنی تمنا سے ممدوش ہو گیا۔ خون سے غسل کی حالت اچھے اچھے دلیروں کیلئے ہوش ربا ہوتی ہے پاؤں اکھڑ جاتے ہیں مگر عروہ کا نشہ اور تیز ہو رہا تھا۔ کسی سرپھرے نے پوچھ لیا۔

ما تری فی دمک؟ (تیرا اپنے خون کے بارے میں کیا خیال ہے)

پورے استقلال اور بھرپور متانت کے ساتھ اسلام کے اس داعی نے جو۔ لوگوں کو جواب دیا۔ وہ سننے اور سمجھنے کے قابل ہے

کرامۃ اکرمنی اللہ بھا وشھادۃ ساقھا اللہ الیّ (ابن ہشام۔ زادالمعاد)

ایک عزت ہے جس کے ساتھ اللہ نے مجھے معزز بنایا اور شہادت

Marfat.com

ہے جس کو اللہ نے میری طرف روانہ فرمایا۔

بتانے والوں نے بتایا ہے کہ اس حادثہ کی اطلاع جب جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو ہوئی تو آپ نے اسلام کے اس شیدائی کا مقام دنیا والوں کو بتایا اوروں کا پتہ نہیں مگر میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ دعوت کا کام یعنی خدا کے روٹھے ہوئے بندوں کو خدا یاد کرانا اور خدا ہی کی یاد پر ان کو آمادہ کرنا اللہ جل شانہ کے یہاں بہت قیمتی ہے۔ اتنا قیمتی کہ اس کا اندازہ لگانا بھی دنیا والوں کے بس کا کام نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ عروہ نے اپنی قوم میں وہی کام کیا ہے جو "صاحب لیسین" نے اپنی قوم میں کیا تھا۔ "صاحب لیسین" کہہ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دور کے اشارہ سے عروہ کا اونچا مقام بتایا ہے۔ یہی بات سمجھنے کی ہے۔ ابن ابی حاتم نے عبدالملک بن عمیر کے حوالہ سے واقعہ کے اس حصہ کی ابن اسحاق سے زیادہ تفصیل بتائی ہے۔ اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ عروہ نے نشہ توحید سے مخمور ہو کر کس جرأت مندانہ عزیمت سے ماحول کو سر کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ عبدالملک کا بیان ہے کہ عروہ دعوت کا پیمانہ لے کر چلے۔ راستہ میں لات وعزیٰ تھے۔ آپ نے دونوں کو ابراہیمی اسوہ پر عمل کرتے ہوئے مخاطب کر کے کہا۔

لاصبحنك غدا بما يسوءك

کل کی صبح تیرے لئے میرے ہاتھوں غم کی صبح ہے۔

یہ بات خلوت میں نہیں بلکہ شاہراہِ عام پر بانگِ دہل کہی تھی قبیلہ ثقیف کے بوڑھے جوان اور بچے موجود تھے۔ ان کے مجمع میں لات کے بارے میں منہ سے یہ بات نکالنی جان کو بیچ کرنے اور جوکھوں میں ڈالنے کے مترادف تھا کون نہیں جانتا کہ یہی ثقیف جب چند ماہ کے بعد مسلمان ہونے کے ارادے سے مدینے پہنچے اور مسلمان بھی ہو گئے۔ مسلمانی کے باوجود انہوں نے رسول اللہ

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم سے جو مطالبہ کیا تھا۔ ان میں بنیادی مطالبہ یہی تھا۔

ان یدعھم الطاغیۃ وھی اللات لا یھدمھا ثلاث سنین

تین سال تک ہمارے طاغیہ کو کچھ نہ کہا جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے انکار پا کر منت سے بولے۔ کہ اچھا ایک سال رہنے دیجئے۔ یہ بھی نامنظور ہوا تو بڑی لجاجت سے بولے کہ اچھا ایک ہی مہینہ چھوڑ دیجئے۔ مگر نبوت نے اس مانگ کو بھی ٹھکرا دیا۔ اندازہ لگائیے کہ جو مسلمانی کو قائم رکھنے میں لات سے یہ لبستگی قائم رکھتے ہیں تو جو کفر کی گود میں پلے ہوئے ہیں انکی عقیدت کا کیا حال ہوگا۔ آہ قربان جائیے۔ عواقب سے بے نیاز عروہ کے۔ عبدالملک ہی کا بیان ہے کہ عروہ ابن مسعود نے بر سر عام دعوت شروع کر دی اور اعلانیہ سب کو پکار پکار کر یہ کہنے جاتے۔

ان اللات لا نحت وان العزی لا عزی اسلموا تسلموا

منہ سے یہ بات تین دفعہ نکلی کہ تیر اندازی میں تیر کا نشانہ بن گئے۔ واقعہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا۔

ھذا مثلہ کمثل صاحب یٰسین قال یا لیت قومی یعلمون

بما غفرلی ربی وجعلنی من المکرمین

اس کی مثال صاحب یٰسین جیسی ہے جس نے اپنی قوم سے کہا تھا۔ اے کاش! میری قوم جانتی کہ میرے رب نے مجھے کیا بخشش عطا فرمائی ہے اور مجھے کیسے عزت والوں میں سے بنایا ہے۔

جن صاحب یٰسین کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا۔ ان سے وہ بزرگ مراد ہیں جن کا قرآن نے سورہ یٰسین میں کار و بار

Marfat.com

دعوت کے سلسلے میں ذکر کیا ہے۔ عبداللہ بن عباس نے ان کا نام حبیب اور پیشہ نجاری بتایا ہے۔ واقعہ یوں ہے کہ کسی بستی میں لوگوں کو خدا کی طرف بلانے کیلئے خدا نے پہلے اپنی مرضی کے دو نمائندے روانہ کئے بستی والوں نے دونوں کو جھٹلایا۔ تو ایک ان دونوں کی امداد کے لئے مقرر ہُوا تینوں نے مل کر اور جم کر یہ دعوت پیش کی۔

اِنَّآ اِلَیْکُمْ مُّرْسَلُوْنَ۔ یقیناً ہم تمہاری ہی طرف بھیجے گئے ہیں۔

لوگوں کا جواب یہ تھا۔ کہ تم جھوٹ بولتے ہو۔ خدا نے کچھ بھی نازل نہیں کیا، تم تو ہمارے ہی جیسے آدمی ہو۔ داعیوں نے خدا کا واسطہ دے کر اپنی صداقت کا یقین دلایا اور کہا کہ ہمارا کام کانوں تک پہنچانا ہے اور بس لوگوں نے ان کو جو جواب دیا یہ تھا کہ تمہارا وجود ہمارے لئے ایک پیغام نحوست بن کر آیا ہے۔ زندگی کا مزہ کرکرا ہو گیا، ہر طرف مصیبت ہی مصیبت ہے بستی کی بستی گرفتار بلا ہے۔ اگر تم باز نہ آؤ گے تو سنگسار کر دیئے جاؤ گے اور ہمارے ہاتھوں تمہیں دردناک تکلیفوں سے دو چار ہونا پڑے گا۔

دعوت دینے والوں نے لوگوں کو مخاطب کر کے کہا۔ نحوست کے اسباب تو تمہاری ہی غلیظ زندگی کے پیدا کردہ ہیں۔ رہا قتل و سنگساری کی دھمکیاں۔ تو کیا یہ اس کا بدلہ ہے کہ تم میں تزکیہ و دعوت کا کام کیا گیا ہے اور تمہیں بتایا گیا ہے کہ ایک اللہ جل شانہٗ کو مانو۔ اور اپنی زندگی کے سارے نیازمندانہ کاموں میں صرف اسی کی لو لگاؤ۔ سچ یہ ہے کہ تمہاری قومی زندگی کے سارے ہی گوشے عدل و راستی سے ہٹے ہوئے ہیں۔ گفتگو پبلک اور ان داعیوں میں اسی مرحلہ پر تھی۔ اور

پبلک آپے سے باہر ہوکر ان لوگوں کا کام تمام کرنا چاہتی تھی کہ اچانک ایک شخص آیا۔

جاء رجل من اقصا المدینۃ یسعیٰ قال یاقوم اتبعوا المرسلین اتبعوا من لا یسئلکم اجراً و ھم مھتدون

آیا ایک شخص شہر کی طرف سے دوڑتا ہوا کہا لوگو! رسولوں کی پیروی کرو اور لوگو! پیروی کرو اس شخص کی جو تم سے مزدوری نہیں مانگتا۔ اور وہ ہدایت یافتہ ہیں۔

یہی آنے والا شخص وہ "صاحب یٰسین" تھا جس کی طرف یہاں نبوت سنئے عروہ کا مقام بتانے کے لئے اشارہ کیا۔ قرآن میں یہاں سے ان کی پُرعزیمت اور جرأت مندانہ دعوت کو بیان کیا ہے۔ قوم کے سامنے جس وقت ان کی زبان پر یہ الفاظ آئے۔

اِنِّیۡۤ اٰمَنۡتُ بِرَبِّکُمۡ فَاسۡمَعُوۡنِ

بیشک میں ایمان لے آیا تمہارے پروردگار پر پس میری بات سنو!

لوگ ان پر حملہ آور ہو گئے۔ پتھر برسائے۔ اس پتھراؤ میں پتھر مارنے والوں کے حق میں ان کی زبان سے جو دعا نکل رہی تھی۔ یہ تھی

اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون

اے اللہ میری قوم کو راہ بتا ان کو پتہ نہیں ہے۔

عروہ کی طرح یہ بھی کرامۃ اکرمنی اللہ بھا سے ہم دوش ہو گئے اور جام شہادت نوش کر گئے۔ اللہ کے یہاں دعوت کے عمل کی قیمت دیکھی۔ تو

Marfat.com

بول پڑے

یَا لَیْتَ قَوْمِیْ یَعْلَمُوْنَ بِمَا غَفَرَ لِیْ رَبِّیْ وَجَعَلَنِیْ مِنَ الْمُکْرَمِیْنَ۔

اے کاش میری قوم جانتی کہ میرے رب نے مجھے کیا بخشش عطا فرمائی ہے اور مجھے کیسے عزت والوں میں سے بنایا ہے۔

عروہ نے بھی وہی فرض انجام دیا جو دعوت کی راہ میں صاحب یٰسین حبیب نے ادا کیا۔

اللہ کے دین کی خاطر مخلصانہ جدوجہد کرنے اور خدا کے بندوں تک خدا ہی کا پیغام پہنچانے اور اسے پھیلانے کیلئے مال، عزت اور جان کو خرچ کرنے اور ہر قیمت بنا دینے کا رواج اسلام میں بہت پرانا ہے اسے ہی اسلام کی اصطلاحی زبان میں جہاد کہتے ہیں۔ اللہ نے اس دعوت کے پہلے ہی دن سے سرانجام دینے کا حکم دیا تھا۔ زاد المعاد میں حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے بتایا ہے

وامرہ اللہ تعالیٰ بالجہاد من حین بعثہ وقال لو شئنا لبعثنا فی کل قریۃ نذیراً فلا تطع الکافرین وجاھدھم بہ جھاداً کبیرا۔

آپ کی بعثت ہی کے وقت سے اللہ نے آپ کو جہاد کا حکم فرمایا اور فرمایا اگر ہم چاہتے تو البتہ روانہ کرتے ہر بستی میں پیغمبر پس مت کہا مان کافروں کا اور جہاد کر ان سے بڑا جہاد۔

نہیں مانتے، انہیں بتانا اور ماننے پر آمادہ کرنا اسی طرح جو مانتے

ہیں مگر جانتے نہیں انہیں سکھانا اور خدا سے لو لگانے کا ان میں ولولہ پیدا کرنا جہاد ہے۔

یہ تو سب ہی جانتے ہیں کہ نہ ماننے والوں کی خاطر خود ماننے والوں نے کیسی کیسی محنتیں کی ہیں مگر یہ بات بہتوں کو معلوم نہیں کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ملت والوں میں جاننے اور سمجھنے اور برتنے کا جوش پیدا کرنے کی خاطر کیسی ہمہ گیر اور زوردار کوشش کی ہے۔ اسکے لئے کتنی اچھی اچھی جانوں کو قربان کر دیا۔ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی سرفروشانہ زندگی میں آج یہ نشانات ہماری نظروں سے اوجھل ہو گئے ہیں۔ اس لئے دین سیکھنے سکھانے، سمجھنے اور سمجھانے کے لئے قربانی کرنے، وقت نکالنے اور گھر سے بے گھر ہو کر اللہ جل شانہ، کی رضا کیخاطر در بدر پھرنے کا رواج مٹ گیا ہے۔ آج ہمارے یہاں یہ رواج نہیں ہے۔ اس لئے اسلام ماننے والوں میں اسلام جاننے والوں کی گنتی بھی نہیں، ماننے والے تو اس وقت ۲۷ کروڑ ہیں مگر جاننے والے ان میں فی ہزار ایک بھی نہیں۔ فانا للہ والی اللہ المشتکیٰ۔ صحابہ میں سب کے سب جاننے والے تھے۔ جو نہیں جانتے تھے وہ جاننے کے لئے بیتاب تھے اور جو جانتے تھے وہ بتانے کے لئے بے قرار تھے۔ دین نہ جاننے والوں کو دین جاننے کی خاطر گھر سے بے گھر ہونے کا حکم دیا تھا۔ ٹھیک اسی طرح دین جاننے والوں سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ جو کچھ بھی سینوں میں امانت ہے اسے در بدر پھر کر پہنچا دو۔ یہ پہنچا دینے کا کام صحابہ میں عام تھا۔ اس پہنچا دینے کی قوت ہی سے انہوں نے سراب جہالت میں بھٹکتی ہوئی دنیا کو علم کی دولت سے مالا مال کر دیا — ابن ہشام نے سیرت میں، ابن کثیر نے

البدایہ والنہایہ میں اور ابن القیم نے زاد المعاد میں لکھا ہے۔ صفر المظفر کا مہینہ تھا اور ۳ھ تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف فرما تھے کہ اسی مہینے میں عضل اور قارہ قبیلہ کے کچھ آدمی نیاز مندانہ انداز سے آئے۔ بات ہی بات میں آنے والوں نے یہ مطالبہ پیش کر دیا کہ

ابعث معنا نفراً من اصحابك يفقهوننا في الدين ويقرئوننا القرآن ويعلموننا شرائع الاسلام

ہمارے ساتھ اپنے صحابہ کی ایک جماعت بھیج دیجئے۔ وہ ہمیں دین کے مسائل سکھائیں گے۔ قرآن پڑھائیں گے اور اسلامی قوانین کی تعلیم دیں گے۔

پہلے یہ جتا دیا کہ اسلام کو تو ہم مانتے ہیں۔ ان فينا اسلاماً۔ جاننے کا کوئی بندھا ٹکا انتظام فرما دیجئے اور اپنے ساتھیوں کی ایک جماعت ہمارے ساتھ ہمیں دین سمجھانے، قرآن پڑھانے اور اسلامی زندگی کی راہیں بتلانے کیلئے روانہ کر دیجئے ــ یہ تو واقعہ ہے کہ بنانے والوں نے اسلام کی بات جھوٹ موٹ بنائی تھی مگر سمجھنے اور سوچنے کی چیز یہ ہے کہ مسلمانوں ہی کو مسلمانی کا بھیس بدل کر دھوکہ دینے کی تدبیر انہیں کیسے سوجھی۔

بلا تامل کہا جا سکتا ہے اور ہے بھی یہ واقعہ کہ مسلمان ہونے کے بعد مسلمانوں کو مسلمانی کے تقاضے اور اسلام کی عملی زندگی کے سمجھانے اور بتانے کا چونکہ وہاں عام رواج تھا اور اس مقصد کی خاطر دیہات اور شہروں میں قبیلوں اور خاندانوں میں خاکہ دلی کرنا اسلام کے بنیادی مقاصد میں داخل تھا۔ اس لئے اسلام کا چولا پہن کر فریب دینے والوں نے اسی

Marfat.com

پاک مشن سے ناجائز فائدہ اٹھایا اور جھٹ مطالبہ کر دیا کہ اپنے صحابہ کی ایک جماعت ہمارے ساتھ روانہ کر دیجئے اور پھر خود ہی جماعت کی روانگی کے بنیادی مقاصد بھی بتا دیئے۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ یہ کام صحابہ کی زندگی میں اتنا عام تھا کہ خواص تو خواص بلکہ عوام۔ نہیں مسلمان تو مسلمان غیر مسلموں کو بھی پتہ تھا کہ مسلمان ہونے کے بعد مسلمانوں کو اسلامی زندگی سمجھانے کے لئے جماعتیں روانہ کرنے کا نیا ٹھاٹھ کا دستور ہے۔ اسی دستور سے آشنا ہونے کے بعد انہوں نے یہ کہا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا مطالبہ منظور کر لیا اور امام بخاری کی رائے میں دس اور ابن اسحاق کی تصریح کے مطابق چھ آدمیوں کی جماعت روانہ فرمادی۔ اس جماعت میں روانہ ہونے والوں کے نام یہ ہیں، مرثد غنوی، خالد لیثی، عاصم، خبیب، زید بن الدثنہ اور عبداللہ بن طارق۔ قصہ تو تاریخ کی کتابوں میں پڑھیئے میں تو صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ رجیع کے مقام پر پہنچ کر فریب کا پردہ چاک ہوا اور پتہ چلا کہ دھوکہ دیا گیا ہے اور مسلمانی کے نام پر اسلام اور قرآن کی آڑ میں خود اسلام سے کھیلا گیا ہے۔ چار وہیں قتل کر دیئے گئے۔ خبیب اور زید گرفتار ہوئے۔ مکہ کے بازاروں میں فروخت ہوئے، صفوان نے حضرت زید کو خریدا اور ان کو قتل کر دیا۔ بیان کرنے والوں نے بیان کیا ہے کہ تنعیم جو حضرت زید کی قتل گاہ ہے مکہ کے بڑے بڑے آدمی وہاں جمع ہوئے۔ ان میں ابوسفیان بھی تھے۔ زید قربان گاہ پر کھڑے۔ ابوسفیان نے زید کی جان لبوں پر کھیلتی دیکھ کر چاہا کہ زید کے ایمان سے کھیلوں۔ ابوسفیان بولے! زید کیا تم گوارا کرتے ہو کہ اس وقت ہم تمہاری جگہ رسول اللہ کو لے آئیں اور موت کا یہ پیالہ تمہارے لبوں پر نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لبوں پر ہو۔ اور تم اپنے گھر میں مزے سے رہو۔ سچ یہ ہے کہ یہ زید کی

جان کا نہیں بلکہ زید کے ایمان کا کھیل تھا۔ زید نے کیا جواب دیا۔ وہی جو ایسے موقعہ پر ایمان والے دیتے ہیں ــــ فرمایا رسول اللہ کا یہاں آنا تو بڑی بات ہے۔ بخدا مجھے تو یہ بھی گوارا نہیں کہ رسول اللہ جہاں تشریف فرما ہیں وہاں ہی ان کے ایک کانٹا چبھے اور میں آرام سے رہوں۔ لوگ سن رہے تھے اور زید کا منہ تک رہے تھے۔ ابوسفیان سے نہ رہا گیا۔ بولا محبت کے متوالے بہت دیکھے ہیں مگر محمدؐ کی محبت کے دیوانوں کی کوئی نظیر نہیں دیکھی۔ حضرت خبیب کچھ عرصہ تو رہے بالآخر ان کیلئے بھی تختہ دار پر جانے کا فیصلہ ہوا۔ ان کو جب قتل گاہ میں لایا گیا تو انہوں نے لوگوں سے جو بات کہی یہ تھی کہ مجھے اتنا وقت دو کہ اپنے رب کی بارگاہ میں دنیا کی زندگی کا آخری اور حقیقی آداب بجالاؤں۔ یعنی رخصتی کی نماز ــــ اجازت مل گئی آپ نے دو رکعت نماز ادا کی اور فرمایا کہ

لولا ان تظنوا نی انما طولت جزعا من القتل لا

استکثرت من الصلوۃ (البدایہ)

اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تم میری نماز کی لمبائی کو قتل سے گریز سمجھو گے

تو میں نماز بہت لمبی کرتا۔

ابن اسحاق کا خیال ہے کہ قتل کے وقت نماز کا یہ طریق خبیب کا جاری کردہ ہے۔ الروض الانف میں علامہ سہیلی نے جو حیرت ناک انکشاف کیا ہے۔ اس سے بھی اس نماز کا ایسے وقت میں مسنون ہونا معلوم ہوتا ہے۔ لیث ابن سعد کا بیان ہے کہ ایک بار حضرت زید ابن حارثہ نے طائف کے کسی شخص سے خچر کرایہ پر لیا اور چل دیئے خچر والا آپ کو لے کر ایک نامعلوم برباد مقام پر پہنچ گیا۔ وہاں مقتولوں

Marfat.com

کے پیٹنے تھے۔ خچر والا حضرت زید کو بھی اسی لئے لایا تھا۔ حضرت زید کے قتل کی تیاری ہوئی تو اس پر کہا۔

دعنی حتی اصلی رکعتین - مجھے چھوڑ دیں دو رکعتیں پڑھ لوں۔

بولا پڑھ لیجئے۔ ان سب نے بھی نمازیں پڑھی ہیں جن کی کھوپڑیاں پڑی ہوئی ہیں۔ ان کی نماز تو ان کے کام نہیں آئی۔ حضرت زید کا کہنا ہے میں نے پڑھ لی۔ قاتل میرے قتل کے ارادے سے آگے بڑھا۔ میں نے کہا یا ارحم الراحمین کہ اچانک کسی نے چیخ کر کہا لا تقتلہ (اسے نہ مارو) قاتل ڈرا اور اس نے نظر دوڑائی مگر کوئی نہ تھا۔ میری طرف پھر قاتل بڑھا۔ میں نے پھر کہا یا ارحم الراحمین۔ پھر وہی آواز آئی مگر آدمی کوئی نہ تھا۔ پھر قاتل بڑھا۔ پھر کہا یا ارحم الراحمین۔ پھر وہی آواز آئی مگر آدمی کوئی نہ تھا۔ پھر قاتل بڑھا۔ میں نے پھر کہا یا ارحم الراحمین۔ اچانک نیزہ بردار سوار نے قاتل کا سر تن سے جدا کر دیا اور مجھ سے یوں گویا ہوا۔ کہ جب تو نے پہلی بار دعا کی تو میں آسمانِ ہفتم پر تھا۔ دوسری دعا میں میں آسمانِ دنیا پر تھا تیسری بار کی دعا میں میں یہاں موجود تھا۔

الغرض۔ زید نے اس موقعہ پر دعا مانگی تھی۔ میں بتانا چاہتا ہوں کہ جب حضرت خبیب کو تختہ دار پر پہنچایا گیا تو ان کے منہ سے جو دعا نکلی اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قرآن نے نبوت کے زمانے کے مردوں اور عورتوں کے فرائض اسلام، ایمان، صدق، صبر، خشوع، تصدق، صوم، عفت اور ذکر گنا کر

الذین یبلغون رسالات اللہ و یخشونہ ولا یخشون

احدًا الا اللہ

وہ لوگ جو اللہ کے پیغاموں کی تبلیغ کرتے ہیں اسی سے
ڈرتے ہیں۔ اس کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔

میں الگ کر کے نمایاں جو فرض بتایا تھا اس کی بجا آوری کے لئے
ان میں کس قدر سرشاری تھی کہ اس کی خاطر وہ موت سے کھیلنے اور تختہ
دار پر پہنچکر اسی فرض کے احساس میں دبے ہوئے اور ڈوبے ہوئے
الفاظ کو اپنی دعاؤں کا سانچہ بناتے تھے۔ رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ
حضرت خبیب کی دعا یہ تھی:۔

اللھم انا قد بلغنا رسالۃ رسولک فبلغہ الغداۃ
ما یصنع بنا

اے اللہ ہم نے تیرے رسول کا پیغام پہنچا دیا تو صبح کو اپنے
رسول تک ہماری آپ بیتی پہنچا دے۔

مجھے اس واقعہ میں بتانا یہی مقصود ہے کہ ان میں فرض کا احساس
کس درجہ کا تھا اور روزے، نماز، زکوٰۃ اور حج کرتے ہوئے اس
فرض کی ادائیگی کو نہ صرف اپنی زندگی کا ناگزیر تقاضا سمجھتے تھے بلکہ دراصل
وہ اس کے بغیر اپنے دین ہی کو ادھورا سمجھتے تھے۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بنام جناب مرزا محمد امین بیگ صاحب محلہ کالج روڈ شہر سیالکوٹ

ڈسٹرکٹ جیل سیالکوٹ

۲۵ / جنوری ۱۹۵۷ء

حقوق اور فرائض کا فرق۔ اسلام نے مسلمانوں کے سامنے فرائض رکھے ہیں۔ فرائض کی تلاش۔ ادائے فرض کا جذبہ ادائے فرض پر اللہ کا شکر۔ سوچنے کی چیز صرف ادائے فرض ہے۔

صدیقی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

یاد آئے ہو۔ خدا کرے تم اچھے ہو۔ الحمد للہ ہر سانس بہتر سے بہترین گزر رہا ہے۔ شائد تم تو اپنی جگہ حالات کی ناخوشگواریوں سے مایوس ہو گئے ہو گے۔ مگر میں الحمد اللہ خوش ہوں کہ ادائے فرض کی توفیق نصیب ہوئی۔

دراصل رنج و غم صرف ان لوگوں کو ہوتا ہے جن کی نظریں عواقب اور نتائج پر لگی ہوتی ہیں۔ آج ہمارے معاشرے کی سب سے بڑی بیماری یہی ہے۔ فرد سے لے کر جماعت تک زندگی کا ہر گوشہ اسی کا شکار ہے۔

اسی کا نتیجہ ہے کہ ہر شخص کی زبان پر حقوق کی تسبیح ہے حاکم محکوم سے، محکوم حاکم سے، باپ بیٹے سے، بیٹا باپ سے، شوہر بیوی سے، بیوی شوہر سے۔ طلبہ اساتذہ سے، اساتذہ طلبہ سے مزدور کارخانہ دار سے، کارخانہ دار مزدور سے، زمیندار کاشتکار سے کاشتکار زمیندار سے اور زعماء عوام سے اور عوام زعماء سے غرض کہ دفاتر، بازار، کارخانے، مدارس سے لیکر ایوان حکومت تک ہر شخص

Marfat.com

کی زبان پر حقوق حقوق کا نعرہ ہے اور اسی کے سانچے میں سب کے سب اپنے اپنے عقائد، اعمال اور اخلاق کو ڈھال رہے ہیں۔ نگاہوں میں روحانیت بے قیمت اور مادیت قیمتی ہوتی جا رہی ہے۔

اسلام نے مسلمان کے نام سے جو سوسائٹی تیار کی تھی۔ وہ دنیا میں حقوق نہیں بلکہ فرائض لیکر آئے تھے۔ ان کی زندگی کا سب سے بڑا مشن ہی فرائض کی تحقیق تھا۔ وہ ہر وقت اس کے جویا تھے کہ ہمارے ذمہ اللہ کے فرائض اور اللہ کے رسول کے فرائض کیا ہیں حاکم محکوم، میاں بیوی، شاگرد استاد، زمیندار، کاشتکار، مزدور، کارخانہ دار، لیڈر اور عوام سب کے سب اپنے اپنے فرائض کی تلاش میں رہتے تھے اور صرف یہی نہیں بلکہ فرائض معلوم ہو جانے کے بعد ہر شخص ادائے فرض کی فکر میں لگا رہتا تھا۔ ادائے فرض ہی فخر نہیں بلکہ اپنے مولا کے سامنے اس توفیق پر سربسجود ہو جاتا۔ نتیجہ یہ کہ کمزوروں کی ہمدردی، غم گساری، ناداروں کی حاجت روائی، بیماروں کی بیمار پرسی، بھوکوں اور پیاسوں کی دلجوئی، ناتوانوں پر رحم معاشرے میں عام تھا۔ اولاد والدین کی خدمت، والدین اولاد کی تربیت کو، اساتذہ طلبہ کی تعلیم کو، طلبہ اساتذہ کی اطاعت کو، سربراہان مملکت شہریوں کی حیوانی اور انسانی ضرورتوں کی کفالت کو اور شہری سربراہوں کی فرماں برداری کو اپنا اپنا فرض سمجھتے تھے اور اس کی ادائیگی میں اپنی جان تک کر دیتے تھے حسن ظن دلوں میں الفت، ہمدردی، طاعت، خیرات، کمتروں کی امداد بازار کی بے قیمت جنس تھی۔ جب چاہو جہاں سے چاہو۔ جتنی

Marfat.com

چاہو لے لو۔

لیکن آہ آج معاشرے میں حقوق حقوق کی رٹ کے نتیجہ میں یہ تمام خوبیاں کہیں کسی قیمت پر نہیں ملتی ہیں، اور اس کی جگہ بدگمانی، بدکلامی، بدنگاہی جیسی گندی اور ناپاک جنس عام ہے۔ باپ بیٹے سے، بیٹا باپ سے، حاکم محکوم سے، محکوم حاکم سے، استاد شاگرد سے، شاگرد استاد سے۔ کارخانہ دار مزدور سے، مزدور کارخانہ دار سے، ڈاکٹر بیمار سے، بیمار ڈاکٹر سے، امام مقتدی سے، مقتدی امام سے اور بالآخر مرید شیخ سے اور شیخ مرید سے بدگمان ہے۔ اور صرف بدگمان نہیں بلکہ ایک دوسرے کے حق میں ہر ایک بدکلام ہے۔ سب ایکدوسرے کو بے محابا اور بے تحاشا برا بھلا کہہ رہے ہیں۔

آج بھی اگر ہم میں حقوق سے ہٹ کر فرائض کی لگن پیدا ہو جائے تو ہماری زندگی آج ہی بدل سکتی ہے۔

ختم نبوت کے نام پر جو کچھ ہم نے کیا یہ ہمارا فرض تھا۔

اب ہمارے سوچنے کی چیز صرف یہ ہے کہ ادائے فرض کی ہم کو توفیق ملی یا نہ ملی۔ اگر مل گئی ہے تو اس پر ہمیں اپنے مولا کا شکر ادا کرنا چاہیئے اور بس۔ یہ کوئی حق نہیں ہے جس کے نہ ملنے پر ہمیں کوئی شکایت ہو۔ جو کچھ ہمارا فرض تھا۔ اللہ کی توفیق سے وہ ادا ہوگیا۔ انہوں نے اگر ادائے فرض میں کوتاہی کی ہے۔ تو اس کی بازپرس ان سے ہوگی اور وقت آرہا ہے کہ ان کو اس پر ندامت ہوگی، مگر

Marfat.com

اس وقت یہ ندامت مفید نہ ہوگی۔ اس لئے نتائج سے ہٹا کر صرف فرائض پر نظر رکھیئے یہی ایک مسلمان کا کام ہے لیجئے اب ملاقات ختم۔ اب رخصت ہوتا ہوں۔

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ،

بنام شیخ محمد حسین صاحب صندل ممبر یونین کونسل نمبر ۲ محلہ رنگپورہ سیالکوٹ

Marfat.com

ڈسٹرکٹ جیل سیالکوٹ

۲۷ر جنوری ۱۹۵۷ء

الطفیل کی شخصیت ۔ دعوت کا پر آشوب زمانہ ۔ الطفیل کی مکہ میں آمد ۔ وفد قریش کی الطفیل سے ملاقات ۔ ملاقات کا پس منظر طفیل کا غیر ارادی طور پر قرآن سننا اور لٹو ہو جانا ۔ طفیل کی حضور انورؐ سے ملاقات ۔ دعوت اسلام ، معوذتین کی تلاوت اور طفیل کا اسلام کے لئے شرح صدر ، مسلمان ہوتے ہی اسلام کے داعی راہ دعوت کی تنگنائی ۔ ابوہریرہ طفیل کی دعوتی محنت کا پہلا نتیجہ ہے ۔ دعوت کی راہ میں رکاوٹیں اور داعی کی مایوسی ۔ نبوت کی لستی خیر کے داعی کو خود خیر الناس ہونا چاہیئے ۔ دعوت اور رعایت ۔

مکرمی ۔ زاد مجدکم　　　　السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ'

دل بے چین ہو کر رہ جاتا ہے جب تاریخ میں اسلام کی خاطر صحابہ کی قربانیاں پڑھتا ہوں ۔ شخص نہیں بلکہ ایک عظیم المرتبت شخصیت ہے ۔ الطفیل نام ہے ۔ دوس قبیلہ سے نسبی تعلق ہے ۔ ذوالنور لقب ہے ۔ ابن اسحاق نے سیرۃ میں اور ابن سعد نے طبقات میں جو تفصیلات بتائی ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ بہت با اخلاق ، ہوشیار اور بلند پایہ شاعر تھے ۔ نبی کریم سے انکی ملاقات مکہ ہی میں ہوئی تھی ۔ جس سال یہ مکہ میں آئے ۵ نبوت اور دعوت نبوت کا بڑا ہی پر آشوب سال تھا ۔ پر آشوبی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے ۔ کہ ان کی آمد پر قریش نے ان سے ملاقات کے لئے ایک وفد تیار کیا ۔ ملاقات کا پس منظر اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ طفیل کو کاشانہ نبوت پر جانے سے

Marfat.com

روکا جائے۔ وفد طفیل سے ملا اور بیٹھتے ہی یوں برسا۔

"جناب آپ یہاں تشریف لائے۔ آپ کو مقامی حالات کا پتہ نہیں ہے۔ دیکھئے اس آدمی نے ہمارا ناطقہ تنگ کر دیا ہے۔ ہم میں پھوٹ ڈال دی ہے۔ ہمارے نظم کو پامال کر دیا۔ منہ سے نکلی ہوئی بات جادو اثر ہے۔ باپ بیٹے کو، بھائی بھائی کو، شوہر بیوی کو چھوڑ رہا ہے۔ ہمیں اندیشہ ہے کہ آپ اور آپ کی قوم پر اثر نہ پڑ جائے۔ اس لئے نہ ان سے بات کیجئے اور نہ ان سے کچھ سنیئے۔"

خود طفیل کا بیان ہے کہ قریش نے میرے اتنے کان بھر دیئے۔ کہ میں اپنی جگہ طے کر چکا تھا کہ نہ آپ سے بات کروں گا اور نہ آپ سے کچھ سنوں گا۔ حد ہے کہ میں مسجد میں گیا۔ تو اس خطرہ کے پیش نظر کہ کہیں کان میں نبوت کی آواز نہ پڑ جائے۔ میں نے کان میں روئی رکھ دی۔ میں چاہتا تھا کہ دہانِ نبوت سے نکلی ہوئی بات کان میں نہ پڑ جائے۔ مگر قدرت کے کھیل عجیب ہیں۔ ایک روز صبح تڑکے مسجد میں گیا۔ دیکھتا ہوں کہ کعبہ کے پاس ذاتِ نبوت کھڑی نماز میں مشغول ہے۔ میں بھی آپ کے پاس کھڑا ہو گیا۔ اللہ جل شانہٗ نے یونہی کچھ باتیں کان پر ڈالیں۔ میں کہہ نہیں سکتا کہ کیا ہوا۔ اب میرا فیصلہ یہ تھا کہ یہ بلند پایہ شاعر معلوم ہوتے ہیں۔ اور میں بھی شاعر ہوں۔ سنیں تو سہی۔ کام کی بات ہوگی مان لیں گے ورنہ چھوڑ دیں گے۔

طفیل کہتے ہیں کہ میں مسجد میں ہی ٹھہرا رہا۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لے گئے۔ میں پیچھے پیچھے ہو لیا۔ آپ اندر تشریف لے گئے

میں بھی آپ کے ساتھ گھر پہنچ گیا سب سے پہلی بات جو طفیل نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ کر کہی یہ تھی۔ جناب عالی۔ آپ کی ذات اور آپ کی دعوت کے متعلق میرے سے بہت کچھ کہا گیا۔ لوگوں نے اتنا ڈرایا تھا کہ میں نے اپنے کانوں کو آپ کی آواز کیلئے بند کر لیا تھا۔ اب خدا نے مجھے آپ کی آواز سنا دی ہے فرمایئے کہ آپ کیا کہتے ہیں؟ رسول اللہؐ نے دعوت اسلام پیش کی اور کچھ قرآن سنایا۔ ابوالفرج اصفہانی نے بحوالہ ابن کلبی بیان کیا ہے کہ رسول اللہ نے سورہ اخلاص اور معوذتین کی تلاوت کی۔ سننے کے بعد طفیل سے نہ رہا گیا۔ ان کا تاثر خود ان کے الفاظ میں یہ تھا۔

فلا واللہ ما سمعت قولاً قط احسن منہ ولا امراً اعدل منہ

خدا کی قسم! میں نے اس سے بہتر اور اس سے زیادہ انصاف والی بات کبھی نہیں سنی۔

اس کے بعد کیا ہوا۔ خود کہتے ہیں کہ میں مسلمان ہو گیا۔ اور شہادت حق کا فرض انجام دیا۔ مسلمان تو آج بھی ہوتے ہیں۔ سننے کی چیز یہی ہے۔ اس عہد میں اسلام قبول کرتے ہی ایک مسلمان کو لاالٰہ الا اللہ کی عائد کردہ ذمہ داریوں کا احساس کتنا ہوتا ہے۔ وہ اس کہنے کے ساتھ ہی یہ سمجھتا ہے کہ بس اب میری زندگی میری نہیں ہے۔ طفیل نے بھی یہی سوچا۔ بولے یا رسول اللہ۔ قوم میں میری چلتی کا زمانہ ہے۔ ان میں واپسی اب طفیل کی واپسی نہیں بلکہ داعی اسلام کی واپسی ہے۔ خدا سے دعا کیجئے کہ حق جل شانہ مجھے کوئی نشانی مرحمت کر دے جو میرے لئے دعوت کا کام آسان اور سازگار ہو جائے۔ رسول اللہؐ نے دعا دی اور فرمایا۔

اللھم اجعل لہ اٰیۃ　　　اے اللہ اس کیلئے کوئی نشانی بنا دے

طفیل دہان نبوت سے نکلی ہوئی دعا کی سوغات لے کر وہاں سے چل دیئے۔ اب ان کا رُخ داعی کی حیثیت سے قوم کی طرف تھا۔ آبادی کی طرف راستہ پر چل رہے تھے۔ راستہ کا کچھ محل وقوع ایسا تھا کہ دو پہاڑوں کے درمیان سے ہوتا ہوا بلندی سے نیچے جا کر دوس کی آبادی سے ملتا تھا۔ طفیل اپنی آبادی کی طرف چلنے کے لئے اس راستہ پر پہنچے تو پیغمبر کی دعا پیشانی کا نور بن کر چمک گئی۔ طفیل کا رُخ آبادی کی طرف تھا۔ ابن عبدالبر کا کہنا تھا۔ کہ طفیل کا جگمگاتا چہرہ رات کی تاریکی میں پوری آبادی دیکھ رہا تھا

یتراٰئی الحاضر فی ظلمۃ اللیل

رات کی تاریکی میں آبادی دیکھ رہے تھے

طفیل کہتے ہیں میں نے فوراً اللہ جل شانہٗ سے دعا کی کہ:۔

اللھم فی غیر وجھی　　　یا اللہ چہرے پر نہیں کسی اور جگہ پر!

یہ بھی طفیل ہی نے بتایا ہے کہ دعا کیوں مانگی۔ فرماتے ہیں کہ اس اندیشہ سے ڈر کر کہ مبادا کہیں لوگوں کے منہ سے نکل جائے کہ دین سے نکل کر صورت بگڑ گئی۔ ادھر دعا ہوئی اور روشنی کا چمکارا کوڑے میں آگیا۔ اب طفیل جا رہے تھے کہ راستہ اتر رہے ہیں اور ان کے کوڑے کا چمکارا آبادی کے تماشائی دیکھ رہے تھے۔ ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ اونٹ پر سوار تھے اور کوڑا قندیل کا کام دے رہا تھا۔ اسی وجہ سے آپ کا لقب ذوالنور ہے گھر پہنچے رات گزری۔ صبح اٹھتے ہی دعوت کا کام شروع کیا۔ مگر پہلے پرائے نہیں اپنے اپنوں میں بھی ماں باپ اور اہلیہ کے سامنے اسلام کی سوغات رکھ دی۔ سب سے پہلے ابا ملے۔ بولے۔ ابا ذرا پرے رہیئے۔ رشتہ ایمان رشتہ رحم سے زیادہ

پیارا ہے۔ باپ بولے بیٹا کیوں؟ بولے اس لئے کہ اسلمت وتابعت دین محمد۔ ابا نے کہا۔ بہت اچھا لیجئے فدینی دینک۔ بولے جائیے غسل فرمائیے اور کپڑے پاک پہنئے۔ پھر تشریف لائیے۔ طفیل کے ابا نے غسل کیا۔ کپڑے صاف کئے۔ واپس آئے۔ طفیل نے اسلام کی سوغات پیش کی مسلمان ہو گئے۔ بیوی سے بھی یہی حالات پیش آئے۔ ان سے غسل کرنے کو کہا۔ مگر داعی حکیم ہوتا ہے اس لئے بولے ذی الشریٰ کے خطیرے میں نہا کر آؤ۔ ابن ہشام کا کہنا ہے کہ دوس قبیلہ کے بت کا نام ہے۔ اسی کے نام سے خطیرہ تھا۔ خطیرے میں پانی کا ایک چشمہ تھا۔ بیوی بولی بچوں کا کیا بنے گا۔ طفیل نے موحدانہ بے باکی سے کہا۔ کچھ نہیں۔ اس کا میں ذمہ دار ہوں۔ گئیں، غسل کیا۔ آئیں اور اسلام کی دولت سے مالا مال ہو گئیں۔ طفیل نے اس کے بعد قبیلہ دوس میں دعوت کا کام شروع کیا۔ مگر سوسائٹی نے طفیل کی دعوت کو دعوت نہیں للکار سمجھا۔ ناقدری کے ہتھیاروں سے طفیل کا مقابلہ کیا۔ ابن کلبی کا خیال ہے ایک شخص کو مستثنیٰ کر کے کسی نے بات نہ مانی یہی مستثنیٰ شخصیت ...... ابوہریرہ کے نام سے پہچانی جاتی ہے (تصریح نہیں ہے۔ مگر قیاس یہی چاہتا ہے۔ طفیل ان ہی کو لے کر رسالت مآب کی خدمت میں پہنچے اور دوس قبیلہ کی شکائیت کرتے ہوئے انکے لئے بد دعا کی درخواست کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اٹھائے اور بد دعا کی جگہ جو صدا زبان پر آئی یہ تھی۔

اللھم اھد دوسًا ۔ اے اللہ دوس کیلئے ہدایت کے دروازے کھول دے

ف ل سے بتا دیا کہ داعی کے مانگنے کی چیز برائی نہیں بلکہ اچھائی ہے داعی جو الخیر کی دعوت لے کر آتا ہے اسے خود خیر الناس ہونا چاہئے۔ نفس خیرات ہی

اس کا پیشہ ہونا چاہیئے اور اس کو خدا سے الخیر ہی مانگنی چاہیئے ۔ اپنے لئے بھی اور دوسروں کے لئے بھی ۔ اپنے لئے کہئے :

اجعل الحیاۃ زیادۃً لی فی کل خیر (مسلم)

اے اللہ زندگی کو ہر خیر میں زیادتی کا ذریعہ بنا دے ۔

اور طفیل کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ فہمائش کی ـــ جاؤ دعوت دو اور نرمی برتو ۔ بخاری میں جو بحوالہ ابوہریرہ طفیل کی آمد کے ساتھ اسی دعا کا تذکرہ ہے ۔ وہ شائد اسی وقت کی ہے ۔ ابوہریرہ ہی واقعہ بیان کرنے والے ہیں ۔ قیاس بھی کہتا ہے کہ ابوہریرہ طفیل کے ساتھ تھے ۔ طفیل نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے دوس کے متعلق دعا سنی تو بول پڑے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ تو نہ چاہتا تھا ۔ نبوت بولی ، اے طفیل جہاں تو دعوت کا کام کر رہا ہے ۔ اس زمین پر تیرے جیسے بہت ہیں پھر دوس میں آئے اور ہدایات کی سرشاریوں کے ساتھ آئے کام کیا اور خوب کیا ۔ تصریح نہیں مگر واقعات کی ترتیب یہی کہتی ہے کہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کی دعا رنگ لائی ۔ بہت سے گھرانوں نے طفیل کی پکار پر لبیک کہی انہیں لبیک کہنے والوں میں حاکم دوس کے صاحبزادے حضرت جندب بھی تھے ۔ حضرت طفیل کہتے ہیں ۔ اب میں مدینے آیا ۔ تو دوس کے ۸۰ گھرانے میرے ساتھ تھے ۔ بدر احد اور خندق گذر چکا تھا ۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خیبر میں تھے ۔ میں دعوت کی کمائی لیکر خیبر میں آپ سے جا ملا ۔ وقت گزر گیا ۔ حالات نے ایک نئی کروٹ لی ۔ مکہ فتح ہوا اور دعوت کی بنائی ہوئی زمین پر رعایت کی گاڑی چلنے لگی یعنی اسلام نے افراد کی اخلاقی اور اعتقادی اصلاح سے آگے قدم بڑھا کر سیاست و قانون میں رکھ دیا سب ہی کام کر رہے تھے اور ہر شخص اپنے

Marfat.com

اپنے فرض کی تلاش میں تھا ۔ ایک روز یہی طفیل بولے یا رسول اللہ ذی الکفین کو ڈھانے اور جلانے کے لئے مجھے مقرر کیجئے ۔ ذی الکفین دوس بستی کا ایک بت تھا ۔ حضرت جندب کے والد اس کے تولی بنے حکم ملنے پر روانہ ہو گئے ۔ آگ لگاتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے ۔

یا ذا الکفین لست من عبادکا میلادنا اقدم من میلادکا

انی حششت النار فی فوادکا

اے ذو الکفین ! میں تیرے پرستاروں میں سے نہیں ہوں ۔ ہماری تاریخ پیدائش تیری پیدائش سے قدیم ہے ۔ میں نے تیرے دل میں آگ بھر دی ہے ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک مدینے ہی میں قیام کیا فتنہ ارتداد میں حضرت ابوبکر کے ساتھ کام کیا اور یمامہ میں شہید ہو گئے ۔

فَاِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۝

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ

بنام جناب میجر اللہ دتا صاحب محلہ احمد پورہ سیالکوٹ شہر

Marfat.com

ڈسٹرکٹ جیل سیالکوٹ

۳۰ر جنوری ۱۹۵۴ء

حدیث الدنیا سجن المؤمن کی تشریح۔ مسلمان کے لئے دنیا کے جیل خانہ ہونے کا مشہور مطلب اور احادیث کی روشنی میں اس کی تردید۔ یزدگرد کے دربار میں ربعی ابن عامر کی تقریر۔ محدثین پر حرف گیری گمراہی اور فقہاء پر بے اعتمادی بے راہ روی ہے۔

صدیقی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

یہاں کے درودیوار آپ کو یاد کرتے رہتے ہیں نہیں بلکہ آپ کے فراق میں۔ مکر کے نہیں۔ ہمدردی کے آنسو بہاتے ہیں۔ کوئی نہ کوئی کچھ نہ کچھ آپ کی داستان سنا ہی دیتا ہے۔ آج مسٹر غلام محمد نے آپ کی کہانی چھیڑ دی۔ آپ کی آمد، آپ کی تلاش اور آپ کی روانگی غرض آپ کی جیل یاترا کا ایک ایک گوشہ سنایا اور خوب مزے لے لے کر سنایا۔ میں بار بار اپنی عدیم الفرصتی کو درمیان میں آڑ بنا کر پیش کرتا ہوں مگر وہ سناتے ہی جاتے ہیں اور روزانہ بعد نماز عصر کھلنے پر آپ کا افسانہ چھیڑ دیتے ہیں۔ خوب آدمی ہیں مگر حرفوں کے بنے ہوئے ہیں۔

دراصل ایک مسلمان کی پوری زندگی اس حیثیت سے جیل کی زندگی سے مشابہ ہے کہ اس میں بے راہ روی آزادی اور خود مختاری کو ختم کر کے قانون کی پابندی کو لازمی قرار دیا گیا ہے۔ صحیح مسلم میں جو یہ حدیث آئی ہے کہ الدنیا سجن المومن وجنۃ للکافر تو اس کا مطلب یہی ہے کہ دنیا میں کافر کی زندگی آزاد بے راہ روی اباحت مطلقہ اور خود رائی کی ہے اور مسلمان اس دنیا میں اللہ کی بندگی، پیغمبر کی طاعت اور اس کی پیروی سے کر آیا ہے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ مسلمان دنیا میں ہجوم نوازل، انبوہ زلازل اور احاطہ حوادث کے لئے آیا ہے اور کافر سرفراز ہوں، بالا دستیں نعمتوں

Marfat.com

اور آسائشوں سے ہمدوش ہونے کے لئے آیا ہے۔ مسلمانوں کی تاریخ اس کی تکذیب کرتی ہے یاد پڑتا ہے کہ ربعی ابن عامر نے یزدگرد کے دربار میں مسلمانوں کے قاصد کی حیثیت سے تقریر کرتے ہوئے کہا تھا۔

اللہ نے ہمیں اس لئے روانہ فرمایا کہ لوگوں کو تاریکیوں سے نکالکر روشنی میں لائیں۔ انسانوں کی بندگی چھڑا کر خدا کی بندگی پر آمادہ کریں۔ انکو دنیا کی تنگی سے نکال کر کشادگی کی طرف لائیں اور مذاہب کی کجروی اور بے اعتدالی سے نکال کر اسلام کی صراط مستقیم پر لگائیں۔

یقین فرمایئے اللہ نے مسلمانوں کو کافروں کی زمین امکانات اور مال واسباب کا وارث بنایا ہے اور ایسی زمین کا وارث بنایا ہے جس پر وہ ابھی چلے نہیں واورثکم ارضکم وارضا لم تطؤھا۔ انہیں زمین کی خلافت دی ہے اور اقتدار عطا کیا ہے۔

حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد تم نے پڑھا یا سنا ہو گا کہ

ان اللہ زوی لی الارض فرأیت مشارقھا ومغاربھا وان امتی سیبلغ ملکھا ما زوی لی واعطیت الکنزین الاحمر والابیض او کما قال (ترمذی)

اللہ نے میرے لئے زمین کو سمیٹا تو میں نے مشرق اور مغرب کو دیکھ لیا میری امت کی حکومت وہاں تک پہنچے گی جہاں تک میرے لئے زمین سمیٹ دی گئی اور مجھے سرخ و سفید یعنی سونا اور چاندی کے دونوں خزانے دیئے گئے

اور یہ ارشاد بھی تم نے سنا ہو گا کہ:۔

اذا ھلک کسری فلا کسری بعدہ واذا ھلک قیصر فلا قیصر بعدہ والذی نفسی بیدہ لتنفقن کنوزھما فی سبیل اللہ او کما قال (ترمذی)

جب کسریٰ نہ رہیگا تو پھر کوئی کسریٰ نہ ہو گا۔ اور جب قیصر ختم ہو جائے گا۔ تو پھر کوئی بھی قیصر نہ ہو گا۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے تم ان دونوں کے خزانوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے۔

Marfat.com

سوچئے کہ کیا ان ارشادات کی موجودگی میں کوئی شخص یہ سوچ بھی سکتا ہے کہ دنیا کے مسلمان کے لئے جیل ہونے کا مطلب اس کے سوا کچھ اور بھی ہو سکتا ہے جو میں نے عرض کیا ہے۔

دراصل لوگ دہانِ نبوت سے نکلی ہوئی بات خود نہیں سمجھتے اور اس کے نتیجے میں یا تو ارشاد ہی کا انکار کر دیتے ہیں اور بلب کی روشنیوں اور پنکھوں کی ہواؤں میں بیٹھ کر محدثین پر حرف گیری کرتے ہیں یا پھر جنہوں نے ارشادات کے معانی کو سمجھا ہے یعنی فقہا ان کے علم کو اپنے خود ساختہ گزوں سے ناپنے لگتے ہیں۔ اول سرتا سر گمراہی اور دوسرا سرتا سر خود رائی اور بے راہ روی ہے۔

اچھا اب آنکھوں میں نیند بھر آئی ہے دیکھتا نہیں ملکہ زور سے دیکھنے کی کوشش کرتا ہوں۔ لالٹین کی روشنی بھی مدھم پڑ رہی ہے اسے بھی تیل کی کمی کی شکایت ہے۔ جیل سے تیل تھوڑا ہی ملتا ہے۔ گھر سے تیل منگایا تھا ٹین میں جو کچھ تھا وہ لالٹین کی نذر کر چکا ہوں۔ شاید کل کو آ جائے۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

بنام جناب شیخ احمد دین صاحب سابق صدر بزم اسرار اسلام محلہ احمد پورہ سیالکوٹ

Marfat.com

ڈسٹرکٹ جیل سیالکوٹ
۲ر فروری ۱۹۵۷ء

یزید بن رومان کی روایت کی تحقیق۔ تراویح کا اختلاف کا بنیادی نقطہ۔ مرسل حدیث کی تعریف۔ مرسلات مؤطا کا حکم۔ مرویات مرسلہ کی آئینی حیثیت۔ تابعین کو اپنے بزرگوں پہ ایسا ہی اعتماد تھا۔ جیسے ہمیں بخاری اور مسلم پر۔ روایات مرسلہ میں محدثین کا مذہب۔

عزیزم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

اس وقت تم یاد آئے۔ عشاء کی نماز سے فراغت کے بعد چارپائی پر بیٹھا ہوں۔ یکایک دماغ میں تمہارا خیال آیا اور خیال کے ساتھ دل میں تمہاری یاد چٹکیاں لینے لگی۔ اور یکدم تم سے باتیں کرنے کو جی چاہا تو تمہاری مؤطا امام مالک کی یزید بن رومان کی روایت تنقید یاد آگئی۔ تمہیں یاد ہوگا کہ تم نے ایک بار کہا تھا۔ کہ مؤطا امام مالک کی یہ روایت مرسل ہے۔ جی چاہا کہ آج کی صحبت میں تمہیں یہی بتاؤں۔ پہلے روایت سن لو۔

عن مالك عن يزيد بن رومان قال: كان الناس يقومون في زمان عمر بن الخطاب في رمضان بثلاث وعشرين ركعة۔ اوكما قال۔ (مؤطا)

یہ جمہور اور ائمہ اربعہ کا تراویح کے زمانہ عمر میں بیس ہونے کے لئے استدلال ہے اگرچہ زمانہ عمر میں تراویح کا بیس ہونا اس پر موقوف نہیں ہے کیونکہ یہ مسئلہ امت میں اتفاقی ہے کہ زمانہ عمر میں تراویح بیس تھی یہ ایک تاریخی حقیقت ہے۔ اس کا منکر کوئی نہیں اور اس میں امت میں کبھی دو رائیں نہیں ہوئیں۔

نواب صدیق حسن خان قنوجی ہوں یا امیر محمد بن اسماعیل یمانی یا حافظ محمد بن ابراہیم

یمانی ہوں یا قاضی شوکانی یمانی سب اس پر متفق ہیں۔ افسوس کہ میرے پاس کتابیں نہیں ہیں۔ ورنہ ایک ایک کے متعلق تصریحاً بتا دیتا کہ سب زمانہ عمر میں بیس ہونے کے اقراری ہیں۔ نواب صدیق حسن خان کے الفاظ تو کو ذہن میں اب بھی محفوظ ہیں۔ حکیم احمد دین نقشبندی نے ایک بار اپنی حیات میں اپنی کچھ کتابیں مدرسہ کو منتقل کی تھیں۔ ان میں نواب صاحب کی ایک کتاب ہدایۃ السائل الی ادلۃ المسائل بھی آئی تھی۔ یہ نواب صاحب کا فتاویٰ ہے۔ اس میں لکھا ہے۔

فالحاصل انہ ماصح عنہ صلی اللہ علیہ وسلم وانما ھو من سنن عمر قال العسکری اول من قیام رمضان عمر سنۃ اربعۃ عشر۔

چند سطروں کے بعد فرماتے ہیں۔

مقصود آنکہ یازدہ از آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مروی گشتہ وبیست رکعات زیادت عمر بن الخطاب است۔

یہ یا اسی طرح کی عبادت ہے۔

الغرض زمانہ عمر میں تراویح کا بیس ہونا مسئلہ اختلافی نہیں ہے۔ اختلاف تو صرف اس میں ہے۔ کہ خلافت کے اعمال دین میں حجت ہیں یا نہیں جمہور اہل السنت صحابہ کے اعمال کو حجت اور ان کی سنت کو سنت اور ان کو معیار حق مانتے ہیں مگر ایک شرذمہ قلیلہ کا دعویٰ یہ ہے۔ کہ صحابہ کے اعمال دین میں حجت نہیں ہیں۔ یاد پڑتا ہے کہ مشہور اہلحدیث عالم امیر محمد بن اسماعیل یمانی نے سبل السلام میں لکھا ہے کہ خلیفہ راشد کو کوئی ایسا طریقہ رائج کرنے کا حق نہیں ہے۔ جس پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم عمل پیرا نہ تھے۔

اگرچہ یہ ان کی غلطی ہے اور اس کے نتیجے میں وہ ایک سے زیادہ مسائل میں جمہور اہل السنت سے علیحدہ ہو گئے ہیں۔ مگر بنائے نزاع یہی ہے۔ یہ نہیں کہ زمانہ

Marfat.com

عمر میں تراویح بیس تھی یا نہیں۔

بخیر یہ تو ایک ضمنی بات تھی۔ کہنا یہ چاہتا ہوں کہ زمانہ عمر میں تراویح کا بیس ہونا اس روایت پر موقوف نہیں ہے۔ اس کی تکذیب تو محدثین، مورخین کی تکذیب ہے۔ جہاں تک اس روایت پر تمہاری تنقید کا معاملہ ہے سردست میں اسی کو سلجھانا چاہتا ہوں۔

محدثین کی اصطلاح میں حدیث مرسل وہ کہلاتی ہے۔ جس میں تابعی اپنے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے درمیان جو واسطہ ہے۔ اس کو بیان کیے بغیر بیان کر دے جیسے اس حدیث میں یزید بن رومان نے کیا کہ زمانہ عمر نہیں پایا مگر بتا دیا کہ زمانہ عمر میں بیس تراویح ہوتی تھی۔

یہاں دو باتیں تنقیح طلب ہیں۔

ایک مرسل روایات کی آئینی حیثیت

دوسرے مراسیل موطا کا حکم۔

موطا کے مراسیل کی حد تک تو محدثین کا فیصلہ ہے کہ موطا کے تمام مراسیل، منقطعات اور بلاغات متصل اور مسند ہیں۔ چنانچہ علامہ صالح فلانی لکھتے ہیں

> ابن عبدالبر نے بجز چار روایتوں کے تمام مراسیل اور منقطعات موطا کو باسانید صحیحہ موصولاً ذکر کیا ہے۔ اور ان چار کے متصل ہونے پر بھی حافظ ابن الصلاح نے ایک مستقل تالیف کی ہے جو میرے پاس موجود ہے۔ اور اس پر خود ان کے قلم کی تحریر بھی ہے۔

ایک مقام پر حافظ مغلطائیؒ نے دعویٰ کیا ہے کہ دفتر حدیث میں سب سے پہلی صحیح کتاب موطا امام مالک ہے۔ حافظ مغلطائیؒ کے اس دعوئی پر حافظ عسقلانی نے

Marfat.com

یہ اعتراض کیا کہ چونکہ موطا میں روایات مرسلہ ہیں۔ اس لئے مؤطا صرف امام مالک کو ماننے والوں کے نزدیک ہی صحیح ہے۔ دوسروں کے نزدیک نہیں۔ اس کا جواب تنویر الحوالک میں حافظ جلال الدین السیوطی نے جو دیا ہے وہ ہی سنانا چاہتا ہوں۔ فرماتے ہیں۔

مؤطا میں جو مراسیل ہیں علاوہ اس کے کہ وہ بلا کسی شرط امام مالک اور ان کے ماننے والوں میں حجت ہیں۔ ہمارے نزدیک بھی حجت ہیں کیونکہ ہمارے یہاں جب مرسل کا کوئی موید موجود ہو تو وہ حجت ہے اور موطا میں کوئی مرسل روایت ایسی موجود نہیں ہے کہ جس کا ایک یا ایک سے زیادہ موید موجود نہ ہو۔ (تنویر الحوالک)

یہ تو مراسیل مؤطا کی بات ہے۔ اور جہاں تک مرسل روایات کی آئینی حیثیت کا تعلق ہے۔ تو یہ حقیقت ہے کہ تیسری صدی سے پہلے مرسل روایات مسند کی طرح قابل حجت سمجھی جاتی تھیں۔ تیسری صدی کے شروع میں محدثین میں حدیث مرسل کے بارے میں اختلاف رونما ہوا۔ کچھ نے اس کو حجت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ کچھ نے اس کا درجہ مسند کے بعد رکھا اور کچھ نے اس کو مسند پر ترجیح دی۔

سب سے پہلے امام شافعی نے مرسل روایات پر کلام کیا ہے۔ چنانچہ امام ابوداؤد اپنے خط میں جو انہوں نے اہل مکہ کے نام لکھا ہے۔ اور جس میں انہوں نے اپنی کتاب سنن ابوداؤد کا تعارف کرایا ہے اور جس کے اقتباسات مشہور اہل حدیث عالم نواب صدیق حسن خان نے الحطہ میں درج کئے ہیں۔ لکھتے ہیں۔

مرسل حدیثوں سے گذشتہ علماء جیسے سفیان ثوری۔ مالک بن انس اور اوزاعی استدلال کرتے تھے۔ یہاں تک کہ امام شافعی آئے اور انہوں نے اس پر گفتگو کا دروازہ کھولا اور احمد بن حنبل وغیرہ نے اس موضوع پر ان ہی کی پیروی

Marfat.com

کی ہے۔ لہذا جب کوئی مستند روایت مرسل روایت کے خلاف موجود نہ ہو۔ تو ایسی صورت میں مرسل روایت کو اپنایا جائے گا۔

لیکن الآمدی نے امام شافعی کے متعلق یہ بھی نقل کیا ہے کہ ایسے "مرسلات":

جن کے ارسال کرنے والے کے متعلق یہ معلوم ہو گیا کہ وہ ارسال ایسے لوگوں سے نہیں کرتا جن میں جہالت نہ ہو۔ تو اس قسم کے لوگوں کی روایات قابل قبول ہوں گی۔

اس کا مطلب یہی ہے کہ قابل اعتماد لوگوں کی روایات چاہے وہ اس کی سند نہ بتائیں۔ لیکن ان کا بیان کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ انہوں نے بے سوچے سمجھے اس کو بیان نہیں کیا ہے۔ کیونکہ غالب امید ایک متدین متقی اور پرہیزگار آدمی سے یہی کی جاسکتی ہے کہ اپنے آپکو مطمئن کر لینے کے بعد ہی اس بڑی ذمہ داری کو انہوں نے قبول کیا ہے۔ یقیناً یہ ایک حیثیت سے افتراء علی اللہ ہے اور قرآن میں ایک سے زیادہ مقامات پر افتراء علی اللہ کو سب سے بڑا ظلم قرار دیا گیا ہے۔ جن بزرگوں کی عدالت مسلم ہو ان سے اس کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ یہ کھلا ہوا ایک عقلی قانون ہے اور اسی بنا پر مرسل روایات کو عموماً حجت قرار دیا جاتا ہے۔ یاد پڑتا ہے کہ الآمدی نے لکھا ہے۔

والمختار قبول مراسیل العدل مطلقا۔

بتایا جائے کہ یزید بن رومان ثقہ اور عادل ہے کہ نہیں۔ ان کی عدالت پر حرف گیری سند روایات کی بربادی ہے۔ یہ اس موضوع پر تیسری صدی کے ارباب حدیث کے نظریہ کی توضیح ہے۔ ورنہ دوسری صدی کے محدثین یعنی تابعین کے یہاں تو اس موضوع پر کبھی دو رائیں نہیں ہوئی ہیں۔ چنانچہ امام محمد بن جریر طبری کے حوالہ سے حافظ ابن عبدالبر نے نقل کیا ہے۔

Marfat.com

ان التابعین اجمعوا باسرهم علی قبول المراسیل

اور یہ بھی لکھا ہے کہ دوسری صدی تک اس کا تابعین میں سے نہ کسی نے انکار کیا اور نہ ہی ائمہ میں سے کسی سے اس کے خلاف کوئی نکیر ثابت ہے۔ مصنفین صحاح میں سے صرف امام مسلم نے اپنے مقدمہ میں تصریح کی ہے کہ مرسل روایات حجت نہیں ہیں۔ لیکن یہ تمام ارباب صحاح کا متفقہ فیصلہ نہیں ہے۔ امام ابوداؤد کے متعلق آپ سن آئے ہیں کہ

جب مسند مرسل کے خلاف نہ ہو اور مسند موجود نہ ہو تو مرسل سے استدلال کیا جائے گا۔

بلکہ حافظ ابوالفرج ابن الجوزی نے اپنی مشہور کتاب التحقیق فی احادیث الخلاف میں اور محدث خطیب بغدادی نے الجامع فی آداب الراوی میں امام احمد سے یہاں تک نقل کر دیا ہے کہ

بسا اوقات مرسل روایت مسند سے بھی زیادہ قوی ہوتی ہے
(شرح نقایہ ص۲۰)

اور تو اور متاخرین میں سے حافظ ابن حزم ظاہری تو یہاں تک فرما گئے

ایسے مراسیل جن کی پشت پر اجماع ہو۔ جو قرناً بعد قرنٍ نقل ہو کر آرہی ہو۔ اس کے لئے کسی بھی سند کی ضرورت نہیں ہے۔ واقعہ کے ہونے کے لئے اس مرسل کا ہونا اور نہ ہونا دونوں یکساں ہیں۔
(توجیہ النظر)

آیئے اس ترازو میں یزید بن رومان کی روایت کو تول کر دیکھ لیجئے کیا اس کی پشت پر سیزدہ صد سالہ امت کی اجماعی قوت نہیں ہے۔ کیا یہ قرناً بعد قرنٍ نقل ہو کر نہیں آرہی ہے؟ بتلایا جائے کہ کیا اسکی حیثیت لاوصیۃ لوارث سے کچھ بھی

Marfat.com

مختلف ہے۔

اگر یہ بغیر سند کے صرف اس لئے مقبول ہے کہ اس کی پشت پر امت کی اجماعی طاقت ہے۔ تو بتلایا جائے۔ کہ یزید بن رومان کی روایت کو درجہ پذیرائی کیوں نہیں ہے؟ یہ تو مرسلات تابعین ہیں ـــــ ان کا تو مقام ہی بالا ہے آج تو خود مرسلات علماء بھی حجت ہیں۔ بتلایا جائے۔ کہ آج بھی بخاری و مسلم وغیرہ کی متصل روایات کو ہم جو صحیح مانتے ہیں تو کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ صرف ان ائمہ کی دیانت پر اعتماد ہی کی وجہ سے ان کو صحیح کہا جاتا ہے۔ حافظ محمد بن ابراہیم الوزیر کہتے ہیں۔

اعلم ان اقوی المراسیل ما ارسله العلماء من احادیث هذه الکتب

اللہ اکبر! ہم اگر کہیں کہ یہ کتاب امام بخاری کی تصنیف ہے یہ تو صحیح ہے حالانکہ یہ بات ہم دس صدیاں گذرنے پر لوگوں کو بتلا رہے ہیں اور یزید بن رومان اگر پہلی ہی صدی میں صرف چند سال پہلے کی بات بتائیں کہ یہ کام زمانہ عمر میں ہوتا تھا تو یہ غلط ہے۔ چاہے یزید نے حضرت عمر کے پوتوں عبید اللہ اور سالم کے سامنے ہی زانوئے شاگردی تہ کیا ہو۔ اور چاہے وہ عالم ہوں، کثیر الحدیث ہوں اور ثقہ ہوں مگر منظور نہیں۔ فانا للہ وانی اللہ المشتکی۔

اسی قسم کے اختراعی قواعد کے نتیجے میں متعدد مسائل میں ائمہ مجتہدین اور فقہاء سے کٹ کر نئے نئے فرقوں کی بنیاد پڑ گئی ہے۔

سچ یہ ہے کہ تابعین کو اپنے بزرگوں پر ویسا ہی اعتماد تھا۔ جیسا کہ صاحب مشکوٰۃ اور صاحب مصابیح کو صحاح ستہ کے مؤلفین پر تھا۔ اور جس طرح انہوں نے حدیثوں کو اپنی کتابوں میں صرف اپنے بزرگوں کے اعتماد پر بلا سند یہ کہہ کر کہ

وان کان نقلہ وانہ من الثقات کالاستاد

درج کر دیا ہے۔ اسی طرح تابعین نے اپنے اساتذہ کی روایات کو لوگوں کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ آخر یہ کونسا انصاف ہے کہ ہم تو اپنے اساتذہ پر اعتماد کریں۔ اور تابعین سے اپنے اساتذہ پر اعتماد کی توقع نہ رکھیں۔ ہمارے مراسیل تو مقبول ہوں اور تابعین کے مراسیل مردود ہوں تبا للاسف ویا للعار لیجئے اب وقت زیادہ ہو گیا ہے۔ ختم کرتا ہوں۔

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

بنام مولانا سید کرامت علیشاہ صاحب فاضل دیوبند مدرس عربی تبلیغ الاسلام ہائی اسکول۔ چونڈہ ضلع سیالکوٹ

ڈسٹرکٹ جیل سیالکوٹ

۲۰ر فروری ۵۴ء

رہائی کی تاریخ اور پھر قید کی توسیع۔ جیل کی زندگی میں بے فکری، علائق کی کثرت، غم والم کا سامان ہے۔ عزلت کی برکتیں، دنیا سے بحیثیت دنیا کے بے تعلقی اور دل میں اللہ کی لگن، ایمان کامل ہی دل کی راحت کا ضامن ہے۔ جیل میں قیدیوں کی تقلید کا پس منظر۔ اگر جیل میں آنا ہی سزا ہے۔ تو مجرم اور غیر مجرم میں کیا فرق۔ جیل میں قیدیوں کی زندگی کی تصویر۔ اگر اسلام کے صرف فوجداری حصہ کو اپنایا جائے تو جیلیں اسی فیصدی خالی ہو جاتی ہیں۔ اسلام کی خاطر چراغ آرزو روشن ہو کر بھڑک بھی گیا۔

عزیز من! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

جی چاہا کہ تم سے کچھ دل بہلاؤں۔ کیا کہوں ایک بجا تھا۔ آسمان نکھرا ہوا تھا چمکتے آفتاب کی تیز کرنوں میں دیوار پر بیٹھا سرمائی سلوٹوں کو کھول رہا تھا۔ میری نگاہ سامنے جیل کی دیوار پر بیٹھی ہوئی چڑیوں کے تماشے میں تھی۔ کبھی وہ سطح دیوار پہ آتیں اور کبھی جیل کی کوٹھڑیوں میں گھس جاتیں۔ پھر اٹھتیں۔ ادھر ادھر اڑتیں۔ جیل کی دیواروں سے گزر کر واپس آجاتیں۔ ان کی اسی آزادی سے اپنی نظر بندی کا خیال آیا۔ اور اسی خیال میں ڈوب کر رہ گیا۔ اور سوچ ہی رہا تھا کہ

ہے رشک کیوں یہ ہم کو سرِ دار دیکھ کر
دیتے ہیں بادہ ظرفِ قدح خوار دیکھ کر

چھ تاریخ کے بعد رہا ہو کر کیا کرونگا۔ کہاں جاؤنگا۔ لوگوں کو کیا سناؤنگا۔ اور ان سے کس چیز کا مطالبہ کرونگا۔ اس وقت مشکلات کیا ہیں۔ وقت کے سوالات

Marfat.com

کیا ہیں۔ میں اندر کیوں آیا تھا۔ اور باہر کیوں جا رہا ہوں۔ اگر میرا آنا کسی مقصد کی خاطر تھا تو جانا کیوں؟ دماغ میں جانے کے خیالات کیوں چٹکیاں لیتے ہیں کیا اس لئے کہ جا کر کچھ کرنا ہے۔ کرنا ہے تو کیا کرنا ہے اور کیسے کرنا ہے۔ انہیں خیالات کی ادھیڑ بن میں تھا کہ اچانک دروازہ کھلا۔ آگے آگے کرنل فخر الدین اور پیچھے راجہ صاحب۔ ہیڈ کلرک وغیرہ ہاتھوں میں کچھ کاغذ لئے آئے۔ حالات کیسے ہی خوشگوار ہوں یا ناخوشگوار مگر کرنل صاحب اپنی خاص ادائیں رکھتے ہیں۔ میں کاغذات کو دیکھ کر متحیر سا ہوا۔ رہائی کا بھوت دماغ پر پہلے ہی سے سوار تھا کاغذات کی نمود نے ایک تلاطم پیدا کر دیا۔ کچھ حیرت سے اور کچھ تعجب سے آئندگان کے چہروں کو پڑھنے میں لگ گیا مگر

شمع خاموش کو فانوس کی حاجت کیا ہے

پڑھنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ کرنل صاحب نے

خوشتر آں باشد کہ سر دلبراں

گفتہ آید در حدیث دیگراں

کی طرح ڈالتے ہوئے چولہے پر رکھی ہوئی دیگچی کے متعلق پوچھ لیا کہ کیا پک رہا ہے۔ ہم دلبران نظم و نسق کی ایک ایک ادا کے محرم راز ہو چکے تھے۔ بھانپ گئے کہ اسرار کی منادی سر بازار ہونے والی ہے وہ تو ؎

ہاں تو ہے عقل کا دستہ پالسی کا

کی تصویر بنے ہوئے تھے۔ مگر یہاں معاملہ اور تھا گویا ؎

لیکن ادھر تصور جانا نہیں کسی کا

مانا کہ نظر بند ہیں لیکن ؎

زباں ہے اگر ناتوانی سے بند مرے دل پہ نہیں معنی کے در بند

کھل گئے اور یوں گویا ہوئے کہ لو دستخط کرو۔ دستخط کا نام سنتے ہی اپنے طوطے اڑ گئے قلم لیا۔ شرم سے گڑ گیا۔ گھڑوں پانی پڑ گیا۔ جو نام سب سے بڑے نبی اور سب سے اونچے ولی کے ناموں کا مجموعہ یعنی محمد علی۔ اس کے پہلے ہی لفظ نے زبان قلم پر آنے سے یہ خیال کر کے انکار کر دیا۔ کہ رہائی کی خاطر شائد یہ پیکٹ ہو رہا ہے۔ کہ یکایک ہجوم عام میں نگاہ نے پیشانی کو دیکھا۔ تو

یہ نظر بندی نکلی نور سحر دیدہ ہائے ہوش اب جا کر کھلے

پتہ چلا کہ رہائی نہیں بلکہ نظر بندی کی توسیع ہے ؎

مستحق دار کو حکم نظر بندی ملا

کیا کہوں کیسے رہائی ہوتے ہوتے رہ گئی۔ آپ کہیں گے کیا خوب پیوند لگایا ہے میں کہوں گا کیا خوب اظہار حقیقت ہے۔ دل باغ باغ ہو کر بلیوں اچھلنے لگا۔ ساری الجھنیں ختم ہو گئیں۔ خیالات میں جس قدر گتھیاں تھیں اب ایک ایک کر کے خود بخود کھل گئیں۔ بارگاہ اقدس سے پر امید ہوں۔

امتحاں سخت سہی پر دل مومن ہی وہ کیا جو ہر ایک حال میں امید سے معمور نہیں

ہم کو تقدیر الٰہی سے نہ شکوہ نہ گلہ اہل تسلیم و رضا کا تو یہ دستور نہیں

اب تو یہی کہتا ہوں کہ خداوندا تیری رضا مطلوب اور تیری پسند مقصود ہے۔ جوہر کا ایک شعر ذرا سی ترمیم سے میرے محسوسات کی ترجمانی کرتا ہے۔

اپنی عزت مجھے مطلوب ہے لیکن انکو نہیں منظور تو پھر مجھ کو بھی منظور نہیں

اوروں کا پتہ نہیں مگر میں تو یہی محسوس کرتا ہوں کہ وقت گزر رہا ہے۔ معاش کی ساری الجھنوں سے آزاد ہوں۔ چائے تین وقت اور کھانا شاندار صبح و شام مل جاتا ہے۔ زندگی کی ساری آسائشیں یہاں جمع ہیں۔ سب سے بڑی آسائش اور سب سے بڑی نعمت جو باہر کسی قیمت پر نہیں ملتی۔ وہ خلوت اور تنہائی ہے۔ اور گویا

Marfat.com

بقول حضرت جوہر ؎

تنہائی کے سب دن ہیں اور تنہائی کی سب راتیں
اب ہونے لگیں خلوت میں ان سے ملاقاتیں

تو بیع آنے سے پہلے بھی خلوت تھی ۔ مگر ایسی نہ تھی ۔ اب تو واقعی ؎ تنہائی کے سب دن اور تنہائی کی سب راتیں ہیں ۔ اکیلا رہتا ہوں کوئی نہیں ۔ اب دل میں باہر جانے کی وہ بھڑک نہیں جو یکم فروری سے پہلے تھی ۔ اب تو محسوس ہو رہا ہے ۔

میں تیرا گھر سمجھ کے سرِ راہ گر پڑا
دیکھا جو آنکھ اٹھا کے تو دروازہ دور تھا

تجربہ یہی ہے کہ علائق کی کثرت جس قدر ہو گی اسی نسبت سے سامان غم و الم بھی بڑھتے جائیں گے ۔ امن و عافیت تو بس خلوت میں ہے ۔ اکبر الٰہ آبادی نے کیا خوب کہا ہے ؎

دل تعلق بڑھا کے پچھتایا
پاؤں پھیلا کے ہاتھ ملتا ہے

اگر جلوت صالحہ نہ ہو تو سارا وقت دوسروں کی عیب چینی اور نقص جوئی میں گزرتا ہے اور اپنی کمزوریوں، خطا کاریوں کی طرف خلوت میں بھولے سے بھی توجہ نہیں ہوتی ۔ آہ ؎ میری نسبت جو ارشاد ہوا وہ میں نے سنا ۔ یہ تو کہیئے اپنی نسبت آپ کی کیا رائے ہے ۔

انسان کی نسبت سب سے زیادہ صحیح رائے خود اس کا ضمیر قائم کر سکتا ہے کیونکہ وہ اس کی اصلی کمزوریوں سے واقف ہوتا ہے ۔ میں ساری دنیا کو دھوکہ دے سکتا ہوں ۔ لیکن خود اپنے ضمیر سے کچھ بھی پوشیدہ نہیں رکھ سکتا ۔

نہ بھول اس پر کہ یہ اور وہ تجھے ایسا سمجھتا ہے
تو اے دل اپنے آپ کو کیا سمجھتا ہے

دل کا معاملہ اللہ جل شانہٗ کے ساتھ ہے اصل میں خود کمزور ہوں ۔ ورنہ اخلاق کا

Marfat.com

صفائی، تزکیہ نفس صرف گوشہ نشینی سے حاصل نہیں ہوتی۔ اصل چیزوں کی بے تعلقی اور اس کا مدار عمل پر ہے۔ اچھی باتوں کی داد دینے والے بہت سے مل جاتے ہیں۔ دل سے ماننے والے ان پر عمل کر کے دکھانے والے کم ہی ہوتے ہیں۔

حرص دنیا سے نہیں ہر صاحب عزلت بری — خانقاہیں اور ہیں اور دل کا کونا اور ہے
مدحت گفتار کو سمجھو نہ اخلاقی سند — خوب کہنا اور ہے اور خوب ہونا اور ہے

بتانا یہ چاہتا ہوں کہ عزلت میرے لئے راحتوں کا سامان ہے اور اسمیں بھی میری ہی کمزوری کا راز چھپا ہوا ہے کہ نفس کی راحتوں کے سامان تلاش کرتا ہوں۔ اب خود ہی سوچ لیجئے کہ مجھ میں اور بزرگوں میں کتنا بڑا فرق ہے۔ وہاں خلوت کی اسلئے تلاش ہے کہ اسمیں نفس کی ناگواریاں سمٹی ہوئی ہیں۔ اور اب اسلئے مطلوب ہے کہ اس میں لذتوں کا سامان ہے۔ سکون دل اور اطمینان خاطر کا راستہ خلوت نہیں اسکی شاہراہ اور ہے۔ سارے ولیوں کا سمجھایا ہوا راستہ یعنی دنیا سے بحیثیت دنیا کی بے تعلقی و بے زاری اور دل ہی کسی کی لگن۔ ہاتھ پیر چلیں پھریں مگر دل میں انگیٹھی دہکتی رہے۔ جو اہل دنیا کا رخ کروگے، سکون خاطر کبھی نہ ہوگا۔ شریک غفلت بہت سے ملینگے۔ شریک عبرت کوئی نہ ہوگا۔ صدیوں پیشتر اسکی منادی کر دیگئی۔ کہ اطمینان و راحت دل صرف ان لوگوں کا حصہ ہے۔ جو ایمان کامل رکھتے ہیں۔ اور اپنی بدعملیوں سے اپنی ایمان کو زنگ آلود نہیں بناتے۔

نیکی کیطرف رخ ہو یہی ناموری ہے — کھوٹے کو جدا کر دے وہی بات کھری ہے

جوہر کی آواز بھی اس آوازہ حق کی صدائے بازگشت ہے۔

سوز دروں سے جل بھنو لیکن دھواں نہ ہو — ہے درد کی یہ شرط کہ لب پر فغاں نہ ہو

سر دلبراں کچھ حدیث دیگراں ہی میں خوش تر و خوشگوار تر ہوتا ہے۔ اور اُستاد غالب اپنی زبان میں فرماتے ہیں۔

ہر چند ہو مشاہدہ حق کی گفتگو — بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

سنتے ہیں۔ قدیم صوفیہ میں ایک فرقہ ملامتیہ تھا۔ ظاہر خراب باطن آراستہ، وضع رندانہ اور صورت مستانہ، لیکن اعمال زاہدانہ اور سیرت فقیرانہ۔ جیل بھی ایک چھوٹے پیمانہ پر عالم صغیر ہے۔

یعنی عالم کبیر میں جو کچھ بھی ہے۔ سب کا نمونہ انگریز کی بسائی ہوئی اس نگری کے اندر موجود ہے کم از کم ضلع سیالکوٹ کا تو اسے ایک زندہ عجائب خانہ سمجھ لیجئے۔ ہر نوع، ہر قماش، ہر نمونہ کے انسان کو اس ننھی سی دنیا میں آ کر دیکھ لیجئے۔ گویا یہاں انسانیت بکھری ہوئی ہے۔ سب کے باطن سب کے اخلاق، سب کمالات یہاں کے یونیفارم کے پردے میں چھپے ہوئے ہیں۔ مہا قزاق مہا ڈاکو، قاتلوں کے راجہ، چوروں کے گروؤں کے گروپ میں وہ بے گناہ چہرے بھی ہیں۔ جو سورج کی کرنوں سے شرما جائیں۔ اور جن میں ابھی تک ماں کے دودھ کی آب باقی ہے۔

بدل جائیگا انداز طبائع دور گردوں سے　　　نئی صورت کی خوشیاں اور نئے سامان غم ہونگے

یہاں لباس کی سادگی۔ رہائش کی سادگی، خوراک کی سادگی کو دیکھ کر ملامتیوں کا تصور آ جاتا ہے مگر یہ نہ سمجھ لیجئے کہ یہ ملامتی ہیں۔ تشبیہ صرف ظاہر میں ہے۔ کردار اور اعمال میں ہرگز تشبیہ نہیں ہے باطن کا حال سب کا خدا کو معلوم ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ جیل کے قانون کا پس منظر کیا ہے عقوبت و قصاص یا اصلاح و تربیت۔ اس نگری میں زندگی کے جو نقوش پائے جاتے ہیں۔ ان کو دیکھتے ہوئے کوئی پس منظر مقرر کرنا از بس مشکل ہے۔ بیشک یہاں مناظر کا لطف عمدہ ترین کھانوں کی لذت بہترین نعمتوں کا مزہ، شیریں پھل اور ٹھنڈے پانی کی روح افزائی، بہتی ندیوں کے کناروں کے دلربا سائے حور وش بھولی اور مسلمان رو بچوں کی رفاقت نصیب نہیں ہے مگر اس میں سزا اور عقوبت کا تصور ہی کیا ہے۔ جیل سے باہر بھی کتنے ناکردہ گناہوں کی زندگیاں ان سے محروم ہیں۔ اگر یہی سزا ہے۔ تو مجرم اور غیر مجرم میں کیا فرق؟ ذرا غور سے دیکھو کہ یہاں معیشت کا معیار خواہ کتنا سادہ ہے۔ مگر بے فکری سے کھانے کیلئے روٹی۔ پہننے کیلئے کپڑے رہنے کیلئے مکان بغیر ہلے جلے ملتا ہے۔ اے کاش حکومت باہر غریبوں، اندھوں، اپاہجوں لنگڑوں، بوڑھوں اور بے کاروں کیلئے جیل ہی جیسی معیاری معیشت کا انتظام کر دے۔ یا کم از کم ان ہٹے کٹوں سے قوم کیلئے کوئی مفید کام کرائے۔ تم یہ سن کر حیران ہو گئے، کہ کوئی جیل خانہ بھی خود کفیل نہیں ہے۔ بلکہ چوروں، ڈاکوؤں، قاتلوں کا بوجھ عوام کی جیبوں

Marfat.com

پر پڑتا ہے۔ لیجئے جرم کون کرتا ہے۔ اور جرمانہ کس کو ہے۔ مجھے ہی لے لیجئے۔ کہ میں ناکردہ گناہ کے جرم میں اندر پڑا ہوں۔ کوئی اصولی حکومت ہو تو مجھ پہ عدالت میں مقدمہ چلائے جرم ثابت ہو جائے۔ تو تختہ دار پہ لٹکا دے۔ مگر داد دیجئے اس بے عقلی کی کہ اندر رکھے ہوئے ہیں۔ اور پورے ۷۵ روپے ماہانہ خرچ کر رہے ہیں۔ اسی واسطے میں کہا کرتا ہوں کہ اسلام اپنانے میں بڑی راحت ہے۔ سچ کہتا ہوں۔ آج اگر صرف فوجداری عدالت میں اسلامی قانون اپناتے تو جیلیں اسی فیصدی خالی ہو جاتی ہیں۔

یہ واقعہ ہے کہ یہاں ۸۰ فیصد قیدی فوجداری الزامات میں آئے ہیں۔ اگر آج کچھ نہیں پاکستان میں صرف فوجداری الزامات کی حد تک اسلامی قانون نافذ ہو جائے تو میں بلا خوف تردید کہہ سکتا ہوں۔ کہ جیل کی ۸۰ فیصدی آبادی گھٹ جائے اور بالفاظ دیگر ۸۰ فیصدی حکومت کو مالیاتی شعبے میں اخراجات کی بچت ہو۔ اس سے بھی آگے ترقی کر کے کہتا ہوں کہ عوام سے ۸۰ فیصدی بوجھ ہٹ جائے۔ مگر کیا کہوں اور کس سے کہوں۔ بھلا ان اسلامی آئین کے ڈھنڈورچیوں کو کون سمجھائے۔ وعدہ تو کرتے ہیں مگر

یقین آنے کو تو آجائے تیرے عہد پیماں کا　　تیری آنکھ لے وعدہ بن شکن کچھ اور کہتی ہے

کن کن صبر آزمائیوں کے بعد آرزؤں کی یہ کلی کھلی تھی۔ کہ اسلامی تہذیب، اسلامی تمدن، اسلامی ثقافت، اسلامی روایات اور اسلامی معاشرت کو گوشۂ آزادی نصیب ہوا۔

کس زور کی لڑائی تھی اللہ رے کشمکش　　تھی رات یاس اور دل ناصبور تھا

بیشک دستور میں اسلام کی خاطر کچھ دفعات کا اضافہ ہوا ہے ؎

پر اس مرحوم کی بوئے کفن کچھ اور ہی کہتی ہے

خوب کہنے کی حد تک تو میں بھی خداوندان پاکستان کی بڑھ بڑھ کر داد دیتا ہوں۔ مگر

خوب کہنا اور ہے اور خوب ہونا اور ہے

کیونکہ حکومت کے کردار کا مظہر ہی عوام ہوتے ہیں۔ اکبر کا ایک شعر ذرا سی ترمیم سے حالات

Marfat.com

کا نقاش بن جاتا ہے۔

باتوں کو تم نہ جانچو پبلک سے مل کے دیکھو
کیا ہو رہا ہے آخر کیسی گذر رہی ہے

یہ شاعری نہیں بلکہ واقعات کی ترجمانی ہے۔ اقبال نے جو دعا مانگی تھی کہ

ضمیر لالہ میں روشن چراغ آرزو کر دے
چمن کے ذرے ذرے کو شہید جستجو کر دے

وہ آدھی تو پوری ہو گئی۔ اسلام کی خاطر چراغ آرزو روشن ہو کر بھڑک بھی گیا لیکن ابھی اسلام کو ضرورت ہے۔ شہیدانِ جستجو کی میں دوڑ نکل گیا۔ بتاتا یہ چاہتا ہوں۔ کہ اگر ضابطہ فوجداری کی حد تک اسلام کو اپنا لیا جائے تو جیل کی آباد کاری ختم ہو کر رہ جائے گی۔ اچھا لو۔ آپ بچوں کے لئے پیاروں کی سوغات، بڑوں کے لئے سلاموں کی ڈالیاں، اور دوستوں کے لئے دعاؤں کے تحفے لے جاؤ۔ سچ بتاؤ کبھی یاد بھی کرتے ہو۔ تمہارا متبسم چہرہ ہر وقت نگاہوں میں کھیلتا رہتا ہے۔ ۲۳ سال پیچھے الٹی زقند لگا کر تمہیں دیکھتا ہوں۔ تو حیران رہ جاتا ہوں۔ اور اپنا اب نہ پوچھو۔

والسلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

بنام چوہدری محمد جمیل صاحب آڑھتی گندم منڈی شہر سیالکوٹ

Marfat.com

168
DATA ENTERED

نقوشِ زنداں

یعنی تحریکِ ختمِ نبوت کی قید و بند میں لکھے ہوئے مختلف احباب کے نام خطوط، جن میں اسلام کے بنیادی مسائل ختمِ نبوت، مسئلہ ارتداد، توحید و رسالت، مقامِ نبوت، احسان و استحسان پر تبصرہ اور مختلف آیاتِ قرآنی اور ارشاداتِ نبوت کی تشریح کی گئی ہے۔

—— از ——

حضرت مولانا الحافظ الحاج محمد علی صاحب صدیقی

صدر دار العلوم الشہابیہ سیالکوٹ

—— ناشر ——

مکتبہ قاسمیہ رنگپورہ روڈ شہر سیالکوٹ